

188849

TEXT CUT BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188849

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 9225961

Accession No.

3188
4188

Author

- - 3

Title

145-212

This book should be returned on or before the date
last marked below.

انتساب کی کتاب

یہ مجموعہ اوراق اگرچہ کتابی حیثیت سے دوسری تالیفات پر کوئی قیمت نہیں رکھتا مگر یہ لحاظ نفس مطلب تمام دوسری کتابوں پر قرآن پریم کے بعد اس لئے فائق ہے۔ کہ اس کا موضوع اُس مقدس ذات کے حالات زندگی ہیں جسکی شان میں لولاک لما خلقت الافلاک آیا ہے اور جو دونوں جہانوں کے لئے مہ چشمہ رحمت و برکت ہے۔ ایسی کتاب کے انتساب میں بھی رسم زمانہ سے قطع نظر کر کے چند خاص باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

نظر برآں

یہ تالیف جناب مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے (مدیک) ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور کی خدمت میں اس عقیدت و محبت کی بناء پر جو ان کو حضور رسالت ماہ کی ذات جامع کمالات اور اسلام سے ہے۔ اور جس کا ثبوت ادنیٰ تحریر و تقریر۔ قول و فعل سے بار بار ہو چکا ہے۔ بطور ایک تبرک کے پیش کی جاتی ہے جسکو وہ یقیناً نہایت خوشی سے قبول فرمائیں گے

اختر اکرام عظیم پبلشر کتاب ہذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تہمید

الحمد للہ رب العالمین، والسلام علی المرسلین خصوصاً علی سیدنا و مولانا محمد
مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و خاتم النبیین

اما بعد

یہ کتاب جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اس میں ایک ایسے
عظیم الشان مقدس و برگزیدہ بزرگ کی زندگی کا مختصر سا نقشہ کیسے بننے کی کوشش
کی گئی ہے جس کی شان میں کہا گیا ہے کہ ع

بعد از خدایا بزرگ توئی قصہ مختصر

ایسے باوقار و زوی اقتدار بزرگ کی زندگی کا مرقعہ لینا جس کی بزرگی خدا کے بعد سلسلہ
ہو آسان کام نہیں۔ اور خصوصاً مجھ جیسے ناچیز و ناتوان اور سچمیز انسان کے لئے تو
بہت کچھ دشوار ہے۔ لیکن میں مسلمان ہوں۔ اور میرا عقیدہ ہے کہ ہر نیک کام
میں خدا نے ہر تر اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ کام خاص اس کے
حبیب کے ذکر سے تعلق رکھتا ہو۔ اس لئے میں نے اس اہم کام کو انجام دینے کی
جرات کی۔ اور بتائید الہی اس موضوع پر جو کچھ بھی مجھ سے ہوسکا لکھنے کی کوشش
کی۔ چنانچہ یہ چند اوراق آپ کے رد و رد پیش کرتا ہوں جن سے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی زندگی کے انوار و برکات کی جھلک آپ کو نظر آسکی۔

انسان کیوں پیدا کیا گیا؟ میرے نزدیک اس سوال کا یہ جواب ہے۔
 دُنیا میں نیکی اور اطمینان کی اشاعت کے لئے بُنیادی اور اطمینان بادی النظرہ
 معمولی سے دعا لفظ ہیں۔ لیکن جب ان کے سوالیہ پرسلسل غور کیا جائے۔
 ان کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔

محنت شاری۔ خوش سماجی۔ شفقت۔ ادب۔ اطاعت۔ طاعت
 حقوق اللہ و حقوق العباد دیا یوں کہو۔ کہ جلد اخلاق حسنہ انھیں کے ماتحت
 آجاتے ہیں۔

نیکی اور اطمینان کے قیام اور ان کی اشاعت کی غرض سے خدا نے
 اپنے خاص خاص بندوں کو دنیا میں دُعا و تقاضا مامور کیا۔ اور ان بزرگ
 نے اکثر اپنی جان کو خطرات میں ڈال کر ان ہر دعا و امور کی اشاعت کر کے
 خداوندی کی تمیل کی۔ اب ان بزرگوں کو پیغمبر کہو۔ رسول کہو۔ اوتار یا کچھ ہی
 اپنی اپنی اصطلاحات ہیں۔ لیکن اس سے کوئی الفصاف پسند انسان انکار
 کر سکتا۔ کہ دنیا ایسے بزرگوں کی ہمیشہ ممنون رہے گی۔

انسانی نیکی اور اطمینان کی تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنے آپ
 ایک ایسی اعلیٰ طاقت کے ماتحت نہ سمجھے جو قادر مطلق ہونے کے
 تمام نیکیوں اور اطمینان کا سرچشمہ ہو۔ اور جسے اصطلاحی طور پر خدا یا کہ
 ایسے ہی بزرگ نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کیسا مبارک خدا دنیا کا وہ پہلا انسان جس نے اول اول پکارا۔ اے
 خدا! یہ سمجھ کر کہ وہ تمام مخلوق سے برتر ہے۔ اعلیٰ ہے۔ قادر مطلق ہے۔ بزرگ
 ایک ہے۔

انسان کے لئے خدا کا جاننا۔ اور اپنے آپ کو اُس کے ماتحت ماننا امر
 ناگزیر ہے۔ معرفت الہی کا سبق دینے کے لئے بے شمار بزرگ مامورین اللہ ہو کر
 اس دنیا میں آئے۔ جیسا کہ میں نے اوپر اشارہ کیا۔ لیکن ہمیں یہ نکتہ نظر انداز نہیں

گردینا چاہیے کہ وہ اور ان کا کام زمانہ کی استعداد کے مطابق تھا یعنی جس طرح انسان دنیاوی معاملات میں ترقی کرتا گیا۔ اسی طرح احکام الہی بھی بابتداءً بالعموم مادیت اور حیثیت سے ہی متعلق معلوم ہوتے تھے۔ بالآخر روایت کے راطے سے بھی کامل ہوتے گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کہتے رہے کہ: "اے بنی اسرائیل۔ خدا کی بات کرو۔ تاکہ تمہاری اولاد میں۔ تمہاری کھیتوں میں برکت ہو۔ خدا تمہیں ان زمین دینے والا ہے" غور کرو کس قدر خفیف روحانیت ہے۔

جناب عیسیٰ بھی یہی فرماتے رہے کہ: "اگر تمہارے بائیں گال پر کوئی دھچکے۔ تو دھچکاؤ گال بھی سامنے کرو" اس کے علاوہ جو کچھ آپ نے روحانیت کے مجھے ملنے فرمایا۔ اس کے سمجھنے سے کم از کم اس زمانہ کے انسان تو قاصر ہیں۔

رہنمایان ہند میں جناب سر کپرتھن مہاراج کی ملی زندگی کا ذکر اس طرح درج ہے۔ صداقت کے مخالف کو تہ تیغ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ اسی طرح راجہ رام چندر کی زندگی نمونہ ہے۔ اور کامل نمونہ ہے اطاعت والدین کا۔ مگر ان بزرگوں کی تعلیم میں کم از کم آج تو مکمل روحانیت کا پتہ نہیں ملتا۔ اور نہ وہ کامل طریق سے تمام ادوی معاملات میں انسان کی رہنمائی کر سکتی ہے۔

ایسے میں بزرگان موصوف کی ذات یا ان کے کام پر اعتراض نہیں کرتا ہوں۔ (چنانچہ) انہ مجھے اس کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ ان صدقاتوں کے محسوس نے اپنے اپنے وقت میں وہی کیا جو خدا کی جانب سے بتایا گیا۔ اور یہ ان کے زمانہ کے عین مطابق تھا۔ اور اس واسطے ہم سب ان کے ممنون ہیں۔ لیکن ان سب کے یکے بعد دیگرے چلے جانے کے بعد خدا کے نزدیک دنیا کے لئے ایسا وقت آگیا کہ روحانیت کی تکمیل کر دی جائے۔ اور نیکی اور اطمینان کے تمام مراحل طے کر دیئے جائیں۔ پس اس اہم خدمت کی بجائے آدمی کے لئے ایک کامل رہنما کو مکمل احکام دے کر نہ صرف کسی ایک ملک بلکہ تمام دنیا کی رہنمائی کے لئے

بھیجا۔ جس نے اس عالم میں ترسٹھ سال رہ کر پستی سے یکسر شانہ زندگی تک کے تمام مراحل طے کر دیئے۔

یہ کوئی اتفاق کی بات نہ تھی۔ کہ آپ کو اپنی زندگی میں وہ تمام واقعات پیش آئے۔ جو متعدد انسانوں کو مختلف حیثیتوں میں پیش آتے ہیں۔ بلکہ میرا اعتقاد ہے۔ کہ خاص خدا کا بھی یہی منشا تھا۔ کہ آپ کی زندگی ہر معاملہ میں رہنمائی کرے۔ چنانچہ یہ فخر صرف اسی بزرگ کو حاصل ہے۔ کہ اس کی زندگی جتنی سے لے کر بادشاہت تک کے تمام بی شمار مدارج میں انسانی رہنمائی کے لئے نیک کام رہتی ہے۔

آنحضرتؐ کی زندگی ایک ایسا کامل اور زندہ نمونہ ہے اعمال حسنہ کا۔ کہ اگر انسان نا انصافی اور تعصب سے دور ہو کر اس پر نظر ڈالے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں پیش از پیش نیک کی اشاعت نہ کر سکے۔ اور اطمینان حاصل کر سکے دنیا کے لئے نہ صرف آپؐ کے صحیح حالات زندگی علی نمونہ کے طور پر موجود ہیں۔ بلکہ وہ احکام خداوندی بھی اسی حالت میں موجود ہیں جیسے کہ ابتدائاً نازل ہوئے تھے۔

دیگر انبیاء کی غرت کی ہمارے دلوں میں کمی نہیں۔ لیکن یہ امر بھی واقعہ ہے کہ ازل توان کے صحف میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔ اور ان کی اصلی ہیئت نہیں رہی۔ ورم وہ ہماری زندگی کے تمام مراحل کی رہنمائی نہیں کئے۔ سوم ان کے احکام کا عملی نمونہ نہیں ملتا۔

نظر باریں وجوہ صداقت کے متلاشی کو جناب خاتم المرسلین کی جانب جانا ناگزیر ہے۔ میں کچھ لکھ رہا ہوں۔ یہ شاید میری اس محبت سے منسوب کیا جائے۔ جو بحیثیت مسلمان ہونیکے نتیجے آنحضرتؐ سے ہے اور غیر مذہب دملت کے احباب میری بات کو یک طرفہ سمجھیں۔ مگر میں ایسے اصحاب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ وہ تمام حالات کو خود نظر انصاف و غور سے دیکھیں اور مرکز صداقت تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

تیں اپنے برادران اسلام کی خدمت میں بھی یہ عرض کرنیکی جرأت کرنا ہوں
 کہ آج ہم جس حالت میں مبتلا ہیں۔ اس کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں
 کہ ہم نے قرآن اور پیغمبر کو عملاً بھلا دیا ہے۔ اسوقت نظر بہ حالات سخت
 ضرورت ہے کہ ہم ان دونوں چیزوں کو مستحکم کر لیں۔ اگر ہم ایسا کریں۔ تو کوئی
 وجہ نہیں کہ ہم فلاح و برین سے محروم رہیں۔ یاد رکھو کہ قرآن اگلے کئے سلمانوں
 کے پاس سوائے اس کے کچھ اور بھی تھا؟ ہرگز نہیں۔ اسے خدا تو ہمیں توفیق
 دے کہ ہم تیرے زندہ اور کائنات نبی کی پیروی کریں۔ آمین +

ناکسار

مؤلف

باب اول

آنحضرتؐ کے سوانح نگار

یہ بات بجائے خود نہایت حیرت انگیز اور دلچسپ ہے کہ جناب رسول کریمؐ کے حالات زندگی پر جب قدر تو جہات مختلف زمانوں میں مبذول ہوئیں۔ وہ کسی اور پیغمبر یا مادی کو نصیب نہیں۔ اس کا سبب میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کے حالات ہر ایک درجہ کے انسان کے لئے ہر ایک معاملہ میں رہبر ہیں۔ ایک دوسری وجہ اس کی میری رائے میں یہ ہے کہ حضور کے حالات ہی اس تفصیل سے آج دنیا کو معلوم ہیں۔ جن کے عشر عشر بھی انبیائے سابقین مثل حضرات موسیٰ و عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام باوجود تلاش نہیں ملتے۔

آنحضرت کے سوانح عمری لکھنے کا فخر نہ صرف اہل اسلام کے افراد کو حاصل ہے۔ بلکہ علمائے مذاہب غیر (مثلاً عیسائی) نے بھی اس کو ایک مفید کام سمجھ کر قلم اٹھایا ہے۔ ہمیں اس سے سبوت نہیں کہ ان کا اصل مقصد کیا تھا۔ لیکن با اینہم ایسی کتابیں بہت کم ہیں جو دنیا کو اصلی صورت میں حالات دکھا سکیں۔ کیا لطیف نکتہ افہام کیا ہے سر سید احمد خاں نے کہ مسلمان تو شراب محبت کی سرشاری میں اصل راہ سے ہٹ چکے۔ مگر غیر مسلم اس راستہ کی عدم واقفیت سے اصل منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ اب خدا کے اسلام کے مفقود مستند اور مشہور محدثین میں سے صرف ایک شخص نے آنحضرتؐ کے حالات زندگی قلب بند کئے ہیں۔ میری مراد ابوعلی ترمذیؒ سے ہے۔ جو ۹۷۰ھ میں تولد ہوئے اور ۱۰۶۹ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے دو کتابیں جامع ترمذی و شمائل ترمذی لکھیں۔ اور یہ دونوں کتابیں قدیم ہیں۔ یعنی ان سے پہلی اس مضمون کی کوئی

کتاب نہیں نہیں ملتی۔ ان میں آخر الذکر کتاب میں زیادہ تر آنحضرتؐ کے اخلاق و عادات کے متعلق احادیث درج ہیں۔ مگر ان میں سے بعض ایسی ہیں کہ ان کی صحت کا کامل اعتبار بعد تحقیق کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ احادیث کی تنقید کے قواعد سے انکی جانچ پر مال کر لی جائے۔

باقی تمام محدثین نے بعض بعض روایات ایسی بھی بیان کی ہیں۔ جو آنحضرتؐ کی لائف سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر خاص اس مضمون پر کسی نے کوئی مستقل کتاب

نہیں لکھی۔ البتہ ابن اسحاق۔ ابن ہشام۔ طبقات کثیر المشہور۔ وادعی۔ طبری۔ سیرت شامی۔ ابوالفدا۔ سعدی۔ مواہب لدنیہ۔ میں بھی جناب کے حالات ذکر کئے گئے ہیں۔ اور ان میں سے اول الذکر پار زیادہ قدیم ہیں۔

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ اور بھی چند عربی۔ فارسی کی تاریخیں آپ کے متعلق ہیں۔ مگر ان سب کا ماخذ مذکورہ بالا کتب ہی ہیں۔

ان میں سے تاریخ ابوالفدا بقول سرسید علیہ الرحمۃ کسی قدر اچھی ہے مگر کی بھی سب روایات بلا تحقیق ماننے کے قابل نہیں۔ وادعی کی روایات پر علماء اسلام نے بہت کچھ لے دے کی ہے اور اسے نامستبر بنا یا ہے۔ چنانچہ اسے حاطب اللیل (رات میں لکڑیاں چننے والا) کہا ہے۔ و تحقیق ان حضرت کو جو کچھ بھی ملا ہے۔ بلا تحقیق بھردیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مذاہب کے لوگ جو دراصل اسلام کی تعلیم سے واقف نہیں یا یہ کہ وہ اپنے مطلب کا پہلو دیکھ کر تجاہل عارفانہ سے اسلام پر اعتراض گھڑتے اور اسلام کو بدنام اور لوگوں کو اس سے بدظن کرتے ہیں۔ حالانکہ ان باتوں کو نفس اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ سرولیم میور اور دیگر معترضین نے جو اعتراض اسلام اور بانی اسلام پر کئے ہیں وہ وادعی ہی کے صدقہ میں ہیں۔ جیسا کہ کسی اور مقام پر بالتفصیل بیان ہوگا۔ عیسائی مورخین میں سے جنہوں نے آنحضرتؐ کے سوانح پر توجہ فرمائی۔ پہلے دو در میں دہیل۔ کوٹھر۔ ملائک تھن۔ میپال ہم۔ دی ہری لاث ہیں۔ مگر

انسوس یہ لوگ صحیح نتیجہ پر نہ پہنچے۔ اور انکی کتابوں میں درشت کلامی اور بزرگانی کے سوا کچھ اور نہیں۔ اور مرگشتی کا بھی یہی حال ہے۔ ان کے علاوہ جان پریڈی نے اس مضمون پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر ان کی تحریر دیکھ کر ان کی واقعیت پر مبنی آتی ہے علاوہ ازیں ہانچر۔ ٹیگزری۔ نٹراوگلی کتب میں بھی آپ کی مقدس زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مگر سرسید جنہوں نے انگلینڈ کا سفر اسی قسم کی تحقیقات کے واسطے کیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ باوجود تلاش کے ان کتب کو نہ پاسکے۔

اس کے بعد تو ایریخ گوٹھ۔ امارسی۔ نالاراک۔ دوارسی قابل الذکر ہیں جن کے متعلق ایک فاضل عیسائی لکھتا ہے کہ ان مورخوں نے بہت سی دنیا کو یہ بات سکھلا دی کہ مذہب اسلام ایک شگفتہ اور نر و تازہ بارغ ہے۔ اور ہزاروں مٹے ہوئے انگلیٹوں سے پُر۔ اور عجز کرنے کو ان کی حضرات کو کیا ہی سمجھا جاسکے انسانیت کی سنہری کتاب میں اپنے لئے جگہ حاصل کی ہے؟

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں بالعموم تصابات سے پاک ہیں قریب تر زمانہ کی تصنیف ڈاکٹر اسپرنگر کی کتاب ہے۔ جو مسلمانوں میں الد آباد سے شائع ہوئی۔ مگر اس کے پڑھنے والوں کو ایسی خوشی حاصل نہ ہوئی جیسی کہ مصنف کی ذات سے امید تھی۔ یہ سراسر ایک مستند ہانچر ہے جس کی بنا ناواقفیت حالات پر ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے متعلق ایک عیسائی مورخ یعنی سر ولیم پیر مصنف لائف آف محمد (انگریزی) لکھتے ہیں کہ ”جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں بعض مقامات پر ثابت کیا ہے۔ اس کے بعض مضامین کی بنیاد غلطی پر معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے زمانہ کے عرب کا اور خاص محمد صاحب کا اور ان کے حضائل کا جو حال لکھا ہے۔ وہ سب غلط راپوں پر مبنی ہے۔“

ڈاکٹر صاحب موصوف نے آنحضرت کی لائف جبرین زبان میں بھی لکھی ہے جو چھ ضخیم جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ مگر چونکہ اس کے تمام حالات کا ماخذ واقعی

ہے۔ اس واسطے اس کا درجہ تاریخی پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اب سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمدؐ کا نمبر آتا ہے۔ سر ولیم مغرب اور شرق کے علوم کا فاضل سمجھا جاتا ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ یورپ میں اس کی بڑی قدر کی گئی۔ مگر مسلمانوں کو اس کتاب کے مطالعہ سے بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی نسبت سر سیدؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی بنیاد گویا بالکل واقعی پر ہے۔ جو مسلمانوں میں درجہ اعتبار نہیں رکھتا۔ بچھ لکھتے ہیں کہ ایک اور بڑا نقص یہ ہے کہ جس منشا اور مطلب سے سر ولیم صاحب نے یہ کتاب لکھی وہ اس لئے پسندیدہ نہیں ہے کہ وہ منشا اس کتاب میں نقصان رہ جانے کا اور واقعات کا اصل تحقیقات تک نہ پہنچنے کا بہت بڑا سبب ہوا ہے۔ چنانچہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ اس کتاب کا لکھنا اور مسلمان مذہب کی سند کی کتابوں کی تحصیل ازل اس غرض سے اعتبار کی گئی کہ پادری پی فنڈر صاحب نے جو اس بات میں مشہور ہیں کہ انھوں نے مسلمانوں سے مباحثے میں عیسائی مذہب کی بہت حمایت کی۔ اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام کے بینیغیر کے حالات میں ایک کتاب جو اس کے پیروں کے پڑھنے کے لئے مناسب ہو۔ ایسے قدیم ماخذوں سے ہندوستانی زبان میں تالیف کی جائے جس کو خود مسلمان صحیح اور مستبر مانتے ہیں۔ چنانچہ اس منشا سے (میں نے) مذہب اسلام کی مستند کتب کو ٹپا۔ اور اس کتاب کو لکھا۔

اس حوالہ کے بعد سر سیدؒ تحریر فرماتے ہیں "لیکن میں نہایت انوس سے یہ بات لکھتا ہوں کہ باوجودیکہ سر ولیم صاحب نہایت نیک طبیعت ہیں۔ اور بڑی قابل توصیف دیانتیں رکھتے ہیں۔ اس پر بھی ان کی طبیعت پر اس غرض اور منشا کا جس سے وہ کتاب لکھی شریع کی ایسا اثر پیدا ہوا کہ ایسی حالت میں اوروں پر پیدا ہونا قیاس کا مقتضا ہے۔ اور اسی سبب سے اسلام کی دلچسپ اور سیدھی سادھی باتیں ہی اُن کو بڑی اور بھونڈی اور نفرت انگیز

معلوم ہوئیں اور یہ اثران کی طبیعت کا ایسا تھا کہ اُس کے سبب سے اُن کی کتاب پڑھنے والے اپنے ذہن میں اُنکی تحریر کو ایک زیادتی سمجھتے تھے۔ لیکن جیسا اکثر ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس میں بھی ہوا۔ کہ اس حد اعتدال سے متجاوز تحریر نے خود اپنے مقصود کو کھو دیا۔ اور وہ مطالب حاصل نہ ہوا جس کے لئے پادری منہ جھبٹا نے سر ولیم صاحب اس کتاب کے لکھنے کی خواہش کی تھی۔ بلکہ برعکس اس کے یہ نتیجہ ہوا کہ جس شخص کو پادری صاحب نے تاریکی کا فرشتہ بنا نا چاہا تھا۔ وہ روشنی کا فرشتہ نکل آیا۔

الغرض اس کتاب سے وہ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ جو مقصود تھا۔ مسلمانوں کو کوئی دلچسپی نہیں۔ ماں ایسے مسلمانوں کی طبیعت میں جو انگریزی زبان کے تو ماہر تھے۔ مگر اسلام کی تعلیم سے نادانف۔ ایک قسم کی الجھن پیدا ہوئی۔ جس کے سلجھانے کے لئے سر سید نے کتاب خطبات احمدیہ لکھی۔ اور اگر سید مرحوم کی عمر اور رفاقت کرتی۔ تو وہ آنحضرت کی ایک مکمل لائف لکھتے۔

علاوہ ازیں اڈورڈ گبن جو سلطنت روم کے ایک قدیم مورخ ہیں۔ گاڈ فری ہگننز۔ تاس کارلائل۔ اور جان ڈیون پورٹ وغیرہ عیسائی علماء نے آنحضرت کی لائف نگاری کی خدمت ادا کی۔ ان کتابوں کی نسبت جو کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کے مصنفین پر تعصب نے بہت کم اثر کیا ہے۔ ان لوگوں نے ٹھنڈے دل سے اسلام اور بائی اسلام پر رائے زبیاں کی ہیں۔ اور اگرچہ اکثر مقامات پر بغرضین کھائی ہیں۔ لیکن والنتہ یا تعصب سے انصاف کا خون نہیں کیا۔ اس لئے یہ لوگ مسلمانوں کے شکر یہ کہ مستحق ہیں۔

یہ امر یقینی ہے۔ کہ مذکورہ بالا کتب کے علاوہ متعدد کتب مغربی زبانوں میں آنحضرت کی لائف پر لکھی گئیں۔ لیکن ہمیں سوائے سید امیر علی صاحب بالقاب کی لائف آف محمد کسی ایسی کتاب کا علم نہیں۔ سید موصوف کی کتاب ہر ایک انگریزی خواں کے مطالعہ کے قابل ہے۔ عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا

غیر مسلم

اردو میں بھی آنحضرتؐ کی سوانح عمریاں جس کثرت سے شائع ہوئی ہیں۔ کسی دوسرے مذہبی پیشوا کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔ سرسیدؒ کی ”حکومت الہیہ“ اور کتاب ”الخطبات الاحمدیہ“ مولوی نواب علی صاحب ایم۔ اے کی لاجواب کتاب تذکرہ المصطفیٰؐ۔ پیارے نبیؐ کے پیارے حالات۔ اسوہ حسنہ ہر ایک کتاب بجائے خود اپنی اپنی جگہ نہایت دلچسپ ہے۔ اور خاص محنت سے لکھی گئی ہے۔ ان کے ذریعہ کتاب جناب خواجہ کمال الدین صاحب دیکل چٹکورہ رنجناپ کی اعلیٰ دماغی ریاضت کا نتیجہ ہے۔ اور اپنی طرزِ تحریر میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ یہ کتاب دراصل ایک ایکچر ہے۔ جو خواجہ صاحب نے گزشتہ سال علی گڑھ کالج میں دیا تھا۔ اس میں مفصل حالات تو نہیں ہیں۔ نہ ایک ایک چہرہ آپؐ کے حالات زندگی سما سکتے ہیں۔ مگر نہایت قابلیت کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرتؐ ”زندہ اور کامل“ نبیؐ ہیں۔ زیادہ دلچسپ بات مجھے اس کتاب میں یہ نظر آتی ہے۔ کہ بزرگانِ اقوام غیر مسلم مثلاً عیسائی اور اہل ہنود کا بھی اس میں جا بجا تذکرہ آگیا ہے۔ جس کا مطلب ان کے حالات کا آنحضرتؐ کے سوانح سے مقابلہ کرنا ہے۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کا ہر نہایت دوستانہ ہے۔ چنانچہ ایسے ہر ایک بزرگ اور اس کی تعلیم کا تذکرہ نہایت ادب سے کیا گیا ہے۔ اور اس واسطے اس کتاب کا مطالعہ مسلم اور غیر مسلم سب کیلئے خالی از حجبی نہیں۔

اس عنوان کو ختم کرنے سے پہلے جناب شروع پر کاش دیو صاحب و غلط براجمہ سراج کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جنہوں نے آنحضرتؐ کی مختصر سوانح عمری بنام ”سوانح عمری حضرت محمدؐ صاحبِ بانی اسلام“ نہایت بے تعصبی سے شائع کر کے سچائی اور حق پسندی کی وہ نظیر قایم کی ہے جو کبھی غیر مذہبی آجٹاک نہ کی تھی۔ یعنی واقعات کو جوں کا توں اور حالات بالکل ایسا مذہبی سے صحیح بیان کئے ہیں۔

دنیا کی جمالی حالت

بوقت ولادت باسعادت

تاریخ شاہد ہے۔ کہ چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی کا درمیانی زمانہ جو آنحضرتؐ کی ولادت و بعثت کا زمانہ ہے۔ بد اخلاقی اور بد کرداری کے لحاظ سے تمام دنیا کی تاریخ میں ایک بدترین زمانہ تھا۔ ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ یعنی معلومہ دنیا کا گوشہ گوشہ شرارت اور جہالت کا مرکز بن رہا تھا۔ شام۔ مصر اور افریقہ کے کنارے محرف یہودیت و نصرانیت کے نام لیوا نظر آتے تھے۔ مگر ساتھ ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے۔

یورپ کی حالت بد عام طور پر وحشت و جہالت کا دور دورہ تھا۔ وہاں کے تقریباً تمام لوگ وڈن بت کی پرستش کرتے تھے۔ ملک میں ہر چہار طرف جنگ خوزیری اور بد امنی کی آگ بھشتعل ہو رہی تھی۔

ایران کی حالت بد۔ ایران میں انسانیت۔ اخلاق۔ امن و امان اور سکون و اطمینان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ایرانی زر۔ زمین۔ زن پرستی میں مصروف تھے۔ اور روحانیت کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ اگر کچھ لوگوں میں مذہب کا نام باقی تھا۔ تو وہ مجوسیت اور آتش پرستی تھی۔

مصر بد اس ملک میں کہنے کو تو لوگ عیسوی مذہب کے پیرو کہلاتے تھے۔ مگر حضرت مسیحؑ کی شخصیت۔ ہنیت والوہیت اور تثلیث کی بحثوں میں ہر روز ایک نیا فزیدہ پیدا ہوتا تھا۔ اور نت نئے جھگڑے قصے اپنے ساتھ لاتا تھا۔ ہر ایک فرقہ دوسرے کو بدعتی کہہ کر اس کا استیصال کرنے اور اسے زندہ جلا دینے کو ثواب سمجھتا تھا۔

چلین: اس ملک کا بادشاہ۔ خدا کا آسمانی فرزند سمجھا جاتا تھا۔ مثل مال کے عیسائیوں کے بت پرستی عام مذہب اور شغل تھا۔ مگر بت بادشاہ وقت کے محکوم سمجھے جاتے تھے۔

ہندوستان: یہاں وید کا زمانہ توجنگ مہا بھارت کے پیشتر ہی ختم ہو چکا تھا۔ مگر اس وقت پرانوں کا دور دورہ تھا۔ اور مزید بدستی سے فرقہ بام مارگی کے اثرات ملک کو محصور کئے ہوئے تھے۔ جس سے تمام ہندوستان یحیائی و بے شرعی کا مرقع بن رہا تھا۔ علاوہ ازیں بت پرستی۔ مخلوق پرستی اور عجائب پرستی نہایت زوروں پر تھی۔ حتیٰ کہ سرگین کا ڈبھی نجات سے کچھ نہ کچھ متعلق سمجھا جاتا تھا۔

اہل عرب کے مراسم و عادات قبل ولادت آنحضرتؐ

آنحضرتؐ کی ولادت کا زمانہ تاریخ عرب میں زمانہ جاہلیت کے نام سے موسوم ہے۔ اس زمانہ کے تمام عرب قبائل بلا استثناء سادہ مزاج تھے۔ اسی طرح ان کی معاشرت بالکل سادہ تھی۔ گلہ بانی سے ترقی کرنے کے بعد ان کی یہ حالت تھی کہ ان لوگوں نے بھیڑوں کی اُدن سے ایک قسم کا موٹا ٹاٹ بنا نا سیکھ لیا تھا۔ جس سے نیچے کھڑے کر کے ان کے اندر رہا کرتے تھے۔ اور ضرورت کے وقت ان کو دوسری جگہ بھی لیجاتے تھے۔

پوشاک: ان کا لباس صرف ایک بن بلی چادر تھی۔ جس کو بطور نہ بند کے یہ اپنی مکر سے لپیٹ لیا کرتے تھے۔ مرد و عورت دونوں کی یہی پوشش تھی۔ غذا: نیم برشت گوشت۔ اونٹنی کا دودھ۔ کھجوریں یہ انکی عام اغذیہ تھیں جن

پردہ بسر کرتے تھے۔

جاڈاد۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ اور دیگر مویشی نیز نوڈی غلام ان کی جائیداد سمجھ جاتے تھے۔ ان میں سے بعض قبائل نے اس قدر ترقی کر لی تھی کہ انھوں نے شہر اور قصبے آباد کر لئے تھے۔ گویہ خمیوں ہی کے تھے۔

مشاغل۔ ان لوگوں کے مشاغل کھجوروں یا اور خوراکی اشیاء کی کاشت کسی قدر سادہ و شکاری اور تجارت۔ گرم مصالحہ۔ ہلساں۔ لوبان۔ دارچینی۔ سنا۔ سبونا۔ جواہرات۔ موتی۔ لہتھی دانت۔ آبنوس۔ لونڈیاں اور غلام اشیائے تجارت تھیں۔

یہ لوگ نہایت قدیم زمانہ سے متصر۔ شام۔ اور ارد گرد کے ممالک سے تجارت کرتے تھے۔ اور ان ملکوں میں ان کے قافلہ کے قافلہ جایا کرتے تھے جنہی کہ تہویرت مقدس ہیں آیا ہے۔ کہ یہ لوگ حضرت یوسف اور حضرت یوسف کے زمانہ میں بھی یہی مشاغل رکھتے تھے۔

عربوں کی خصوصیات

- ۱۔ کھانے پینے میں اعتدال اور اخراجات میں کفایت شعاری کرنا۔ اور ہر حالت میں راضی و قانع رہنا۔ ان لوگوں میں ایک اعلیٰ وصف سمجھا جاتا تھا۔
- ۲۔ سونے میں اعتدال قائم رکھنا قابل تعریف سمجھا جاتا تھا۔
- ۳۔ علی الصباح بیدار ہونا نیک عادت سمجھی جاتی تھی۔ اور ہر ایسا آدمی قوی اور مستعد سمجھا جاتا تھا۔

۴۔ فیاضی۔ مہمان نوازی قومی خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ اور یہ دونوں باتیں اعلیٰ صفات میں شمار ہوتی تھیں۔ چنانچہ مسافروں اور مہانوں کی خاطر داری فیاضی سے کرنا۔ مہربانی۔ اخلاق اور تعلیم سے پیش آنا پاک فرض خیال کیا جاتا تھا۔ اس واسطے جو ان باتوں پر عمل نہ کرنا وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ٹھہرتا تھا۔

۵۔ مسایہ پر مہربانی کرنا۔ اس کی خبر گیری رکھنا۔ اس کے مکان۔ مال اور فائدان کی حفاظت کرنا نیک آدمی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ان امور میں غفلت کرنا اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں میں حقیر بنانا سمجھا۔

۶۔ قیدیوں کو چھڑانا۔ محتاجوں اور بیکسوں کی امداد کرنا۔ سب سے بڑی نیکیاں اور قابل توصیف افعال سمجھے جاتے تھے۔

۷۔ ایک شریف عرب اپنی عزت کا پاس اور اپنے وعدہ کا ایفا اس قدر ضروری سمجھتا تھا کہ جس کی حد نہیں۔

۸۔ صاف ستھرا لباس۔ خوشبودار چیزیں پسند کی جاتی تھیں۔ بالوں کو مشک سے مسطر کرنا۔ اور خوشبودار چمڑے کی جوتیاں پہننی امارت کی نشانی تھیں۔

۹۔ فصاحت بلاغت لطیف گوئی اور ظرافت بھی شرافت کا جزو لاینفک سمجھے جاتے تھے۔ کند زبان ہونا اہل عرب کے نزدیک عیب تھا۔

۱۰۔ گھوڑے کی شہ سواری کی ابتدائے عمر میں مشق ضروری خیال کی جاتی تھی۔ بھیر پڑنے کا شکار کھیلنا بہادری کا ثبوت تھا۔

۱۱۔ یہ لوگ ریگستان کے طویل و عرض کا اندازہ اس کے ریت کی ایک مٹھی اٹھا کر اور اسے سو گنگہ کر کرتے تھے۔

۱۲۔ شعر و شاعری کا ملک میں عام مذاق تھا۔ اور فن شعر گوئی اعلیٰ درجہ تک ترقی کر گیا تھا۔

ان اوصاف کے ساتھ ہی اتنی برائیاں بھی ان میں موجود تھیں کہ جن کا اندازہ آپ حسب ذیل افعال سے کر سکیں گے۔

۱۔ فحش اس زمانہ کا ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ حتیٰ کہ قصائد کے آغاز ہی میں تشبیہی اشعار کے اندر دوہنتندوں۔ امیروں کی لڑکیوں۔ بیویوں اور بہنوں کو نام بنام مخاطب کرتے اور جلد عیوب اور بد اخلاقیوں کو ان سے منسوب کرتے۔

۲۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہر ایک شاعر کے اختیار میں ایک جن رہتا ہے۔ اور جس

قدر بڑا شاعر ہوتا ہے۔ اسی قدر زبردست جن اس کا محکوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حسن شاعر اپنی تعلیٰ میں کہتا ہے ”و ما نفرت جنی و ما غل یردی“

(۳) اس زمانہ کے عرب فواحشات زنا کاری سے نادم نہ ہوتے تھے۔ بلکہ نظموں میں بیان کرتے۔ اور ان کے انتہا پر فرخ کرتے تھے۔

(۴) سب اشخاص شراب اور دیگر نشوں کے عادی تھے۔ اور حالت مدہوشی میں ان سے شرمناک و مہیوب افعال سرزد ہوتے تھے۔

(۵) قمار بازی ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ ملک کے ہر حصہ میں ایک بڑا نمارخانہ ہوتا تھا جس میں لوگ دور دراز سے آکر اپنے اپنے حوصلے نکالتے تھے۔

(۶) سود و خوری بڑی کثرت سے رائج تھی۔ اور نہایت گراں شرح پر سود کا لین دین تھا۔

(۷) نوڈیوں کو جن کو ثقات کہتے تھے۔ ناچنا سگانا سکھایا جاتا تھا۔ وہ پیشہ بھی کرتی تھیں۔ اور یہ کوئی مہیوب بات نہ سمجھی جاتی تھی۔ آمدنی آقا کا حق تھا۔

(۸) رہزنی۔ غارتگری۔ قتل و غوریزی کی بڑی گرم بازاری تھی۔ اسیران جنگ کو نوڈی اور غلام بنایا جاتا تھا۔

(۹) تو ہم پرستی تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ ٹوٹے اور شگون کے بڑے معتقد تھے۔ مصیبت یا مشکل کے وقت پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر پھونکتے تھے۔ اور اس طرح آئی ہوئی بلا کو ٹالا کرتے تھے۔ جانوروں کے اڑنے اور بولنے سے نیک و بد شگون لیا کرتے تھے۔ مثلاً اگر کوئی جانور کسی شخص کی بائیں جانب سے دائیں جانب راستہ کاٹ جاتا تو یہ نیک شگون سمجھا جاتا تھا۔ اور اسے ”سایح“ کہتے تھے۔ اسی طرح دائیں سے بائیں جانب راستہ کاٹنا بُرا شگون سمجھا جاتا تھا۔ وہ اسے ”جارج“ کہتے تھے۔ اور اس طرح کے تقادل کا عام نام ”طیرہ“ تھا۔

(۱۰) یہ لوگ کسی کام کے حسبِ مراد ہو جانے پر بھیڑ کی قربانی کی منت لمنت اور کام پورا ہو جانے پر بھیڑ کے بجائے ہرن فوج کر دیتے تھے۔ اور اسے ”عقیرہ“ کہتے تھے۔ مگر عام طور پر یہ تبادلہ قربانی مہیوب سمجھا جاتا تھا۔

(۱۱) خون کے بدلے میں خون معزز انتقام تھا۔ اگر یہ فدیہ (خونہا) کا بھی رواج تھا مگر ایسا کرنے والے اچھی نظروں سے نہ دیکھے جاتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ اگر خون کا بدلہ خون سے نہ لیا جائے۔ تو ایک چھوٹا پر دار کیرا مقتول کے سر میں سے نکل کر آسمان میں چھٹتا پھرتا ہے۔ اس کیرے کو وہ ”ہمارے“ اور ”صدی“ کہتے تھے۔ (۱۲) جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے اونٹ کو اس کی قبر سے باز نہ دیتے تھے حتیٰ کہ وہ بھوکا پیاسا رہ کر مر جاتا تھا۔ اس اونٹ کو ”بیلہ“ کہتے تھے، مردہ کا ماتم ایک سال تک پوارکھا جاتا۔ اور اس مدت تک اُسے روپا کرتے تھے +

(۱۳) میدان جنگ میں عورتیں بھی مردوں کے ہمراہ جاتی تھیں۔ اور ہر امر میں ان کی امداد کرتی تھیں۔ اور جب مرد مصر دین پیکار ہوتے۔ تو یہ رجز خوانی سے ان کا دل بڑھاتی تھیں اور اپنے اپنے مردوں سے مخاطب ہو کر کہتی تھیں: ”آگے بڑھو! آگے بڑھو! ہمارے بہادر اور جری شوہرو! اگر تم کو تاہی کر دگے۔ تو ہم کو دشمن سے نہ بچا سکو گے اور پھر تم تمہاری بیویاں نہ ہو گی +

(۱۴) اگر ملک میں قحط اور گرانی ہو جاتی۔ تو اپنے اونٹوں کو زخمی کر کے ان کا خون پیتے تھے۔ اساک باران کے موقع پر بارش ہونے کے لئے ایک گائے کو پہاڑوں میں بجا کر اُس کی دُم میں خشک گھاس کا نئے وغیرہ باندھتے۔ اور اس میں آگ لگا کر پہاڑوں میں چھوڑ دیتے۔ ان کے خیال میں یہ مینہ برسانے کا موثر نسخہ تھا +

(۱۵) آہان یعنی گھوڑوڑ اور اس پر بازی لگانے کا رواج بھی انہیں عام تھا +

(۱۶) قبائل عرب میں جنگ و جدال ذرا ذرا سی معمولی باتوں۔ اور خفیف غلط فہمیوں سے قائم ہو جاتے تھے۔ اور اکثر ان کا سلسلہ طویل مدت تک جاری رہتا تھا چنانچہ جو جنگ قبائل عیس اور ذبیان کے باہم ٹھنی تھی۔ وہ ایک صدی تک قائم رہی۔ (۱۷) غلامی کا عام رواج تھا۔ اکثر لوگ انھیں آزاد بھی کر دیتے تھے۔ لیکن آقا کا امتحان ملکیت پھر بھی قائم رہتا تھا +

(۱۸) عورتیں اونٹ یا دیگر حیوانات کا دودھ نکلانے کی مجاز نہ تھیں۔ اگر کوئی نہان

اس کی خلاف ورزی کرتا تو اس امر کے ظاہر ہو جانے پر وہ ملعون کیا جاتا تھا۔
 (۱۹) سزائے فوجداری یہ مقرر تھی کہ مجرم کو پتے ہوئے ریت پر بٹھا دیتے تھے۔
 (۲۰) مردہ جانوروں کا گوشت بے روک ٹوک کھایا جاتا تھا۔ اونٹنی اور مادہ بھیڑ
 دس بچے دینے کے بعد آزاد کر دی جاتی تھی۔ اور کھٹلی پھرا کرتی تھی۔ اُس کے
 مرجانے پر اس کا گوشت صرف مرد کھاتے تھے۔ عورتوں کو اس کے کھانے کی
 عمانت تھی۔ اسی طرح بکری سات بچے دینے کے بعد آزاد ہو جاتی تھی۔ دلس
 بچوں کا باپ اونٹ بھی آزاد کر دیا جاتا تھا۔ اور اسے "حامی" کہتے تھے۔ اگر بھیڑ
 بکری یا اونٹنی پانچویں بار مادہ جنتی۔ تو وہ کان کاٹ کر چھوڑ دی جاتی تھی۔ جسکو
 "نجیرہ" کہتے تھے۔ اس کا گوشت کھانا اور دودھ پینا ممنوع تھا۔

(۲۱) اونٹ سانڈ چھوڑنے کی سنت مانی جاتی تھی۔ چنانچہ جب کوئی کام
 حسب مراد ہو جاتا تھا۔ تو اونٹ کو آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اور وہ جہاں جی چاہتا
 پھرا کرتا تھا۔ جیسا کہ ہندوستان میں بلیوں اور بھینسوں کو پُٹ کرنے کا رواج اب
 تک اہل ہندو میں رواج ہے۔

(۲۲) بکری کا نوڑا سیدہ مادہ بچہ مالک کا حق بلور مرتبوں کی نذر سمجھا جاتا تھا۔ اگر نوڑ
 مادہ دو بچے ساتھ پیدا ہوتے۔ تو دونوں حق مالک تھے۔ اور ان کو "وصیلہ"
 کہتے تھے۔

(۲۳) قسم لینے کا بہترین دستور تھا کہ آگ جلا کر اس میں نمک اور گندہک پس کر ڈالتے
 تھے۔ اور اس آگ کو "ہولہ" کہتے تھے۔ (شاید اس ہولہ سے بت پرستان ہند
 کی ہولی کو کچھ تعلق ہو) اس آگ کا جلا نیو الا "ہول" کہلاتا تھا۔ قسم کو زیادہ
 مستحکم کرنے کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مینزاب خانہ کعبہ کے نیچے۔ چابک۔ کمان
 اور جو گتے رکھ دیتے تھے۔ نیز اقوار اور عدے مستحکم کرنے کے لئے اپنے بزرگوں
 اور بتوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔

(۲۴) بالغ مرد اپنے والدین کی وراثت کے حقدار ہوتے تھے۔ مگر عورتوں اور

نابالغ لڑکوں کا اس میں کوئی حق نہ تھا۔

(۲۵) قرضے سوو پر لینے کا عام رواج تھا۔ اور اس کے متعلق ایک قاعدہ یہ مقرر تھا کہ اگر قرضہ وقتِ موعینہ پر ادا نہ کیا جائے تو اصل کو دو چکر دیتے تھے۔ اور کچھ میاں و اداگی اور بڑا دسی جاتی تھی۔ مہ شرح سوو مقرر کرنے کا قاعدہ تھا نہ حساب کتاب کا رواج۔

(۲۶) انتقام گیری ضروری اور واجب سمجھی جاتی تھی۔

(۲۷) مختلف قوموں یا قبیلوں کے حقوق میں مساوات نہ تھی۔

(۲۸) اگر کسی مقتول کے قاتل کا پتہ نہ لگتا۔ تو جس قبیلہ پر اس قتل کا شبہ ہوتا۔ اس کے پچاس معزز ممبروں کو لازم تھا۔ کہ فرداً فرداً اپنی بیگناہی کی قسمیں کھائیں۔

(۲۹) پردہ کا کوئی رواج نہ تھا۔ ہر شخص اپنا سر یا پر یا ایک دوسرے کے گھیر میں بلا اطلاع آ جا سکتا تھا۔ کسی قسم کی اجازت کی بھی ضرورت نہ تھی۔

(۳۰) کسی رشتہ دار کے گھر کا کھانا مسمیوب سمجھا جاتا تھا۔ جیسے کہ اہل ہندو اپنی بیٹی کے گھر کھانا جائز نہیں سمجھتے۔ (افسوس کہ ہندوستان میں بعض مسلمان بھی اس لغو خیال سے متاثر ہیں)۔

(۳۱) دس آدمی شرکت میں ایک جانور خریدتے۔ اور ہر شخص کا حصہ جدا جدا مسمین کرنے کے لئے دس پانسہ پھینکتے تھے۔ ان میں سے ایک سادہ ہوتا تھا اور باقی نو حصوں پر اندازہ کا نشان ہوتا تھا۔ پس جو پانسہ جس کے نام پڑتا تھا اسی قدر حصہ کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔

(۳۲) خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے۔ اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی۔ بعضوں پر کام کی اجازت۔ بعض پر ممانعت کے نشان تھے۔ کام شروع کرنے سے پیشتر ان تیروں سے استخارہ کیا جاتا یا فال دیجی جاتی تھی۔ اور وہ شخص اس کے مطابق کار بند ہوتا تھا۔ ان تیروں کا نام ازلام تھا۔

(۳۳) بت پرستی عام تھی۔ خاص خانہ کعبہ میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ ایک ایک قبیلہ بلکہ ایک ایک گھر کا جدا جدا مسمیوب تھا۔ آساف اور نالکھ نامی بتوں پر ختم

کی قربانی کی جاتی تھی۔ اور سفر پر جانے اور واپس آنے پر ان کو بوسہ دیا جاتا تھا۔
عجب نامی بت پر جو ایک نافرمان شیدہ تھرتھا۔ اونٹ کی قربانی کی جاتی
تھی۔ اور ذبیحہ کے خون کا اس پر بہنا نشان ناموری تھا۔ ان لوگوں کا اعتقاد تھا
کہ خدا تعالیٰ کی جلد قدرتیں بیماروں کو شفا بخشتا۔ اولاد عطا کرنا۔ آفات ارضی و سماوی
دور کرنا ان کے بزرگوں کے اختیار میں تھا۔ اس واسطے وہ خیال کرتے تھے۔
کہ اگر ان صورتوں کی تعظیم اور پرستش کی جائے گی۔ تو ان کی دعائیں اور منتیں قبول ہوں گی
یہی الکی بنائے بت پرستی تھی۔ وہ پکا عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ یہ اشخاص خدا کے
محبوب تھے۔ اس واسطے ان کی پرستش قرب۔ خداوندی۔ سرت روحانی۔ محضت
اور شفاعت کا باعث ہوگی۔

(۲۴) خانہ کعبہ میں عبادت اور پرستش مطلق برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے۔ کپڑے
پہن کر عبادت کرنے کو بڑا سمجھتے تھے۔ بدیں خیال کہ لباس ہر قسم کے گناہوں سے
ملوث ہوتا ہے۔

(۲۵) رسم حج عرب میں مدت دراز غالباً حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل کے زمانہ
سے رائج تھی۔ احرام باندھا جاتا تھا۔ اور اگر ایسی حالت میں کوئی شخص اپنے گھر
آنا چاہتا تھا۔ تو دروازہ کی راہ سے نہیں آتا تھا۔ بلکہ پچھڑے کی دیوار بھلانگ
کرتا تھا۔ صفا اور مردہ کے درمیان دوڑنے کی رسم ایام حج میں دہاں جاری
تھی۔ اس موقع پر سب لوگ میدان عرفات میں جمع ہوتے تھے۔ مگر قریش
مزدلفہ کے بلند مقام پر۔ اور یہ ان کا آغازی حق تھا۔ اس کے بعد یہ مجمع بنا کو
جاتا تھا۔ اور وہاں اپنے بزرگوں کے کارنامے نظم یا نثر میں بیان کرتا تھا ہر سال
کے چار مہینہ منبرک سمجھے جاتے تھے۔ اور ان میں سے ایک ماہ میں ہا ہجوم ذی الحجہ
میں حج ہوا کرتا تھا۔ لیکن لڑائی یا اور کسی وجہ سے یہ منبرک ماہ آئندہ مہینوں سے
بھی تبدیل کر دئے جاتے تھے۔ اور اس کا کچھ مضائقہ نہ سمجھا جاتا تھا۔
(۲۶) یہ لوگ ایک خاص مدت تک لڑائی ملتوی رکھنے کا باہم عہد کر لیتے تھے۔

جیسا کہ اہل مکہ نے مدینہ والوں کے ساتھ کیا تھا۔ اور جو تاریخ میں صلح نامہ مدینہ کے نام سے مشہور ہے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی اسکو حج بدل سمجھتے تھے۔
 (۳۷) اعراب زمانہ جاہلیت میں عام طور پر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اجرام فلکی انسان کی تقدیر پر فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعی نیک یا بد اثر رکھتے ہیں نیز دیگر مخلوق پر بھی اثر انگیز ہیں۔ بالخصوص انکا اعتقاد تھا کہ مینہ برسانا یا اسکا باران کا ہونا انہی ستاروں کا اثر ہے۔

(۳۸) عورتیں نہایت ذلیل اور خراب حالت میں مبتلا تھیں۔ مرد اس بارہ میں بالکل خود مختار تھے کہ جنسی عورتوں کو چاہیں ازدواج میں رکھیں۔ اس کا کوئی قاعدہ نہ تھا۔ کہ کوئی رشتہ دار عورتوں سے نکاح جائز نہیں تاہم یہ بات عام تھی کہ قریب تر رشتہ کی عورت سے ازدواج نہ کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ ان کے نزدیک سوا اس کے اور کوئی نہ تھی کہ اس قسم کی عورت کی اولاد کمزور ہوتی ہے۔

رسم ازدواج ادا کی جاتی تھی۔ زرمہر معین ہوتا تھا۔ طلاق کا رواج تھا۔ ہر شخص ایک عورت کو بار بار طلاق دے سکتا تھا۔ اور بار بار نکاح کر سکتا تھا۔ طلاق کی کوئی تہ نہ مقرر نہ تھی۔ ہاں طلاق کے بعد ایک مہینہ مقرر تھی۔ اس اثنا میں عورت کسی دوسرے مرد سے تعلق کرنے کی مجاز نہ تھی۔ بلکہ اگر باہم موافقت ہو جائے۔ تو طلاق ساقط ہو کر وہ پہلے شوہر کی زوجیت میں ہی آ جاتی تھی۔ مگر وہ اس طریق سے بہت ظالمانہ اور وحشیانہ فائدہ اٹھاتے تھے۔ چنانچہ وہ اول عورت کو کسی بہانہ پر طلاق دیتے اور مہینہ معینہ سے کچھ ہی پہلے پھر اسے فریج کر کے تعلق کر لیتے۔ اور اس طرح عرصہ تک عورت کو دق کرتے رہتے۔

مطلقہ عورت کے دوسرے شخص سے نکاح کر نیکیو باعث ذلت سمجھتے تھے جو لوں میں ایک دوسری قسم کی طلاق ”ظہار“ بھی رائج تھی۔ اور اس کی صورت یہ تھی کہ مرد اپنی زوجہ کے ایک عضو کے چھونے سے یہ کہتا کہ ”مجھ کو اپنی زوجہ کے جسم کا فلان عضو چھونا

حرامیہ باز رہتا تھا بس یہ کہنے سے بھی طلاق ہو جاتی تھی سبیل ماس کے اندراج جائز تھا مگر پاپے کی ہویا تھی کی ہویا نکاح کا مجاز نہ تھا۔ اور اس کے خلاف عمل محبوب سمجھا جاتا تھا۔
 (۳۹) لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ و عار سمجھی جاتی تھی۔ دختر کشی کا رواج تھا۔ لڑکیاں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھیں۔ یہ بے رحمانہ رسم ہندوستان میں بھی ہندوؤں کے اندر تھی۔ جبکہ گورنمنٹ انگریزی اپنی عملداری میں بند کر دیا۔
 (۴۰) شوہر کے مرنے کے بعد سوتیلہ بیٹا اگر وہ نہ پوتہ کو کوئی اور قریبی رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا۔ اور یہ چادر ڈالنے والا شخص اس سے ازدواج کرنے پر مجبور تھا +

متوفی شوہر کا ماتم عورت کامل ایک سال تک کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ اونٹ کی چند خشک مینگلیاں یا تو کسی کتے پر سے یا اپنے ہی کندھے پر سے اپنی پشت کی جانب پھینک دیتی تھی۔ اور اس کا یہ مطلب تھا کہ اب اسے مرحوم کا کوئی خیال نہیں +

(۴۱) عورتیں اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تھیں۔ مصنوعی بال لگایا کرتی تھیں۔ حیض کے ایام میں عورت سے گھر کے سب آدمی علیحدہ رہتے۔ نہ وہ کسی سے ملتی جلتی تھی +

(۴۲) مردے قبر میں دفن کئے جاتے تھے۔ جنازہ یہ جاتے وقت راستہ کے لوگوں کا تعظیماً بغرض اظہار افسوس کھڑا ہونا لازمی تھا +

(۴۳) ان کا اعتقاد تھا کہ خون۔ سانس کے سوا کچھ اور نہیں۔ روح ایک ہوا ہے۔ مگر تعلیم یافتہ عرب یہ مانتے تھے کہ روح ایک نہایت غور و جانور ہے جو انسان کی پیدائش کے وقت اس کے جسم میں گھس جاتا ہے۔ اور ہمیشہ اپنے آپ کو بڑا مارتا ہے۔ اور مرنے کے بعد جسم کو چھوڑ کر قبر کے گرد چھتا پھرتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک اتوں کی برابر ہو جاتا ہے۔ نیز یہ لوگ دیو۔ جنیٹ اور وح۔ سمجوت۔ پرستہ وغیرہ کو مانتے تھے۔ بعض لوگ ان کو مختلف بروج کی تاثیر کی جانب

منسوب کرتے تھے۔ اور انکی یہ رائے مقبول تھی۔ یہ نیک و بد جنات کو بھی مانتے تھے۔ ان کی خاص شکل و صورت کے قابل تھے۔ ان کے نام مختلف رکھے ہوئے تھے ان کے خیال میں بعض جن نصف بدن روحانی اور نصف جسمانی رکھتے تھے۔ یہ ایسے وجودوں کے بھی قابل تھے۔ جو انسان کی نظروں سے غائب تھے۔ مگر آئندہ کی خبریں باوازا بلند کہہ رہے تھے۔ وہ فرشتوں کو مانتے تھے۔ اور انکی خاص شکلیں بھی انھوں نے مقدر کر رکھی تھیں جو عجیب تھیں۔

(۴۲) عرب کے خاص شہروں اور دیگر مواقع پر سالانہ میلے بڑی دھوم دھام سے ہوتے تھے۔ جہاں عرب کے ہر حصہ سے لوگ جمع ہوتے۔ اور اپنے اپنے ہنر دکھاتے نیزہ بازی، شہسواری، اور ہر قسم کے کھیل کود ہوتے تھے۔ فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھائے جاتے تھے۔ ایک ایک عرب شاعر ہزار ہزار شعر کافی البدیہ قصیدہ پڑھ دیا کرتا تھا۔ خاص شہر مکہ میں ایک عظیم الشان سالانہ میلہ ہوتا تھا (جواب اسلام کی بدولت اصلاح پاکر حج کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہے) دور دور سے لوگ اس میں شرکت کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان میلوں ٹھیلوں کی بڑی خصوصیت یہی تھی کہ یہ اتونق و فحور کا بازار گرم ہوتا تھا۔ یا کسی معمولی بات پر ایک ایسی جنگ کا سلسلہ چھڑ جاتا جو صدیوں تک ختم ہونے میں نہ آتا۔ پولیٹیکل (سیاسی) حالت یہ تھی کہ اس کے تینوں گوشوں پر قبضہ روم۔ شاہ حبش اور کسریٰ یعنی شاہ ایران کی حکومتیں تھیں۔ اور اندرون ملک میں خود مختاری کا دور دورہ تھا۔ نہ کوئی قاعدہ نہ قانون جاری تھا۔ ہر قبیلہ کا ہا ہا ہا سردار تھا۔

الغرض کل اہل عرب بحیثیت مجموعی نفع تھے جہالت کے۔ مخزن تھے فسق و فجور کے۔ اور مرکز تھے قتل غونیزی اور سفاکی کے۔ بقول جناب عالی۔ عرب کچھ نہ تھا اک جزیرہ نہ تھا کہ یہ بڑے ملکوں سے اس کا جُدا تھا نہ وہ غیر قوموں پہ چڑھ کر گیا تھا نہ اس پر کوئی غیر سراں رہا تھا

تند کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ
ترقی کا تھا داں قدم تک نہ آیا

نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جوہر
نہ کچھ ایسے سامان تھے داں میسر کنول جس سے کہل جائیں دل کے سراسر

نہ سبز و تھا صحرا میں پیرا نہ پانی
نقط آبِ باراں پہ تھی نہ زندگانی

زہیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں نوؤں کی لپٹ باد صحر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں کھجوروں کے جھنڈ اور غارِ غیلاں

نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور نکل کاٹنا اس کی یہ تھی

نہ داں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی خدا کی زمیں بن اجتی سر بسر تھی

پہاڑ اور صحرا میں ڈیرہ تھا سب کا
تلفِ آسماں کے بسر تھا سب کا

کہیں آگ پھٹتی تھی داں بے محابا کہیں تھا کو اکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تیلیٹ پرول سوشل بتوں کا غل سو بہ سو جا بجا تھا

کرشموں کے راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ مہرے کا

وہ اک بُت پرستوں کا تیر تھ بنا تھا
جہاں تین سو ساٹھ بُت بچ رہا تھا

قبیلہ قبیلہ کا اک بُت جہاں تھا! کسی کا سبیل تھا کسی کا صفا تھا

یہ عزت نے پہ وہ تانکہ پر فدا تھا اسی طرح گھر گھر نیا اک خداتھا
 نہاں ابر عظمت میں تختہ صحرانور
 اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر
 چلن ان کے جتنے تھے سب دشمنانہ ہر اک لوٹ اور مار میں تختہ ایگانہ
 نساودں میں کھٹا تھا ان کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تاز یا نہ
 وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
 دزدے ہوں جنگل میں پیہاک جیسے
 نہ ٹپتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
 جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے تو صد ہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
 بلند ایک ہوتا تھا گرواں شرار
 تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا
 وہ بکرہ اور تغلب کی نامی لڑائی صدی جس میں آدمی انھوں نے گنوائی
 قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی سخی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
 نہ جھگڑا کوئی ملک دو دولت کا اتحاد
 کرشمہ اک ان کی جہالت کا اتحاد
 اسی طرح اک اور غوں ریز ہیدا عرب میں لعنہ حرب واجس ہی جس کا
 را ایک مدت تک آپس میں برپا بہا خون کا ہر طرف جس میں دریا
 سب اس کا لکھا ہے یہ اہمسی نے
 کہ گھوڑو دڑ میں چند کی تھی کسی نے
 کہیں تھا مولشی چرانے پہ جھگڑا کہیں پہلے گھوڑا بڑبانے پہ جھگڑا
 لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
 یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
 یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

جو ہوتی تھی پسہ کسی گھر میں دختر تو غنہ ثنات سے بے رحم مادر
 پھر سے دیکھتی جب تھی شوہر کے تہہ کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
 وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
 جسے سانپ جیسے کوئی جھننے والی
 جو ان کی دن رات کی دل لگی تھی شراب ان کی گھٹئی میں گویا پڑی تھی
 نشیہ تھا غفلت تھی۔ دیوانگی تھی غرض ہر طرح ان کی حالت بُری تھی
 بس اس طرح وہ ان کو گذری تھیں یہاں
 کچھائی ہوئی ٹیکوں پر تھیں بدیاں

مذہب قبل ولادت باسعاد

قبل از ظہور اسلام عرب میں جو تو میں آباؤ تھیں ان کو بحیثیت مذہب چار
 جماعتوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ یعنی (۱) بت پرست (۲) خدا پرست (۳)
 لاد مذہب (۴) متقدین مذہب الہامی۔ جن میں سے ہر ایک کا بیان جدا جدا
 حسب ذیل ہے۔

(۱) بت پرست

بت پرستی اظہار معبودیت کا ابتدائی اور اونے ترین طریقہ ہے۔ جب نہایت
 قدیم زمانہ میں انسان نے اپنے آپ کو زلازل وغیرہ خطرات ارضی و سماوی سے محصور
 دیکھا۔ تو اس نے اپنے ذہن میں قیاس کیا کہ کوئی دہر دست ہستی اس کا باعث
 ہے۔ اور چونکہ وہ اس کی نظر کے سامنے نہ تھی۔ اس واسطے انسان نے خود ہی اپنی
 رائے سے اس کی شکل بتوں کی صورت میں قائم کر لی۔ اور اس کی پرستش کرنے
 لگا۔ دوسری بات بنائے بت پرستی کی یہ ہوئی کہ قوم کے کار نمایاں کرنے والے
 بزرگوں کی توصیف میں مبالغہ کیا گیا۔ ان کے مجسمے قائم کئے گئے۔ اور آئینہ

نسلوں نے ان بتوں کو مجہودیت کا درجہ دیا۔

یہی دونوں باتیں عرب میں بھی بنائے بت پرستی ہوئیں۔ اور عرصہ تک اہل عرب اس میں مبتلا رہے۔ کیونکہ عرب ایک علیحدہ جزیرہ نہ تھا۔ اور ابھی اہل عرب کو دوسری اقوام سے تباہ کن خیال کا موقع نہ ملا تھا۔

عرب کی قدیمی اقوام عاد۔ ثمود۔ جرہم۔ جدیس اور عقیق وغیرہ کی نسبت تحقیق ہے کہ وہ بت پرست تھیں۔ مگر ان کا طریق عبادت اور بنائے عبادت (یعنی یہ کہ وہ اپنے مسبودوں میں کیا قوتیں قیاس کرتے تھے) ہمیں معلوم نہیں۔ البتہ بنی لقیطان اور بنی اسماعیل کے زمانہ سے جو بالترتیب عرب انبارہ اور عرب المستعرب کہلاتے تھے بالتحصیل تواریخ قدیم میں مذکور ہے۔ ان کے بت و دھرم کے تھے۔ ایک وہ جو فرشتوں۔ ارواح غیر محسوس طاقتوں سجن پر وہ اعتقاد رکھتے تھے (اور جو ان کے نزدیک مونس تھے) منسوب تھے۔ دوسری قسم کے بت کا رہنمایاں انجام دینے والوں کے ٹھکانے اور یادگار تھے۔ گویہ بتوں کو دنیا اور عقیقی کا مالک سمجھتے تھے۔ اور بالخصوص دنیا کے تمام اعتبارات انہیں کے ہاتھ میں جانتے تھے۔ مگر خدا کے قایل تھے۔ آخرت کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ بت خدا سے شفاعت کریں گے۔

آنحضرتؐ کی ولادت کے زمانہ میں خاص خانہ کعبہ میں کھلے بندوں بت پرستی ہوتی تھی۔ چنانچہ خاص بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت موجود تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے بت تھے جو عرب کے دیگر حصوں میں پوجے جاتے تھے۔ بڑے بڑے مشہور بتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عرب کے مجہودیت

اسمیل نامی ایک بہت بڑا بت خانہ کعبہ کے اندر خزانہ کے کنوئیں کے پاس رکھا ہوا تھا۔ جس کی پارسیتش کی باقی تھی۔

۲۔ و۔ بنی کلب کا معبود بت تھا۔ اور یہی قبیلہ اس کی پوجا کیا کرتا تھا۔

۳۔ سواع۔ قبیلہ بنی ندج کا معبود تھا۔

۴۔ یغوث۔ اسکی عبادت قبیلہ مراد کرتا تھا۔

۵۔ یعوق۔ بنی مہان کے قبیلہ کا بت تھا۔ جسکی یہ لوگ عبادت کرتے تھے۔

۶۔ نسر۔ قبیلہ بنی مہان نے اسے قایم کیا تھا۔ اور تمام مین والے اس کی پوجا کرتے تھے۔

۷۔ عزملی۔ یہ قبیلہ بنی عطفان کا معبود تھا۔ دراصل یہ بین دخت تھے۔ اور اس میں شان خدائی کا حلول سمجھ کر ان کی پرستش کی جاتی تھی۔

۸۔ لات۔ یہ دونوں بت تمام عرب کے معبود تھے۔ بلا تفریق و تخصیص ہر قبیلہ

۹۔ منات۔ انکی پرستش کرتا تھا۔ اول الذکر ان گھڑ پتھر تھا۔

۱۰۔ دوار۔ اس کو نوجوان عورتیں پوجتی تھیں۔ اور قبل از پرستش اس کے گرد طواف کرتی تھیں۔

۱۱۔ اساف۔ اول کوہ صفا پر بشکل مرد اور دوم کوہ مروہ پر بشکل عورت قایم تھا

۱۲۔ نائلہ۔ ان دونوں پر ہر شہم کی قربانیاں چرائی جاتی تھیں۔ اور سفر کو جانے اور واپس آنے کے وقت ان کو بوسہ دیا جاتا تھا۔ بنی جرہم ان کو دیوتا سمجھ کر پرستش کرتے تھے۔ اور یہ مشاہیر کے مجسمے تھے۔

۱۳۔ عجوب۔ ایک ناتراشبہہ تھہر تھا۔ اس پر اونٹوں کی قربانی کی جاتی تھی اور اس پر خون ذبیحہ پہنا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔

۱۴۔ مہسک و مطعم۔ اول کوہ صفا پر اور دوسرا مروہ پر قایم تھا۔

۱۶۔ قرأت النواط (۱۵) ذو الکفین۔

خانہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کی تصویر تھی۔ جس کے ہاتھ میں استخارہ کے

تیر "ازلام" تھے۔ اور ایک بھیڑ کا بچہ ان کے قریب کھڑا تھا۔ نیز حضرت اسمعیلؑ اور

حضرت مریمؑ کی تصویر جن کی گود میں عیسےؑ تھے دیوار کعبہ پر بنی ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں

حضرت ابراہیمؑ کا بت خانہ کعبہ میں رکھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ

عیسیٰ علیہ السلام کی تعصب و پر قوم فوج کے شماروں نے بنائی ہوئی۔ علاوہ انہیں
فرشتوں کی تصاویر بھی بنی ہوئی تھیں و

مذکورہ بالا بتوں میں سے دو۔ یغوث۔ یعوق۔ اور تسر مشابیر عرب کی
تراشیدہ شکلیں تھیں۔ جو خانہ کعبہ میں عرصہ تک بطور یادگار قائم رہیں مگر بعد
کے زمانہ میں انھیں درجہ معبودیت دے کر انکی پرستش ہونے لگی۔ بتوں کی
پرستش کا عام قاعدہ یہ تھا کہ ان کو سجدہ کرتے تھے۔ ان کے گرد طواف کرتے
تھے۔ اور نہایت ادب و تعظیم سے بوسہ دیتے تھے۔ ان پر اوٹوں کی قربانی چڑھاتے
تھے۔ نیز نموشی کا پہلا بچہ بطور نذر چڑھایا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے کھیتوں کی سالانہ
پیداوار اور نموشی کے نفع میں سے ایک مقررہ حصہ خدا کے واسطے اور دوسرا
بتوں کے نام کا علیحدہ کرتے تھے۔ اگر بتوں کا حصہ کسی طرح سے ضائع ہو جاتا
تو خدا کے حصہ سے پورا کر دیتے۔ مگر خدا کے ضائع شدہ حصہ کو بتوں کے حصہ سے
پورا نہیں کیا جاتا تھا۔

حجر اسود کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ اس بنا پر کہ وہ بہشت کا پتھر سمجھا جاتا
تھا۔ مگر شاید یہ خیال بعد کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ تعمیر کعبہ سے پیشتر حجر اسود ایک
سیدان میں یونہی پڑا ہوا تھا۔ مگر یہ بات ٹھیک معلوم نہیں ہوئی۔ کہ وہاں اس کی پرستش
کی جاتی تھی یا اس کے ساتھ اس سے مشابہ کچھ اور مراسم عمل میں لائے جاتے
تھے۔ قیاساً ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے ساتھ اسی قسم کے مراسم ادا کئے
جاتے ہونگے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب ایسے
پتھروں کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ دیکھو کتاب پیدائش باب ۱۲۔ درس ۷۰
و باب ۱۳ درس ۱۸ و باب ۲۶ درس ۲۵۔ و باب ۲۸ درس ۱۸ و کتاب خروج باب ۲۰ درس ۲۵

(۲) لادھب

عرب کا یہ فرقہ نہبت پرستی کو مانتا تھا۔ کسی اور مذہب کو۔ وہ خدا کے دھندے

بھی انکار کرتا تھا نیز حشر سے بھی منکر تھا۔ اور چونکہ وہ سرے سے گناہ کا قایل ہی نہ تھا اس واسطے عقلی میں روح کی سزا جزا کو بھی نہ مانتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی اور رسمی سے آزاد اور اپنی مرضی کا خود مختار تصور کرتا تھا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ انسان کا وجود اس دنیا میں ایک درخت یا جانور کی مانند ہے۔ چنانچہ وہ پیدا ہوتا۔ پختگی کو پہنچ کر پھر تنزل کر پھرتا اور بالآخر فنا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں ہے۔

(۳) خدا پرست

اس زمانہ میں کچھ لوگ خدا پرست بھی تھے۔ اور ان کے دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو ایک پوشیدہ اور غیر محدود طاقت کو (جس کو وہ اپنا خالق و جوہر سمجھتے تھے) مانتے تھے۔ مگر دیگر امور میں ان کے عقائد مثل لامذہبوں کے تھے۔ دوسرے گروہ یا جماعت کے لوگ خدا تعالیٰ کو برحق جانتے نیز قیامت حشر۔ بقائے روح اور سزا و جزا کے قایل تھے۔ مگر وحی اور انبیا کا اعتقاد نہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ غیر فانی روح کی سزا و جزا دوسرے جہاں میں محض انسان کے نیک اور بد اعمال پر جو اس دنیا میں اس سے سرزد ہوتے ہیں منحصر ہے۔ اس واسطے وہ ایسا طریقہ اختیار کرتے تھے جس سے اُن کو دائمی خوشی حاصل ہو۔ اور وہ ابدی تکلیف اور خرابی سے محفوظ رہیں۔ مگر اس کے متعلق ان کے پاس کوئی ضابطہ یا قاعدہ نہ تھا۔ اس واسطے انھوں نے اپنے ارد گرد کے دوسرے مذاہب سے کچھ باتیں اخذ کر کے اختیار کر لی تھیں۔

(۴) الہامی مذہب

اسلام سے پیشتر چار مذاہب عرب میں مختلف زمانوں میں رونما ہوئے۔ (۱) مذہب صابئی (ب) مذہب ابراہیمی (دو گروہ تہادج) مذہب یہودی (دو) مذہب عیسوی۔ جن میں ہر ایک کی ضروری تفصیل درج ذیل ہے۔

(الف) مذہب صابئی

صابئی مذہب کو عرب میں قوم سامری نے جاری کیا تھا۔ یہ قوم اپنے آپ کو قدیم مذہب کا پیرو خیال کرتی تھی۔ چنانچہ حضرت شلیث حضرت اخنوخ (اورین) کو اپنے پیغمبر بتاتے اور اس مذہب کو ان سے منسوب کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایک کتاب بھی تھی جس کو وہ کتاب شلیث کہتے تھے۔ ان کے ہاں سات وقت کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ مردے کی نماز بھی پڑھتے تھے۔ مثل اہل اسلام کے وہ ایک ماہ قمری روزہ رکھتے تھے۔ مگر ان میں خرابی یہ تھی کہ یہ ستاروں کے پرستار بن گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے سات ہیا کل (معبد) سات سیاروں کے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان میں ایک ایک ستارہ کی پرستش علیحدہ علیحدہ کرتے تھے اگرچہ یہ لوگ حج کے لئے حرات کے معبد میں جمع ہوتے تھے۔ تاہم خانہ کعبہ کو بھی بہ نظر احترام دیکھتے تھے۔ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ ان سیاروں کا سعد یا نحس اثر انسان کی قسمت اور دنیا کے تمام امور پر ہوتا ہے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ بادشہ یا مینیہ کی کشش انھیں ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے۔ ان لوگوں کا سب سے بڑا مذہبی تہوار اُس روز ہوا کرتا تھا۔ جب آفتاب برج حمل میں جو موسم بہار کا اوّل برج ہے۔ داخل ہوتا تھا۔ باقی چھوٹے چھوٹے تہوار اس وقت مناتے تھے۔ جب زحل مشتری۔ مریخ۔ زہرہ۔ عطارد پانچوں سیارے بعض برج میں یکے بعد دیگرے داخل ہوتے تھے۔

مذکورہ بالا خیال اور اسی قسم کے دیگر عقائد صابئین کے علاوہ عرب کے اور لوگوں میں بھی پائے جاتے تھے صابئین میں اعتکاف کا بھی رواج تھا۔ چنانچہ یہ لوگ غاروں اور پہاڑوں میں چند روز مراقبہ اور سکوت میں اوقات بسر کرتے تھے۔

(ب) ملتِ ابراہیمی و دیگر انبیاءِ عرب کا مذہب

آنحضرتؐ سے پیشتر عرب میں پانچ بنی مبعوث ہوئے۔ حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمعیلؑ اور حضرت شعیبؑ۔

یہ سب پیغمبرِ حضرت موسیٰؑ کی بعثت اور بنی اسرائیل کو احکامِ عشرہ عطا ہونے سے پیشتر مبعوث ہوئے۔ ان پانچوں پیغمبروں کے مذاہب کا اصل اصول خدائے واحد کی عبادت تھا۔ باقی مسائل و احکام کا اس وقت دنیا کو علم نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ کے زمانہ کے کچھ حالات ملتے ہیں۔ مگر ایسے زیادہ قابلِ اعتماد نہیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ہوش سنبھالتے ہی بتوں کو توڑا بہت پرستی کو چھوڑا۔ اور خدائے برحق کا یقین کر کے صدقِ دل سے اسکی

پرستش کی۔ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی خدا شناسی اور بتوں سے بیزاری کا حال اس طرح پر بیان کیا گیا ہے کہ آپؑ کی والدہ ایک نیک بیوی تھیں۔ چونکہ غمزدہ سے اس زمانہ کے گاہنوں نے کہہ دیا تھا کہ عنقریب ایک پیغمبر پیدا ہوگا جو بت

پرستی ترک کرنے کے علاوہ خود اسکی ذلت کا باعث ہوگا۔ اس واسطے اس نے اس زمانہ میں بچوں کے پیدا ہوتے ہی قتل کر دینے کا حکم دیدیا تھا۔ مگر حضرت ابراہیمؑ خود اسی گھر میں پیدا ہوئے۔ اور محفوظ رہے۔ مگر ان کی والدہ نے بخوفِ غمزدہ

ایک نیرہ ذرا غار میں چھپا دیا۔ اور ان کی خبر گیری کرتی رہیں۔ غرض کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایسی حالت میں پرورش پائی کہ سبزا و درشفقہ کے اور کسی انسان کا چہرہ تک نہ دکھیا۔ باوجود کئی سال گزر جانے کے فضا نے عالم کی وسعت اور خوشگوار و پسند

کا کچھ بھی مطلقاً نہیں کیا۔ فطرت کے سوا اور کسی کو استاد نہ بنایا۔

پہلا خیال جو ان کے سادہ اور بے لوٹ دماغ اور معصوم دل میں گذرا وہ رب کی تلاش تھی۔ تاکہ اس کی عبادت کریں۔ انھوں نے اس کو اپنی والدہ مشفقہ کے سامنے جو گاہے گاہے شاہی سپاہیوں سے نظر بچا کر آپؑ کو دیکھنے

آیا کرتی تھیں پیش کیا کہ میرا رب کون ہے؟ انکی والدہ نے کہا ”میں“ حضرت ابراہیم نے فرمایا: اور تمہارا رب؟ جواب ملا کہ ”تمہارا باپ“ باپ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا یہ مخدوم، حضرت ابراہیم نے کہا: اور مخدوم کا رب؟ اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہ ملا کہ ان کے والد نے ان کا منہ اپنے دونوں ہاتھوں سے بند کر دیا۔ حضرت اس سے تشویش میں پڑ گئے۔ مشورہ بھی نہیں ملتا۔ اور طرذیہ کر رہے تھے۔

غار سے باہر نکلنے کی نوبت پہنچی۔ تو اونٹ چتر گدھے وغیرہ کو دیکھ کر ان کے نام پوچھے۔ اور آپ نے رائے قائم کی یہ ضرور کسی زبردست طاقت کے زیر اثر ہونے چاہئیں۔ رات ہوئی۔ تو آپ کی نگاہ ساحت آسمان پر پہنچی۔ زہرہ یا مشتری سیارہ کو دیکھ کر ان کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس کی چمک نے آپ کے دل کو کھینچا۔ آپ نے دل میں فرمایا۔ ہزار بی (یہ میرا رب ہے) مگر جب وہ حجاب مغرب میں روپوش ہونے لگا۔ تو حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ ”رب کو تو ہمیشہ ایک ہی شان سے جلوہ افروز ہونا چاہئے۔ یہ تغیر و زوال تو شان ربوبیت سے بید ہے۔ پس آپ جھٹ پکار اٹھے۔ ”لا احب الا نلین“ (میں چھپنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ روشن چاند نکلا۔ تو آپ نے سمجھا یہ ہے میرا رب۔ مگر جب غروب ہو گیا۔ تو کہنے لگے۔ یہ بھی رب نہیں ہو سکتا۔ اور گھبرا کر فرمانے لگے۔

لَئِنْ لَمْ يَمْدَدْ يَ رَبِّيْ لَا كُوْنُ مِنْ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ۔ یعنی اگر مجھے راہ نہ بتائے گا میرا رب تو میں بھی گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔

تمام شب اسی فکر و تدبیر و تلاش و جستجو میں بسر ہوئی۔ صبح نمودار ہوتے ہی آفتاب عالماتاب کی شامیں انصائے عالم پر فہم کرنے لگیں۔ تو آپ نے ہزار بی ہذا اکبر (یہ میرا رب ہے۔ یہ بڑا ہے) مگر جب دیکھا کہ وہ بھی زہرہ یا مشتری کی طرح مغرب کی پردہ میں پناہ گزین ہونے کی فکر میں ہے۔ تو آپ نے رائے قائم کی کہ ”موجود حقیقی“ اور رب العالمین کو خاطر میں منقید کرنا ہی نادانی ہے۔

اور فرمایا۔ **يَا قَوْمِ اِنِّي مَّا نَشْرُكُوكُنَّ**۔ اے لوگو میں اُن سے بیزار ہوں جن کو تم معبود حقیقی کے ساتھ شریک کرتے ہو۔

اِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلْذِي فُطِرَ السَّمَوَاتِ میں نے نزدیک جانب ہو کر پناہ اسکی طرف **وَالْاَرْضِ صَفِيًّا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** کیا جس نے برپا کیا آسمان و زمین کو میں شرکوں میں سے نہیں ہوں +

فہم کرنا۔ ڈاڑھی رکھنا سنت ابراہیمی ہے۔ انھوں نے قرباں گاہیں بھی بنائیں۔ چنانچہ ایک دہ بھی قرباں گاہ تھی۔ جہاں کہ حجر اسود خانہ کعبہ میں نصب ہونے سے پیشتر پڑا تھا۔ خدا کے نام پر قربانی کرنا بھی سنت ابراہیمی ہے۔ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ نے ہی بنایا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں ازل خدا کی عبادت اس کے اندر اور باہر کرتے اور پھر اس کے گرد طواف کرتے تھے۔ اور اس وقت تمام جماعت پکار پکار کر نام خدا الیتی۔ اور خانہ کعبہ کو بوسہ دیتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی قرباں گاہیں۔ حجر اسود۔ اور حضرت یعقوب کا کھڑا کیا ہوا پتھر۔ خانہ کعبہ اور بیت المقدس یہ سب چیزیں کسی شخص کی یادگار نہ تھیں نہ کسی مذمت یا عظیم الشان خدائی شے کی جانب منسوب۔ بلکہ خصوصیت کیساتھ تاؤ و طلق کی پریش گاہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ جیسے کہ اہل اسلام کی مسجد۔ اور جو مراسم عبادت مختلف طریقوں سے ادا کی جاتی تھیں۔ وہ محض عبادت خداوندی تھیں۔ سو اب اس کا طریقہ کوئی ہو۔ دوسرے مذہبوں کے ایسے ہی افعال و عبادات غیر اللہ سے منسوب ہونے کی وجہ سے داخل کفر ہیں +

آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت دور اس سے پیشتر کے زمانہ میں بت پرستی کے عام رواج ہو جانیکے باوجود کچھ لوگ خدا پرست بھی موجود تھے۔ جو انہامی مذاہب میں سے کسی کے نام لیا نہ تھے۔ ایسے لوگوں میں اکثر نے مجدد مذہب ہونی کا دعوے کیا چنانچہ حضرت خالد بن صمغولان۔ خالد بن سنان۔ اسد الکرب۔ قیس بن صمدہ اور اسی قسم کے لوگ تھے۔ جنہوں نے وقتاً فوقتاً وحدانیت کے دعوے کیے +

غرض یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابراہیم نے بت پرستی سے منہ موڑا بتوں کو توڑا مگر پھر ان کی قوم اسی میں مبتلا ہو گئی۔ لیکن پھر انہی کی اولاد میں نبی آخر الزماں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اور خدا کے فضل سے تمام عرب سے بت پرستی کو مٹا کے چھوڑا

(ج) مذہب یہود

یہودی مذہب بھی ملک عرب میں پایا جاتا تھا۔ اور یہ ان یہودیوں کے ذریعہ یہاں پہنچا تھا۔ جو حضرت عیسیٰ سے پانسو برس قبل بحوث انصر کے ظلم سے تنگ آکر جو یہودیوں کے ملک و قوم کی تخریب کے درپے ہوا تھا۔ اس جانب بھاگ آئے تھے۔ اور شمالی عرب میں بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ان لوگوں نے اپنے مذہب کی اشاعت کی کوشش کی جس کا یہ اثر ہوا کہ قبائل کفانہ۔ حارث۔ ابن کعب اور کندہ کے بعض لوگوں نے ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ مگر جب ۶۲۵ء قبل مسیح میں ذوالنواس حمیری شاہ یمن نے ان کا مذہب اختیار کیا۔ تو ان لوگوں نے جبراً بھی اکثر قبائل کو اپنے مذہب میں شامل کیا جس کی وجہ سے اس زمانہ میں انھیں بہت کچھ اقتدار حاصل ہوا۔

اسوقت یہودیوں کے پاس ایک عمدہ قانون شریعت۔ موسیٰ اور پویشکل موجود تھا۔ اور اس زمانہ کے عرب ان چیزوں سے کورے تھے۔ اس واسطے یہودیوں کے بہت سے آئین و دستور عربوں نے اختیار کر لئے۔ خصوصاً اہل یمن نے جہاں یہودی بادشاہ ذوالنواس حمیری کا صدر مقام تھا۔ یہودی مذہب کے مراسم و عقائد تو ریت مقدس میں موجود ہیں بیان کی ضرورت نہیں۔

(د) عیسائی مذہب

تیسری صدی عیسوی میں کلیسائے مشرقی بدعات اور بد اخلاقیوں کا

محزن ہو گئے تھے۔ اسی وجہ سے قدیم عیسائیوں پر مصیبت نازل ہوئی۔ اور اپنے وطن میں جان و مال کو خطرہ میں دیکھ کر۔ انھوں نے جلاوطنی اختیار کی چنانچہ اسی زمانہ میں بہت سے عیسائی عرب میں بھی پہنچے۔ اور اول مقام حجران میں آباد ہوئے۔ اور اپنے گرد کے معتمد لوگوں کو اپنا پیرو بنایا۔ یہ فرقہ جبکہ بائبل (یعقوبی) عیسائی تھا۔ اور اسی لقب سے مشرقی فرقہ ”مانوزنٹینز“ کا موسوم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ صحیح طور پر یہ لقب شام، عراق اور بابل کے فرقہ ”مانوزنٹینز“ پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ دراصل جبکہ بائبل کا لقب شام کے ایک راہب کے سبب سے جس کا نام جبکہ کس پر لڑیں تھا۔ اس فرقہ کا پڑ گیا تھا۔ اور جس نے یونان کے بادشاہ جیٹھی لین کے زمانہ میں اپنے ملک سے نکلے ہوئے ”مانوزنٹینز“ کا ایک علیحدہ فرقہ قائم کر لیا تھا۔

عیسائی مذہب نے عرب میں کوئی نمایاں ترقی نہیں کی۔ اس واسطے عیسائی مومنین کا یہ بیان محض غلط ہے۔ کہ وہاں عیسائی مذہب بہت پھولا پھلا۔ چنانچہ ایک قبیلہ یا قوم بھی نہیں بتائی جاسکتی۔ کہ جس نے بحیثیت مجموعی عیسائی مذہب قبول کیا ہو۔ خیر عرب میں کم و بیش عیسائی ضرور تھے۔ اور اسی کے اثر سے حضرت مریم کی تصویر خانہ کعبہ کی دیواروں پر بنائی گئی ہوگی۔ کیونکہ خانہ کعبہ مشترک معبد تھا اقوام عرب کا۔ اور ہر ایک مذہب والے کا معبود اس میں ممکن تھا۔ جس کی پرستش جداگانہ طور پر ہر ایک فرقہ کرتا تھا۔

گویا عرب میں اسلام سے پیشتر مذاہب کی منڈی لگ رہی تھی جس کا اثر یہ تھا۔ کہ کوئی مذہب اصل ہیئت میں نہ تھا۔ بلکہ بدترین مسخ شدہ حالت میں۔ کیونکہ ان مذاہب کے احکام و مسائل اور طریق عبادات باہم مخلوط ہو گئے تھے۔

الغرض بقول سر سید عرب ان تمام مذاہب کے ہوجھ کے نیچے ایک حرکت مذہبی کر رہا تھا۔ کہ دفعتاً اسے اسلام نے نمودار ہو کر حیرت انگیز سرور سے مسرور کر دیا۔

بشارات بخیرت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

توریت زو صف تست معمور

انجیل ز نام تست مشہور

مسلمانوں کا یہ عقیدہ شروع سے چلا آتا ہے کہ توریت اور انجیل مقدس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے متعلق بشارات اور پیشین گوئیاں صاف الفاظ میں مذکور ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں کئی جگہ اس امر کا اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاذْكُرْ قَالِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ يَأْتِيكِ الْكِتَابُ
انی رسول اللہ الیکم مصداقاً لما
بین یدی من التوراة و مبشر برسول
یاتی من بعدی۔ اسمہ احمد جاءهم
بالبینة قالوا هذا سحر مبین
(سورہ صف آیت ۶)

تو انھوں نے کہا یہ تو علانیہ جادو ہے +

لیکن چونکہ توریت اور انجیل کے متعدد نسخوں اور مختلف ترجموں میں جو اس وقت عیسائی ملکوں اور فرقوں میں جاری تھے سب اختلاف تھا، اس واسطے بعض علمائے اسلام کا یہ خیال ہو گیا تھا کہ ان بشارات کی بھی تخریف کر دی گئی ہے۔ لیکن ایک محقق کے لئے باوجود تخریف کے بھی سب کچھ حل سکتا ہے۔ سرسید رحم کی اس قسم کی کوششیں نہایت مشکور ہیں اور ہم ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ بشارات اور پیشین گوئیاں نہایت مجمل بلکہ مبہم الفاظ میں بیان ہوا کرتی ہیں۔ اور مطلب اخذ کرنے کے لئے نہایت غور و غمن سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس واسطے قبل اس کے کہ آنحضرت کے متعلق بشارات کا تذکرہ

کیا جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اُن پیشین گوئیوں کا تذکرہ کر دیا جائے۔ جو دیگر انبیاء کے متعلق ہیں۔ تاکہ ان سے مطالب اخذ کرنے کا طریقہ معلوم ہو جائے اگرچہ ہمارے پیغمبر کے متعلق بشارات ان بشارات سے نہایت صاف اور روشن ہیں +

۱۱۔ بیت لحم افزائش۔ اگرچہ توہوداء کے ہزاروں میں چھوٹا ہے۔ لیکن میرے لئے ایک شخص جو بنی اسرائیل میں سلطنت کرے گا۔ اور اس کا ہونا بہت قدیم زمانہ سے مقرر ہو چکا ہے۔ نتیجہ میں سے نکلے گا (کتاب میکاہ باب ۵-۱۲)

حضرت عیسیٰ بیت لحم میں پیدا ہوئے۔ اور یہ بھی سچ ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ہوئے۔ مگر وہ بادشاہ نہیں ہوئے۔ لیکن بائیں ہمہ جناب متی نے مذکورہ بالا پیشین گوئی کو حضرت عیسیٰ کی بشارت مانا ہے۔ دیکھو (انجیل متی باب ۲-۳ نہایت ۶)

۲۔ جب اسرائیل بچہ تھا۔ اُس کو بھی پیار کرتا تھا۔ اور اپنے بیٹے کو میں نے مصر سے بلایا (قول ہوشع بنی۔ کتاب ہوشع باب ۱۱-۱)

ان الفاظ سے بظاہر کوئی تعلق حضرت عیسیٰ کو نہیں معلوم ہوتا۔ مگر صرف استدعا خفیف وجہ سے کہ ہیرود بادشاہ کے مرنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام مصر سے آئے تھے۔ جناب متی نے اسے عیسیٰ کی بشارت قرار دیا۔ دیکھو (انجیل متی باب ۲-۱۹ نہایت ۲۱)

۳۔ خداوند فرماتا ہے کہ ماہ میں دائیں ماہرود نے اوستا کہ لکھی آواز سنائی دیتی ہے۔ کہ۔ راحیل اپنے بیٹوں کے لئے مدتی ہے۔ اور تلی نہیں پاتی۔ کیونکہ وہ نہیں ہیں (کتاب میراہ باب ۳۱-۱۵)

غور کرنے سے ان الفاظ کو حضرت عیسیٰ سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ مگر متی صاحب نے اسے بھی بشارت قرار دیا۔ لکھتے ہیں۔ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو ہیرود بادشاہ نے اس شبہ میں کہ کوئی نسا بچہ عیسیٰ ہو گا۔ بیت لحم اور اس کی سرحدوں کے سب لڑکوں کو جو دو ہر س کے اور اس سے چھوٹے تھے قتل

کہ او دیا (انجیل متی باب ۲-۱۶)

یہ ظاہر ہے کہ صرف اس قدر لگاؤ سے کہ ان بچوں کے مارے جانے سے
رونا پٹنا ہوا۔ اس کو عیسیٰؑ کی بشارت مان لیا گیا۔

۴۔ اب بیت المقدس کا تحلیف نہ رہے گی۔ تنگی کی ظلمت جس میں زمین مبتلا ہوتی
ہے۔ باقی نہ رہے گی۔ اگلے زمانہ میں زبولوں کی زمین اور نعمانی کی زمین

کو حقیر کر کے اس کے بعد دیباے اردن (دفرات) کے کنارے طیل میں بڑا
قبیلہ ہونگے جو قوم کے اندھیرے میں چلتی ہے۔ نور عظیم دیکھے گی۔ اور موت کے
سایہ کی زمین کے رہنے والوں پر ایک نور چمکے گا (کتاب اشیاہ باب ۹-۲۰)

صرف اتنی سی بات پر کہ ایک بار عیسیٰؑ بھی دریا کے کنارے جاتے تھے (متی
باب ۴-۱۲-۱۳) جناب متی نے اسے بشارت قرار دیا۔ الغرض یہی رنگ ہے تمام
بشارات کا جو حضرت عیسیٰؑ یا دیگر انبیاء سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اور اب اصل مدعا
کی طرف آتے ہیں۔

(۱) بشارت محمدی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہلی کتاب (توریت) میں مرقوم ہے کہ ”مذائے
تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسمعیلؑ کی نسبت وعدہ کیا۔“

(اصل عبارت: بحدیث عربی: بخطارد)

وَلِإِسْمَاعِيلَ إِسْمَاعِيلَ شَمْعِيئًا حَصْنَةً بِيْرَ خَتِيٍّ أَوْ تَوَدَّ حَضْرَتِي أَوْ تَوَدَّ حَضْرَتِي أَوْ تَوَدَّ بِمُسَدِّ مَسُودِ
شَنِيمَ مَا لَمْ يَسْمِعْ يُولِيدُو - تَنُو نَحْوِيْ كَا وَدَل ۛ

دویمراوسیم الابراہام آل برع بعینجناعل مغز وعل اماشناگل آبشر تو مر
الجناسا رة شمع مقولیہ کی بیضی تقار الیحا دئمہ اثین حہ آمہ۔ لغوی اسمتیک

(ترجمہ اردو)

رزخا صودہ (ترجمہ عربی)

قد سمعت دعاک لاسمعیلؑ ہا میں نے تیری دعا اسمعیلؑ کے حق میں قبول کر لی ہاں

بارکتہ و اشترتہ و فضلتہ کثیرا
بولد انتی عشر خلیفہ و اجملہ جلا
کبیرا
میں نے اُسے برکت دی۔ اور بار آور کیا۔ اور اسے
بہت فضیلت دی۔ اُس سے بارہ امام پیدا ہو گئے
اور اُسکو بڑی قوم کرونگا (توریت کتاب باب ۱۷-۲۰)
کہا خدا نے ابراہیم سے تیری نظروں میں باسلام
نہ ہو اس لڑکے اور اپنی نوڈی کی وجہ سے جو چھٹے
سے سارہ کہے۔ اسکی بات مان لے کیونکہ اسحق سے
تیری نسل کہلائے گی۔ اور اس نوڈی کے لڑکے کو
بھی ایک قوم کرونگا۔ کیونکہ وہ تیری نسل ہے (توریت
کتاب اول باب ۲۱-۱۲-۱۳)

آیات مذکورہ بالا میں آنحضرت کی صاف صاف بشارت ہے۔ کیونکہ خدا
تعالیٰ نے حضرت اسمعیل کو برکت دینے کا جو وعدہ کیا تھا۔ وہ اس طرح پورا ہوا کہ
جناب سرور کائنات کو جو اولاد اسمعیل ہیں رسول مقرر کیا۔ آیات مذکورہ میں تین
باتیں خدا نے بتائی ہیں۔ اول ”میں نے اس کو برکت دی“ دوم اُسے بار آور
کیا۔ اور بہت کچھ فضیلت دی۔ سوم اُس کو بڑی قوم کرونگا۔

ان میں سے دوسری بات اس طرح پوری ہو گئی کہ حضرت ابراہیم کے
اولاد بہت ہوئی۔ جس سے بارہ اماموں یا سرداروں کا وجود میں آنا طور پذیر
ہوا۔ اور بڑی قوم کرونگا۔ تیسری بات بھی اسی سلسلہ میں پوری ہو گئی۔ لیکن
پہلی بات کہ ”میں نے اُس کو برکت دی“ حضرت اسمعیل کو برکت دی“ اور دوسری بات
کا جزو دوم میں نے اس کو بہت کچھ فضیلت دی“ حضرت محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت سے پوری ہوئی۔ اس سے ثابت ہے کہ
وہ عیسائی یا یہودی جو مذکورہ بالا آیات سے صرف اولاد کثیر کا ہونا مراد لیتے
ہیں غلطی پر ہیں۔ کیونکہ آیات میں ہر سر امور جدا جدا مناسبات طور پر مذکور
ہیں۔

(۲) بشارت محمدی

جو کثیر احکام حضرت موسیٰ کو خدا کی جانب سے بتائے گئے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا:-
(اصل عبارت بہ خط اردو و ترجمہ عربی)

نابی مقرر بخا یا رجھا کا موسیٰ یا تیم ریخا ہواہ الو رحنی الا و تشاعون: نابی تیسم
لا رحم مقرب اجنہم کا موسیٰ و نبشی دیار اسے۔ بغیو و و ابر الہیم ارش
کل اشر اصو لو

اللھک الموجد یعلم لک
نیا من بینک من
اخر تک مثلی لا تسلون:
بنی من بین اخوتہم قیم ہم
شک و النقی کلامی بغیو و
کل ما امرہ یقول ہم
(توریت کتاب پنجم باب ۱۸ - ۱۵ و ۱۸)

ان آیتوں میں آنحضرت کے مبعوث ہونے کی ایسی صاف اور مستحکم بشارت ہے کہ اس سے نمایاں اور ہونہیں سکتی۔ خدا نے قتالے نے حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک بنی مثل موسیٰ کے مبعوث کر دنگا۔

ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمعیل ہیں۔ اور بنی اسمعیل میں آنحضرت کے سوا اور کوئی نبی نہیں ہوا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ یہ بشارت بھی آنحضرت کی ذات بابرکات سے ہی منسوب ہے۔ ان آیات میں دو جملہ خاص غور کے مستحق ہیں

- ۱۔ اپنا کلام اُس کے مُنہ میں دُوں گا۔
- ۲۔ مثل تیرے (موسیٰ کے) بنی پیدا کر دنگا۔

تزام کے علاوہ جانا جیل اربعہ اسوقت مستند مانی جاتی ہیں وہ یونانی زبان میں ہیں۔ یعنی عبرانی زبان میں نہیں۔ جو حضرت عیسیٰ کی اصل زبان تھی۔ پس اس کی نسبت کلام خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک بات ہوئی۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ یہودی اور عیسائی بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انبیائے بنی اسرائیل پر سولے احکام عشرہ موسیٰ کے جو وحی آتی تھی۔ اس کے لفظ وہی نہیں ہیں۔ جو توریت۔ زبور و صحف انبیاء میں لکھے ہوئے ہیں۔ بلکہ انکو صرف القا ہوتا تھا۔ بعد ازاں وہ اس کو اپنی زبان اور محاورہ میں لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ کلام خدا اصلی حالت میں موجود نہیں۔ جب توریت و انجیل کی یہ حالت ہے۔ تو اس کا ”اپنا کلام“ کا مشاعرہ علیہ قرآن پاک۔ اور اس کے منہ میں دہنگا“ کا مصداق آنحضرت کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ صاف بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

اب ہمیں دوسری بات ”مثل موسیٰ کے پیغمبر پیدا کر دینگا“ پر غور کرنا ہے۔ یہ بات صاف ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں کوئی پیغمبر مثل موسیٰ کے پیدا نہیں ہوا۔ چنانچہ عزیرہ پیغمبر نے جب توریت کو بعد قید بابل تحریر کیا۔ تو اس میں یہ لکھا اصل عبارت بخط اردو:-

وَلَوْ قَامَ نَبِيٌّ عِوَدَ بِيَسْرَائِيلَ كَوْشَةُ اِسْرَءِءِلَ عِوَدَ بَا نِيْمَ اَلْ بَانِيْسِمِ
وَمَا قَامَ نَبِيٌّ وَاَلْبَدَ بَا سِرَائِيلَ اَوْرَ سِجَرِ قَايِمٍ نَهْ بَوَا تَحْمُوْجِيْ نَبِيْ - نَبِيْ اِسْرَائِيلَ مِيْنِ مَوْسَى
كَمَوْسَى الَّذِي عَرَفَ اللّٰهُ بِالْمُشَافَهَةِ كِيْ مَانَدَ حَسْبُ نَهْ بِيْجَا نَا اللّٰهُ كُوْدُوْدَ بَدُوْ (توریت کتاب انجیم باب ۱۰)۔
اب ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا آنحضرتؐ مثل موسیٰ میں یا نہیں؟

مشابہت حالات

آنحضرت صلعم

حضرت موسیٰ

۱۔ آنحضرت صلعم کو بھی یہی حالات

۱۔ اپنے اپنے کفار دشمنوں کو خوف سے وطن

سے ہجرت کی +

۲۔ آپ ہجرت کر کے شہر یشرب (مدینہ) پہنچے۔ جو اس وقت اپنے بانی یشروں کے نام پر یشرب کہلاتا تھا +

۳۔ آپ پر کلام خدا بلفظہ نازل ہوا۔ جو احکام عشرہ کہلاتا ہے +

۴۔ آپ کو کفار کے ساتھ جہاد کا حکم ہوا +

۵۔ آپ نے متفرق اور پامال قوم کو مصر سے نکال کر ایک جگہ جمع کیا +

۶۔ آپ نے ملک فتح کئے۔ بنی اسرائیل میں دنیاوی بادشاہت قائم کی، آپ کا اصلی مقصد ملک کنعان پر قبضہ کرنا اور بادشاہت قائم کرنا تھا +

۷۔ آپ کو شریعت منجانب اللہ عطا ہوئی چنانچہ آپ کو ایک کتاب (توریت) ملی جس میں احکام شریعت درج ہیں +

پیش آئے +

۲۔ آنحضرت صلعم بھی ہجرت کر کے وہیں پہنچے +

۳۔ اسی طرح آنحضرت پر کلام خدا بلفظہ نازل ہوا۔ اور اس وقت تک باطل محفوظ ہے +

۴۔ حضرت کو بھی مگر مقابلتہ نہایت نرم تھا +

۵۔ آنحضرت نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور تمام اعراب کو ایک رشتہ قومی میں جکڑ دیا +

۶۔ آنحضرت نے ملک بھی فتح کئے حکومت بھی قائم ہو گئی۔ اگرچہ حضور کا مقصد اس پر نہ تھا۔ مگر ایسا ہو گیا۔ اور اس طرح توریت کی پیشگوئی ”شل موسیٰ“ پوری ہو گئی +

۷۔ آنحضرت کو بھی کتاب احکام یعنی قرآن کریم عطا ہوا۔ جس میں تمام احکام موجود ہیں۔ مکمل صورت میں +

یہاں پر یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ سوائے موسیٰؑ اور آنحضرتؐ کے اور کسی پیغمبر کو شریعت نہیں عطا ہوئی۔ اس واسطے حضرت عیسیٰؑ اور ان سے پیشتر آنیوالے تمام پیغمبر شریعت موسیٰؑ کے تابع رہے۔ اور اس کے بعد آنحضرتؐ پر قرآن کریم مکمل احکام کی صورت میں نازل ہوا۔ جس نے شریعت موسیٰؑ کی تکمیل کی۔ کیونکہ قرآن کریم توریت سے زیادہ مکمل ہے۔

الغرض ان تمام وجوہات سے اس بشارت کا مصداق آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۳) بشارتِ محمدی

حضرت موسیٰ اور حضرت حقیق نبی نے آنحضرت کے مبعوث ہونے کی بشارت بہ الفاظِ ذیل دی۔ (اصل عبارت و ترجمہ عربی بحفظ اردو)

دُو بومر یجھوا سینیائی باو زارح مستعیر لام ہو فتح مچھو پاران داتا مبر بوٹ
قدوش - میہینویش واٹ لامو -

اَنو دہ شیمان یا بُردو قادوش مہر پاران سلہ کتہ ماہیم صوود شہلا۔
تو ماہیا اہر ص +

وقال ان اللہ طلع من سینا۔ اور کہا خدا سینا سے نکلا۔ اور سیر سے چمکا۔ اور
واشرق لہم من السیر ومن فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں
جبل فاران نکلی۔ یہی منہ شریعت شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا تو ریت کتاب
بیضاء بجندہ الملائکہ آتی۔ پنجم باب ۶۳-۶۲

یا نبی اللہ من جنوب والقدوس آئے گا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ
من جبل فاران۔ زمین السموات سے۔ آسمانوں کو جمال سے چھپا دیا۔ اُس کی ستائش
الارض بحمد ملتان + سے زمین بھر گئی (کتاب حقیق باب ۳-۳)

مذکورہ بالا آیات میں کوہ فاران سے خدا کا ظاہر ہونا اور شریعت کا اُس کے
ہاتھ میں ہونا آنحضرتؐ اور قرآن کی بشارت ہے۔

عرب کے قدیم جغرافیہ۔ توریت کے محاورات۔ اور علماء متقدمین و متاخرین
کی تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ فاران مکہ معظمہ کے پہاڑوں کے سوا اور کوئی
جگہ نہیں۔ اس واسطے اس بشارت کا مشاؤ الیہ بھی آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی
نہیں ہو سکتا +

سر سید علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اکتوبر ۱۸۶۹ء کے کوٹلی یو یو میں ایک
یہودی فاضل کا مضمون چھپا تھا۔ جس میں اُس نے لکھا تھا کہ آیات مذکور

میں "فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا" اور اس کے ہاتھ میں شریعت روشن" کے معنی یہ ہیں کہ تعوی زبان میں شریعت دی گئی (جس سے قرآن مجید مراد ہے) پس اس سے بھی ثابت ہے کہ فاران وہی مقام ہے۔ جہاں نزول اسلام ہوا۔ یعنی مکہ اور کوہ فاران "پھر کچھ آ کے چلکر یہی مضمون نگار تصدیق کرتا ہے کہ فاران صاف طور سے عرب کے لئے مستعمل ہے"

مکہ کے گرد کے پہاڑوں کو فاران کہا جاتا ہے۔ یہ بات توریت اور انجیل سے ثابت ہے۔ اس واسطے ہم اس کی تفصیل ضروری نہیں سمجھتے۔

(۴) بشارت محمدی

حضرت سلیمان اپنے محبوب سے ملنا چاہتے ہیں۔ اور جب مل نہیں سکتے تو خدائے تعالیٰ کی مناجات اور اپنے محبوب کی توصیف بہ الفاظ ذیل کرتے ہیں۔

(لہل عبارت بحرف عربی بخط اردو)

دودی صبح وادوم دغول مر بایہ رز شو کشیم یاز قصو تا و ثلثیم شخو روث
کجوریب عناد کیونیم عل ریفی ر حصو ث بجالاب یو شبعو ث عل یلیث بجا یاد
نعر و غث مسموم مغدو ث فر تا جیم سفو تا و شو شقیم لطاو ث مور عو میر یاد او
گلیلی ز احباب مہلا ئیم بتر سیش رجا و عشت شین و حلفث سپریم شو قاو
عمودی شیش میشا ویم کل ادنی یاز مر یہو گلیا نوں با عور کارازیم۔ جکو نمقیم
و جکو محمدیم زہ دودی و زہ رعی پلو ث پیر و شلا یم

ترجمہ اردو

ترجمہ عربی

میرا دوست۔ نورانی ناگندم گوں، ہزاروں میں سرور ہے
اس کا سر مثل ہیرے کے چمکدار ہے۔ اسکی زلفیں
سلسل مثل کوئے کے کالی ہیں۔ اس کی آنکھیں
ایسی ہیں، جیسے پانی کے کندل پر کبوتر۔ دودہ میں

جیسی صبح اومان سید بین
الالاف قصتہ متلثہ مالک
کالغراب۔ راسہ لاسۃ للان
عیونہ کحامتہ علی عین الماء

مغلولہ بالحبیب قائمۃ الخیرات
مذارہ بصلایۃ الطیب کعرج
البشام شفاء درد قطر مرا
بعنہ صحیفۃ العاج مرصص
بالدرر وادیہ مصوغتان سن
الذہب مملوتان بالجوہ سہیقات
اعمدۃ الرخام موسست علی
قواعد اللآلی صورۃ تمراء
شباب کالمنوبر حنکۃ طود کلہ
محمدیم ہذا خلیل و ذای حبیبی بتا
اور شلیم

دہلی ہوئی گلینہ کی مانند جڑی ہیں۔ اس کے خسار
ایسے ہیں جیسے ٹی پر خوشبو دار بیل چھائی ہوئی اور
چکے پر خوشبو رگڑی ہوئی۔ اس کے ہونٹ پھول کی
پتھڑیاں جن سے خوشبو نکلتی ہے۔ اس کے ہاتھ
ہیں سونے سے ڈلے ہوئے اور جواہر سے جڑے ہوئے
اس کا شکم جیسے ہاتھی دانت کی تختی، جواہر سے لپی ہوئی
اسکی پنڈلیاں ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستون سونے کی
بیٹھکی پر جڑے ہوئے۔ اسکا چہرہ مانند مہتاب کے جواہر
مانند صنوبر کے اسکا گلہا تھا سنہر شیریں اور وہ محمد ہے
یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب۔ اے بیلیویر شلیم کی۔
(کتاب تسبیحات سلیمان باب ۵۔ آیت ۱۰۔ انعام ۱۶)

یہ بشارت آنحضرت کے متعلق باطل صاف ہے۔ اور اس میں نام بھی غلط
کا آگیا ہے۔ مگر ذرا سے فرق سے یعنی محمد کی بجائے محمدیم ہے۔ مگر عبرانی
زبان میں حروف (می م) جمع یا تعظیم کے واسطے لاتے ہیں۔ پس اس
مقام پر بھی یہ حرف برائے تعظیم لائے گئے ہیں +

(۵) بشارت محمدی

بھی نبی آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے کی بشارت بہ الفاظ ذیل

دیتے ہیں:

وہی عیشی اث کل علویم دباؤ حدث کل حکویم۔ ولہی اث صباؤ
ہرزہ کا بو امریکو صباؤ +

عمل ترجمہ

اردو ترجمہ

وازلزل الامم کما وحمد جمیع سب قوموں کو ہلا دوں گا۔ اور حمد سب قوموں کا

الاحم تجنی واطلحذا البیت آئے گا۔ اور اس گھر کو بزرگی سے بھر دوں گا۔ کہا خداؤں
مجدد قال رب الخلاق؛ خلاق نے (کتاب بھیجی نبی۔ باب ۱۱۔ آیت ۷)
اس بشارت میں لفظ (محدث) کے مشائرا ایہ آنحضرتؐ ہیں۔ اور اس لفظ
کو لا کر بتایا گیا ہے۔ کہ جس شخص کا اس میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ حمد کے مادہ سے
مشق ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے نام احمد، محمد، حامد اور محمود سب اس سے مشتق
ہوتے ہیں۔ اور سوائے آپؐ کے اور کسی پیغمبر کا نام اس سے نہیں نکلتا پس
آپؐ کے سوا اور کون اس کا مشائرا ایہ ہو سکتا ہے۔

بعض عیسائی کہتے ہیں یہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔
اور اس کے دو ثبوت ہیں۔ اول یہ کہ متی حواری نے اپنی انجیل میں اس کا ذکر
نہیں کیا۔ حالانکہ عہد عتیق کی تمام کتابوں تو ریت۔ زبور و دیگر صحف انبیا کے
بشارات کو بالتفصیل لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی عیسائی بھی اس بشارت
کو حضرت عیسیٰؑ سے منسوب نہ کرتا تھا۔ اور یہ درست تھا کہ یہ تو احمد اور محمود سے
منسوب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نام مادہ حمد سے کوئی
تعلق نہیں رکھتا۔ پس وہ اس کے مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ وراصل
اس کے مشائرا ایہ وہ بزرگ ہیں جن کی نسبت خود جناب عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ
یا قی من بعدی اسمہ احمد؛ آئے گا میرے بعد اس کا نام احمد ہے۔ اور وہ پیغمبر
آخر الزماں آنحضرتؐ ہیں؛

(۲) بشارت محمدی

خدا کی سچی پرستش قائم کرنے والوں کا ذکر جناب اشعیاہ نبیؑ، الہامی رو سے
بہ الفاظ ذیل فرماتے ہیں۔ (اصل عبارت و ترجمہ عربی بخط اردو)
ورانا رجب حمید پارشیم رجب حمور رجب کمال و حقیب قش
رب قاشب؛

عربی ترجمہ
اورائی مرکب الفار سین اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی۔
راکب حمار راکب جملہ ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ کا اور
التفت التفاتاً جیداً خوب متوجہ ہوا (کتاب الشیخاۃ فی باب ۶۱ آیت ۷)
اس بشارت میں سچی پرستش کرنے والے دو پیغمبر بتائے گئے ہیں۔
ایک گدھے کا سوار دوسرا اونٹ کا۔ پس اول الذکر سے مراد جناب عیسیٰ اور
آخر الذکر سے مقصود ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اونٹ کی سواری
یوں بھی عرب میں عام ہے چنانچہ اونٹ کا نام آتے ہی قدرتنا ذہن عرب
کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ دوم جب آنحضرت فاتح مکہ کے وقت مکہ معظمہ تشریف
لائے تو آپ اونٹنی پر سوار تھے پس اس سے صاف بشارات اور شہادت اور
کیا ہو سکتی ہے۔ جس طرح یہودیوں کے بگڑے ہوئے مذہب کی اصلاح
جناب عیسیٰ سے ہوئی اسی طرح بہت پرستوں اور خدا کے بیٹا ہونے کے
قائل لوگوں کی ہمارے رسول اکرم نے اصلاح کر کے خدا کی سچی پرستش قائم
کی، گزشتہ ننام بشارات توریت اور صحف قدیم سے اخذ کی گئی تھیں۔ اب
خاص انجیل کی بشارات کا ذکر کیا جاتا ہے ۴

(۷) بشارت محمدی

یہ امور میں نے تم سے کہے جبکہ تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن پیر رکیٹاں
پاک روح جس کو باپ بھیجے گا میرے نام سے، بات تم کو سکھائے گا اور
یا ولادے کا تم کو تمام وہ باتیں جو کہ میں نے تم سے کہی ہیں (انجیل یوحنا
باب ۱۴-۲۵ و ۲۶)

”تاہم میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ یہ بھلا سے تمہارے لئے کیا ہاں سے
میں چلا جاؤں، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو پیر رکیٹاں، تمہارے پاس نہ آئیں گے“

انجیل یوحنا باب ۱۶-۷ (۷-۱۶)

عید فصح سے کچھ روز پیشتر جبکہ جناب عیسیٰ نے سمجھ لیا تھا کہ اب میرا وقت قریب آگیا ہے۔ اور میں عنقریب گرفتار ہو نیوالا ہوں۔ اپنے حواریین کو سچا دوسرا نصائح کے مذکورہ بالا نصائح بھی کہیں۔ اسوقت جو انجیلیس موجود ہیں۔ ان میں مذکورہ بالا عبارت میں پریکلیوٹاس (تسلی دہندہ) مرقوم ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ یونانی لفظ ہے۔ اسواسطے وہ لفظ نہیں ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کی زبان سے نکلا کیونکہ ان کی زبان عبرانی تھی۔ نہ کہ یونانی۔ پس جو لفظ حضرت عیسیٰ کی زبان سے نکلا وہ فارقلیط تھا۔ یہی بات مسلمانوں کی کتاب میں مذکور ہے۔ نیز عیسائی فاضل بشپ بارش کی بھی یہی رائے ہے۔ فارقلیط کا یونانی صحیح ترجمہ پریکلیوٹاس ہے۔ اور اس کا عربی ترجمہ احمد ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے زمانہ کے خود غرض پادریوں نے اس کی تحریف کر دی۔ کیونکہ اس بات کا ثبوت موجود ہے۔ کہ ابتداء اس کا ترجمہ پریکلیوٹاس ہی کیا گیا تھا۔ چنانچہ سر ولیم میور کتاب آف محمد جلد اول صفحہ ۱۱ میں دہی زبان سے اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ یوحنا کی انجیل کا ترجمہ جو ابتدا میں عربی زبان میں ہوا۔ اس میں اس لفظ کا ترجمہ غلطی سے احمد کر دیا ہوگا۔ یا کسی خود غرض جاہل راہب نے محمد (صہم) کے زمانہ میں جبل سازی سے اس کا استعمال کیا ہوگا۔

یعنی اقرار تو ہے۔ لیکن چونکہ اس سے مسلمانوں کے پیغمبر کی بشارت غلطی ہے۔ اسواسطے ترجمہ کی غلطی یا خود غرض جاہل راہب کے کروت قرار دیتے ہیں۔ کیا انصاف اور کیا سچائی ہے۔ اللہ اللہ کیسی روشن خیالی ہے۔

بیاختہ داد دینے کو دل چاہتا ہے! العجب تم العجب!

اس موقع پر ایک عیسائی فاضل مسٹر گاڈفری ہیٹس کی رائے اس بشارت کے متعلق لکھ دینی مناسب ہوگی۔ وہ اس بات کو ماننے سے ہوسکتا ہے کہ

”چونکہ عیسائیوں نے اناجیل کے قدیم نسخے بجائے حفاظت کرنے کے غارت کر دیئے۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے۔ تو انھیں آج تک مثل مقدس نعشوں کے محفوظ رکھ سکتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عیسائیوں نے اصلیت اور حقیقت کو چھپانے کی دانستہ کوشش کی ہے“ لکھتے ہیں کہ ”جو بشارات ان آیات میں درج ہیں۔ ان سے بہت سے قدیم عیسائی کسی شخص کے سبوت ہونے (یعنی آنحضرت کے مؤلف) کی پیشینگوئی سمجھتے تھے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ رومی پادریوں اور پروٹسٹنٹ فرقے جو اس لفظ کے معنوں میں تخریف کی ہے۔ اور اس سے روح القدس کا حاریوں پر آنا مراد دیا ہے۔ ابتدا میں یہ رائے عام نہ تھی“ مسٹر موصوف اس کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ۔ ”دوسری صدی میں تر تو لین کے زمانہ سے پیشتر مانیٹی اس ایک شخص پیدا ہوا تھا۔ جس کو کچھ لوگ حضرت عیسیٰ کا موعودہ پیر یکلیوطاس سمجھتے تھے۔ اس کے دشمنوں نے اس کی نسبت بے اصل بات مشہور کی تھی کہ وہ روح القدس ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں نے مانیٹی اس کے سبب انجیلوں میں تخریف کی۔ اور یہ ماجرا آنحضرت کے زمانہ سے بہت پیشتر ہو چکا تھا۔ درمیانی زمانہ میں ایسے ہی ایک اور شخص ”سینیس“ کو موعودہ شخص سمجھا گیا۔ مگر وہ غلطی تھی“

بعض عیسائی اس آئینے شخص سے روح القدس مراد لیتے ہیں۔ مگر اس کی تردید مسٹر گاؤنری اس طرح فرماتے ہیں۔ کہ ”یہ درست نہیں۔ کیونکہ اگر اس کے سنی (تشی و ہند) ہوں۔ تو تشنی و ہندہ کے آئینہ کا وعدہ ہوتے ہوئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ وہی شخص بارہ زبان نامائے آتشیں الی پیشین گوئی کا بھی موعود ہے“ مسٹر موصوف یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ”غلاہ ازیں حواریوں کے قوانین اور خود عیسائیوں کی کتاب سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ کہ روح القدس کا حواریوں میں آجانا تشنی و ہندہ موعود کا آنا ہوا۔ اور صرف زبان سے کہہ دینا

سے اپنے وعدے کی تصدیق نہیں ہو سکتی؟

(۸) بشارت محمدی

”اور دیکھو میں بھیجتا ہوں وعدہ ماہ سپنے باپ کا تم پر، لیکن تم ٹھیکرو۔ شہر
یروشلم میں۔ جب تک کہ تم پر عطا ہو قوت اوپر سے (انجیل لوقا باب ۲۴-
آیت ۴۹)

حضرت عیسیٰ کے مصلوب اور دفن ہونے کے بعد جبکہ حواریں نے پھیلی
کا ٹکڑا اور شہد کہا تے انھیں دیکھا۔ تو حضرت نے مندرجہ بالا الفاظ ان سے کہے
مندرجہ بالا بشارت (عبارت) اور چند دیگر سطور لکھنے کے بعد لوقا صاحب
اپنی انجیل ختم کرتے ہیں۔ اور اس وعدہ کے پورا ہونے کا کوئی ذکر نہیں کرتے
بلکہ کہتے ہیں کہ ”یسے یہ کہہ کر آسمان پر چلے گئے۔ تو تمام حواری اُن کو سجدہ
کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو پھرے۔ اور ہمیشہ ہیکل میں خدا کی تعریف
کرتے رہے؛

ان الفاظ پر لوقا کی انجیل ختم ہوتی ہے۔ اور اس میں وعدہ کے پورا
ہونیکا ذکر نہیں آتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانہ تک وہ وعدہ پورا
نہیں ہوا نہ لوقا کے نزدیک روح القدس کا زبانہ مانے آتشیں میں عاریوں
پر نازل ہونا اس وعدہ کا پورا ہونا تھا۔ ورنہ وہ اُس کا ذکر کرتا۔ پس اس سے
ثابت ہوا کہ وہ وعدہ کسی اور شخص کا تھا +

”اُس وعدے کے آنے تک تم شہر یروشلم میں ٹھیرے رہو؛ کیوں ٹھیرے رہو؟
اس کا جواب ہمیں نہیں ملتا۔ کیونکہ اگر موعودہ شخص روح القدس ہے۔ تو وہ
ہر جگہ پہنچ سکتی ہے۔ ایک جگہ قیام کی قید کی ضرورت نہیں۔ لیکن دراصل
ان الفاظ کے سنی کہ ”یروشلم میں ٹھیرے رہو“ کچھ اور ہیں۔ یعنی یہ استعارہ ہے
اس واسطے ان لفظوں کے ظاہری سنی پر نہ جانا چاہیے۔ یعنی اس کا مطلب

یہ ہے کہ جب تک وہ وعدہ پورا نہ ہو تو یروشلم سے وابستہ رہو۔ اور اسی کی عزت کرو۔ اسی جانب سجدہ کرو۔ حتیٰ کہ وعدہ پورا ہو۔ چنانچہ جب وعدہ پورا ہوا یعنی آنحضرت مبعوث ہوئے۔ تو یروشلم میں رہنے کا زمانہ بھی ختم ہو گیا اور بیت اللہ میں رہنے کا زمانہ آیا۔ باپ کا وعدہ پورا ہوا۔ سمت بیت المقدس موقوف ہوئی۔ اور مکہ میں ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانہ خدا اور کعبہ عظمیٰ کی سمت، قبلہ اہل ایمان قرار پائی۔

ان تمام مباحث سے ثابت ہے کہ یہ آیات بشارت ہیں بیت المقدس کے قبلہ نہ رہنے اور بیت اللہ کے قبلہ قرار پانے اور آنحضرت کے مبعوث ہونے کی۔

(۹) بشارت محمدی

جب حضرت یحییٰ پیغمبر ہوئے۔ تو یروشلم سے یہودیوں نے کامیوں اور ولیوں کو اُن کے پاس بھیجا۔ تاکہ اُن سے پوچھیں کہ وہ کون ہیں؟ چنانچہ وہ لوگ گئے اور اُن سے گفتگو ہوئی۔ اُس نے یعنی حضرت یحییٰ نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ اور اقرار کیا کہ میں کرتاس (عیسائی) نہیں ہوں۔ اور انھوں نے پوچھا اُس سے پھر کون! کیا تو ایسا ہے؟ اور اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ تو وہ نبی ہے؟ اور اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ تب انھوں نے اس سے کہا کہ تو کون ہے تاکہ ہم جواب دے سکیں اُن کو جنھوں نے ہلکو بھیجا ہے۔ اپنے تئیں تو کیا کہتا ہے۔ اُس نے کہا میں ہوں آواز اُس کی جو جنگل میں چلاتا ہے۔ سیاح کر راستہ خداوند کا جیسا نبی اشعیاء نے کہا۔ اور وہ جو بھیجے گئے تھے فروں تھے۔ اور انھوں نے اس سے پوچھا اور اس سے کہا تو کیوں اصطباغ کرتا ہے جبکہ تو نہ کرتاس ہے اور نہ ایسا اور نہ وہ نبی (یوحنا باب آیت ۲۰)

مذکورہ بالا عبارت میں دو جگہ لفظ ”وہ نبی“ آیا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس کے بعد آیا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ حضرت الیاس کے دنیا میں موجود ہونے اور حضرت عیسیٰ کے مکرر آنے کے علاوہ اُس زمانہ کے لوگوں کو ایک اور نبی کے آنے کا بھی انتظار تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ زیادہ مذکورہ اس کا ہی ہوتا تھا۔ چنانچہ دونوں بار وہ نبی کہا گیا۔ اور سننے والے نے اس کے معنی فوراً سمجھ لئے۔ مگر وہ جی سوائے نبی آخر الزماں کے اور کون ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ! بحمدہ +

ہاں یہ پیغمبر وہی تھا جس کے سبب خدا نے ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کو برکت دی۔ اور جس کی نسبت خدا نے موسیٰؑ سے کہا کہ تیرے بھائیوں میں تجھ سا پیغمبر پیدا کروں گا۔ اور جس کی نسبت حضرت سلیمانؑ نے کہا۔ کہ میرا محبوب سرخ و سفید سب میں تریف کیا گیا محمدؐ ہے۔ یہی میرا محبوب ہے۔ اور یہی میرا مطلق اور جس کی نسبت بھی نبیؑ نے کہا۔ کہ حمد تمام قوموں کا آدے لگا۔ اور جس کی نسبت حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ میرا جانا ضرور ہے تاکہ نازلیط آدے +

(۱۰) بشارت محمدی

”اللہ تعالیٰ جبال مکہ سے احمد (صلعم) کو ظاہر کرے گا جس کی تریف سے زمین بھری ہوگی۔ اور زمین و گردوں کا مالک ہوگا“ در کتاب حقوق پیغمبر

(۱۱) بشارت محمدی

”وہ روح راستی۔ جو نقصان سے خالی ہے۔ وہ کامل تعلیم لائے گا۔ اور لوگوں کو نئی باتوں کی خبر دے گا“ (انجیل)
علاوہ ازیں انجیل برنباس میں آنحضرتؐ کا نام مقدس صاف صاف تحریر ہے۔ اور اسے دیکھنے کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ اس بشارت

کے مشائخ الیہ جناب سرور کائنات خلاصۂ موجودات ہی ہیں۔ اور اب مخالفین و منکرین کو بھی کوئی گنجائش اس کے تسلیم کر لینے میں باقی نہیں رہی۔ یہ انجیل حمیدہ سلیم پر لیں نے چھاپی ہے۔

باب سوم

آنحضرتؐ کا خاندانی سلسلہ

آپؐ کا خاندانی سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ جہاں بابل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ مسیحؑ سے تقریباً دو ہزار سال پیشتر حضرت ابراہیمؑ شاہ بابل اور دماں کی رعایا کی ہدایت کے لئے منجانب اللہ مامور ہوئے۔ آپؑ نے اپنے پیشروں حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کی مانند صدائے توحید بلند کی۔ مگر قوم اور بادشاہ کی جہالت نے اس جاں فزا صد کو ان کے لئے ناخوشگوار بنا دیا۔ اسوقت صرف بی بی سارہ آپؑ کی چچا زاد بہن اور لوط بن فاران آپؑ کے برادر زادہ آپؑ پر ایمان لائے۔ اور ان تین آدمیوں کے مختصر قافلہ نے وطن سے ہجرت کی۔ بعد ازاں آپؑ کا بی بی سارہ کے ہمراہ عقد نکاح ہوا۔

اسوقت دنیا کی تاریخ کا گویا پہلا ہی ورق کھلا تھا۔ انسان کی طبیعت مصنوعات کی جانب ہنوز مائل نہ ہوئی تھی۔ قدرتی وسائل ہی اس کے اسباب آرام و آسائش تھے۔ اس واسطے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی چند بھیر کیریاں پال کیں تھیں۔ ان ہی سے دودھ مکھن وغیرہ حاصل کر کے اپنے مختصر گنبد کی خور و نوش کا سامان بہم پہنچاتے تھے۔ ان کے مال میں خدا نے برکت دی۔ اور آپؑ کے مویشی بڑھتے بڑھتے کئی گئے ہو گئے۔ اور یہی اُس سادگی کے خزانہ

کی دولت تھی۔ لیکن اس قطعہ ملک میں جہاں آپ نے بابل سے چل کر نقل مکان کی تھی۔ عرصہ تک اساک باران رہنے کی وجہ سے مویشی کے لئے سبزہ و چارہ نہ رہا۔ اس واسطے آپ نے اور آگے قدم بڑھایا حتیٰ کہ مصر پہنچ گئے۔

اس زمانہ میں مصر کا حکمران ایک بابلی شخص ریتون نامی تھا۔ اس نے حضرت ابراہیم کو آنکھوں پر لیا۔ اور خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ حتیٰ کہ جب آنحضرت نے مراجعت وطن کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ نو بادشاہ نے اپنی بیٹی ماجرہ کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا۔ اس سے بادشاہ کے دو مقصد تھے۔ ایک تو یہ کہ اس کی بیٹی اور اس کی اولاد کو خاندان نبوت کا فیض صحبت حاصل ہونے کی سعادت حاصل ہو۔ دوم اس کی نسل خاص اس ہی کے وطن میں پھیلے پھولے۔ حضرت ابراہیم کی مراجعت وطن اور بادشاہ کے اپنی بیٹی ماجرہ ان کے سپرد کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حب وطن کا جذبہ انسان کے اندر قدیم سے قدیم زمانہ میں بھی تھا۔ اور کہ اس کا مولد و مسکن کس طرح اس کو اپنی جانب کھینچ لیتا تھا۔

حضرت ابراہیم نے بی بی ماجرہ کے ساتھ نکاح کیا۔ اور ان کے بطن سے حضرت اسمعیلؑ تو لد ہوئے۔ اس کے بعد بی بی سارہ کے بطن سے آپ کے دوسرے فرزند حضرت ائحقؑ تو لد ہوئے۔ اور جب یہ دونوں فرزند جوان ہو گئے تو آپ نے بخیال رفح انتراع آئندہ حسب خواہش خاندان اپنا علاقہ دونوں فرزندوں میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ ملک شام جو بابل کے مشرق میں واقع ہے۔ اسحاق کو دیا۔ جس سے ان کو نائہال کے قریب آباد ہونے کا موقع ملا۔

۱۔ بعض عیسائی مورخین نے حضرت ماجرہ کو لونڈی بیان کیا ہے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ آپ کا بادشاہ کی بیٹی ہونا عہد نامہ حیات قدیم و جدید تورات و اناجیل سے ظاہر ہے اور وہ یہ تحقیقات سے معاملہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔ یہی مورخین کا اس حرکت سے یہ مطلب تھا۔ کہ بی بی ماجرہ کو لونڈی ٹاکر اور حضرت اسمعیلؑ کو کنیز زادہ کہہ کر آنحضرت کی نسل میں عیب کا بیج

اور ملک عرب حضرت اسمیل کو۔ اور چونکہ مصر اس کے مغرب میں تھا۔ اس واسطے کہ اس نے اپنی نانہال سے قریب تر بونیکا فرما حاصل رہا۔ اسی طرح بین کا علاقہ اپنی تیسری بیوی خنطورا کی اولاد کو عطا کیا۔ اس تقسیم سے حضرت ابراہیم کی مورچہ کی وراثت ملی اور انصاف پسندی ظاہر ہے۔ اور ایک دوسرا نتیجہ یہ نکلا جاسکتا ہے۔ کہ حضرت اسمیل بقول مترضیں نوڈی کے شکم سے نہ تھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا۔ تو ان کو بحیثیت اولاد خاص ملک وراثت میں حصہ نہ دیا جاتا۔ وراثت کے حق سے نوڈی بچہ کا محروم رہنا اس وقت کے قانون سے ظاہر ہے۔ جس کی تفصیل عہد نامہ جات قدیم میں مذکور ہے۔ باوجود اس تقسیم کے دونوں بھائی اس طرح آباد ہوئے تھے۔ کہ کوئی دوسرا ملک درمیان میں حائل نہ تھا۔ اور وقت ضرورت بہ آسانی ایک جگہ جمع ہو سکتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے در و شریک تھے چنانچہ کتاب پیدائش ۲۴ میں مذکور ہے۔ کہ حضرت ابراہیم کی تین بیویاں تھیں جن میں دونوں بھائی شریک ہوئے تھے۔ جس سے انکی برادرانہ محبت کا ثبوت ملتا ہے۔

الغرض حضرت ابراہیم کی اولاد بابل اور مصر کے ممالک کی مالک بن گئی اور بحر ہند۔ بحر احمر کے درمیان ایسے بناویر قابض ہو گئی۔ جہاں سے کہ وہ اس وقت کی ستمدن دنیا کی تجارت پر اپنا دخل جاسکتی تھی۔ خود حضرت ابراہیم مہلبی بی ناجرہ اور فرزند اسمیل کے اس مقام پر آباد ہوئے جہاں اس وقت شہر کہ آباد ہے۔ یہاں باپ بیٹوں نے بلکہ ایک مسجد شکل مکتب تعمیر کر کے دنیا میں توحید خداوندی کی بنا ڈالی۔ جس میں اگرچہ مدتوں بت پرستی ہوتی رہی تاہم اس وقت مرجع عاشقان توحید ہے۔ اور اس زمانہ میں بھی اس درجہ کشش رکھتی ہے۔ کہ اپنے جذب مقناطیسی سے ہر سال کے مسلمانوں کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ اور ہیت اللہ یا کعبۃ اللہ کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کے بارہ فرزندوں میں سے قیدار نہایت نامور ہوا۔ اور اسکی اولاد شہر مکہ میں آباد ہوئی۔ جس نے اپنے بزرگوں کی مانند مقدس مسجد کے حقوق و خدمات میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

قیدار کی غالباً چالیسویں پشت میں عدنان اول ایک سربر آوردہ بزرگ ہوا۔ جس کے چھوٹے بھائی عک نے یمن میں سلطنت قائم کی۔

عدنان کی وفات کے بعد اس قوم کو بنی جرہم نے مغلوب کیا۔ اور وہ مکہ سے خارج کر دیئے گئے۔ مگر عدنان دوم کی پندرہویں پشت میں قضی نامی ایک بہادر نے خروج کیا۔ اور مکہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اور اپنی قوم کے منتشر شدہ افراد کو جمع کر کے جواب قریش کہلاتے تھے ۶۲۴ء میں مکہ کے انتظام کو جمہوریت کے اصول پر قائم کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں رفاہ و سقایہ۔ اور دارالندوہ ایجاد ہوئے۔ قضی کے بعد اس کے فرزند مغیرہ (معروف بہ عبدمناف) اور بعد ازاں اس کا فرزند عمر (المعروف بہ ہاشم) پھر اسکا بیٹا شیبہ (عبدالمطلب المولود ۶۱۰ء) اس کے بعد ان کے فرزند ابوطالب اپنے اپنے عہد میں مکہ کے با اثر اور معزز سردار مقرر ہوتے رہے۔ آخر اللہ کبریا نے اسحضرت صلعم (صاحب سوانح عمری ہذا) کے جد امجد ہیں۔ اور آپ کی ولادت با سعادت کے وقت یہی شریف مکہ تھے۔

اسحضرت کے والد بزرگوار عبداللہ (بن عبدالمطلب) نے چوبیس سال کی عمر میں بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا (ہنت و سب) سے نکاح کیا۔ شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی آپ نے ایک قافلہ کی سمیت میں سفر شام اختیار کیا۔ مگر بہ وقت واپسی قافلہ آپ کے ساتھ میں ہی تیرب (مدینہ) میں وفات پائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا کی شان ہے کہ یہی مقام آپ کے جلیل القدر فرزند کا مدفن بنا۔

اسحضرت صلعم ۲۹ اگست ۵۷۰ء مطابق ۱۲ ربیع الاول ۵۷۰ء زمانہ آدم ۱۴

سے ۵۰ سال بعد عام الفیل (واقعہ فیل سے پینتالیس روز بعد) بروز دوشنبہ
(بعد وفات والد ماجد خود) ہفت صبح صادق قبل از طلوع آفتاب تولد ہوئے ۵

شہنشاہ اعظم تولد ہوئے	رسول مکرم تولد ہوئے
شہزادین و دنیا تولد ہوئے	مہاراج علیا تولد ہوئے
تولد ہوئے پیشوائے جہاں	تولد ہوئے مقتدائے جہاں
تولد ہوئے سردر مسلاں	تولد ہوئے رہبر دو جہاں
تولد ہوئے رہنمائے قدیم	قسیم - جیسیم - نسیم و نسیم
تولد ہوئے بحر فیض عمیم	شفیع - مطاع نبی کریم
تولد ہوئے مہربان شرف	تولد ہوئے فخر عہد سلف

دلہ

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت
اور خاک بطئی نے کی وہ ودیت
بڑا بابا بونقیس ابر رحمت
چلے آتے تھے جسکی دیتے شہادت

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے غلیل اور نوید میا

حضور سرور کائنات فخر موجودات فتنہ شدہ اور ناف بریدہ تولد ہوئے
آنجناب کا نسب نامہ از زمانہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوہ والسلام حسب ذیل

نسب نامہ جناب سرور کائنات محمد مصطفیٰ علیہ السلام

۱- حضرت ابراہیم علیہ السلام	۲- عوام	۳- سامے
۲- حضرت اسمعیل	۵- عوض اول	۸- رزارخ
۳- قہدار	۶- مہر	۹- ناجب

۱۰- منحصر	۳۱- پلدرم	۵۲- نزار
۱۱- ابہام	۳۲- حرا	۵۳- سفر
۱۲- افتاد	۳۳- ناسل	۵۴- ایاس
۱۳- عینے	۳۴- ابی الوام	۵۵- مدیکہ
۱۴- حسان	۳۵- متساویل	۵۶- خزیمہ
۱۵- غنقا	۳۶- برد	۵۷- کفانہ
۱۶- ارعوا	۳۷- عوص دوم	۵۸- النضر
۱۷- بلخی	۳۸- سلمان اول	۵۹- مالک
۱۸- بجرے	۳۹- ابھیح	۶۰- فہر
۱۹- ہری	۴۰- اردو اول	۶۱- غالب
۲۰- یسن	۴۱- عدنان اول متقی	۶۲- لوسا
۲۱- حمران	۴۲- محمد اول مشق	۶۳- کعب
۲۲- الرعا	۴۳- حمل	۶۴- مرہ
۲۳- عبید	۴۴- نابت	۶۵- کلاب
۲۴- عنف	۴۵- سلمان دوم	۶۶- عبدمنان
۲۵- عقی	۴۶- ابھیح دوم	۶۷- ناشم
۲۶- ماحی	۴۷- الیسح	۶۸- عبدالمطلب
۲۷- ناوہ	۴۸- اردو دوم	۶۹- عبد اللہ
۲۸- فاجم	۴۹- اد	۷۰- محمد رسول اللہ صلی
۲۹- کالح	۵۰- عدنان دوم	اللہ علیہ وسلم
۳۰- بلان	۵۱- محمد ثانی	

زمانہ طفولیت آنحضرت

آپ کی ولادت کی قبیلہ قریش میں خاص مسرت ہوئی۔ بالخصوص آپ کے جد امجد عبدالمطلب کی خوشی کی تو کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ وہ پوتے کی ولادت کا شرمہ بانٹنا سنتے ہی بی بی آمنہ کے پاس آئے۔ اور مولود مسود کو دیکھ کر نہایت غمغوظ ہوئے اور آپ کو خانہ کعبہ میں لے گئے۔ وہاں خدا کا شکر ادا کرنے کے بعد آپ کے حق میں دعائے خیر مانگی۔

جب آپ کی ولادت کی خبر ثویبہ لونڈی نے آپ کے چچا ابولہب کو پہنچائی تو ابولہب نے اس لونڈی کو اسی وقت آزاد کر دیا۔ اسی خانہ زاونے آنحضرت کو ابتدا میں چند روز دودھ بھی پلایا۔ جبکہ خود ان کی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون انہیں کچھ روز دودھ پلا چکی تھیں۔

ساتویں روز بزرگ عبدالمطلب نے عقیقہ کیا۔ اور تمام خاندان کو مدعو کر کے ان کی اکل و خرب سے اعلیٰ پیمانہ پر تواضع کی۔ اور اسی وقت آپ کا نام محمد رکھا۔ جس پر قریش نے متعجب ہو کر آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے اس نام کو اپنے خاندان کے مروجہ ناموں پر کیوں ترجیح دی۔ فرمایا "میری آرزو ہے کہ یہ بچہ تمام عالم کی ستائش اور محامد کا مظہر اتم ہو" کیا یہ ندائے غیبی نہ تھی۔ جو آپ کے دادا کی زبان سے نکل رہی تھی۔ اور کیا یہ پیشینگوئی نہ تھی جس کی صداقت آج بھی اظہر من الشمس ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا اسم احمد رکھا تھا۔ کیونکہ انہیں خواب میں بشارت ہوئی تھی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ بی بی آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ فرستادہ خدا آپ کو حکم سنا تا ہے کہ اس بچہ کا نام احمد رکھنا۔

آپ کی کنیت ابوالقاسم اور اس کا مبارک میں علاوہ مذکورہ بالا ہر دو ناموں کے جو

زیادہ مشہور ہیں۔ ”مصلطاً“ بھی ایک مشہور نام ہے۔
 زبان پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے سری بالکل
 اس زمانہ میں شرفاء و متولین عرب میں رواج تھا کہ نوزائیدہ بچوں کو دہانتی
 دودھ پلانے والی عورتوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ یہ عورتیں بچوں کو اپنے اپنے
 مستقر میں لیجاتیں۔ اور ان کی ایک دو سال کی عمر ہو جانے پر لے آیا کرتی تھیں
 ان کی خدمت کا معقول سدا مضد دیا جاتا تھا۔ اس طرز عمل سے بچوں کی نشو و نما
 پر بھی خاص اثر پڑتا تھا۔ اس واسطے کہ صحت کے لحاظ سے شہر کی صاف سے
 صاف سردیہات کی آب و ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتی چنانچہ آنحضرت کی عفتا
 علیہ السلام کی خدمت بھی ایک نیک بی بی علیہ السلام کے سپرد ہوئی جس کی دلچسپ
 کیفیت خود ان کی زبانی درج کی جاتی ہے۔ وہنہذا روایت فرماتی ہیں کہ
 جب میں مکہ کی جانب اس خیال سے جا رہی تھی کہ وہاں سے کسی امیر کا بچہ
 رضاعت کے لئے لاؤں۔ تو میرا دراز گوش (دربار) تھک گیا۔ اس لئے
 میں نے راستہ میں مقام کیا۔ یہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک میوہ دار
 درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی ہوں۔ اور تمام زنان بنی سعد میرے گرد جمع ہیں۔
 اسی اثنا میں ایک خرماد درخت سے گر کر میرے منہ میں آ پڑا جس کا ذائقہ مدتوں
 میری زبان پر رہا۔ میں دوسرے دن دوشنبہ کو مکہ میں پہنچی۔ اور زنان بنی
 سعد کا قافلہ مجھ سے پیشتر ہی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اور انکی تمام عورتیں امراء و
 دولتمندوں کے بچوں کو حاصل کر چکی تھیں۔ اس واسطے مجھے کئی روز تک باوجود
 تلاش و کوشش کے کوئی بچہ میسر نہ آیا۔ جبکی وجہ سے مجھے اپنی ناکامی پر افسوس
 ہوا۔ مگر درگاہ ایزدی میں میری دعا قبول ہوئی۔ کہ دفعتاً ایک شریف عرب نے
 میرے پاس آکر دریافت کیا کہ ”کیا کوئی عورت ابھی باقی ہے۔ جو ایک بچہ کو
 لے سکے۔ میں نے ان کا نام دریافت کیا۔ جواب ملا۔ عبد المطلب سردار قریش
 ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں ایک یتیم بچہ کو دینا چاہتا ہوں۔ مگر زنان بنی سعد

اُسے قبول نہیں کرتیں۔ اور کہتی ہیں کہ یتیم کے لینے سے کیا حاصل! کیوں کیا آپ اُسے قبول کر سکتی ہیں؟ بی بی حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے اس بارہ میں اپنے شوہر سے مشورہ لیا۔ اُس نے فوراً مجھے اجازت دیدی۔ اگرچہ میرا خواہر زادہ یہی کہتا رہا کہ زنانہ بنی سعد تو اہل دول کے اطفال سے مالا مال ہوئیں۔ اور تم ایک یتیم بچہ کی کفیل بنتی ہو۔ اس میں تمہیں کیا نفع ہوگا۔ میں نے اُسے سمجھایا کہ گو کچھ یتیم ہے۔ لیکن سردار قریش عبدالمطلب اس کا دادا موجود ہے یہ کہہ کر میں عبدالمطلب کے ساتھ مکان پر پہنچی اور آمنہ خاتون سے بچہ کو لے کر قافلہ میں واپس آئی۔ اور اگلے روز قافلہ کے ہمراہ اپنے وطن کو روانہ ہوئی۔

بی بی حلیمہ سے بہت سی روایات مروی ہیں۔ جن سے حضور اقدس کے ایام طفولیت کے غیر معمولی حرکات سکناات خرق عادات حتیٰ کہ معجزات ظاہر ہوئے ہیں۔ مثلاً حلیمہ فرماتی ہیں کہ آپ کی جہانی نشوونما اور بالیدگی غیر معمولی تھی۔ چنانچہ اور بچے جیسے قدر ایک ماہ میں بڑھتے آپ اس قدر بالیدگی ایک ہفتہ میں حاصل کرتے آپ دوسرے ماہ ایسا اشارہ فرمانے لگے۔ تیسرے مہینے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور چوتھے ماہ دیوار کے سہارے چلنے لگے۔ علیٰ ہذا پانچویں چھٹے ماہ بالترتیب خرام اور نیز رفتاری کی نسبت آئی۔ اور ساتویں مہینے تو خوب دوڑے دوڑے پھرنے لگے۔ اسی طرح آٹھویں ماہ گفتگو اور نویں ماہ فصیح گفتگو فرمانے لگے۔ اور دسویں ماہ بچوں میں تیر اندازی سے کھیلتے ہوئے دیکھے گئے۔ دو برس کی عمر تک حلیمہ آپ کو دودھ پلاتی رہیں اور اس درمیان میں شہر شامی پر مکہ آکر کچھ کو اس کے بزرگوں کو دکھلاتی رہیں۔ اور تیسرے سال کے آغاز میں جبکہ رضاعت کی میعاد ختم ہوئی۔ تو آپ کو مکہ لے کر آئیں۔ اور آپ کو آپ کی والدہ کے سپرد کرنا چاہا۔ مگر آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون نے بچہ کو بچھرا نہی کے سپرد کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ ایک دو سال بعد ہم منگو الیں گے۔ شاید اس خیال سے کہ دیہات میں بچہ کی صحت بہ نسبت شہر کے اچھی رہے گی۔

شروع پر کاش مولف سوانح عمری آنحضرت کہتے ہیں۔ کہ ”معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلعم) صاحب کی والدہ بھی انھیں اوصاف کی عورت تھیں۔ جیسا کہ اکثر بڑے آدمیوں کی مائیں ہوا کرتی ہیں۔ ہم اپنے ملک میں بھی عموماً دیکھتے ہیں۔ کہ کبھی کوئی ماں اپنے بچے کی صحت کی یوں خبر گیریاں دیکھتا رہتی۔ ہمارے ملک میں بڑے آدمیوں کی بہ نسبت بچے زیادہ مرتے ہیں۔ اس کا سبب محض اُن کی ماؤں کی بے احتیاطی اور غفلت ہے۔ پس اس خیال سے جب محمد (صلعم) صاحب کی والدہ ماجدہ کے حالات پر غور کی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک دانا۔ عقلمند اور نہایت دوراندیش بی بی تھیں۔“

روایت ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم تین سال کے ہوئے۔ آپ نے ایک دن حلیمہ سے دریافت کیا۔ کہ اے مادر مہربان کیا وجہ ہے۔ کہ آج میں بھائیوں (برادر رضاعی) یعنی حلیمہ کے فرزند) کو یہاں نہیں پاتا۔ حلیمہ نے کہا۔ کہ وہ دن کو بکریاں چراتے اور رات کو مکان پر آتے ہیں۔ آپ یہ سن کر بہت روئے اور فرمایا۔ کہ کیا میں اس قابل نہیں۔ کہ یہ خدمت ادا کر سکوں۔ اگلے روز سے آپ نے برادران رضاعی کے ساتھ جانا اور بکریاں چرانا شروع کیا۔ حالانکہ حلیمہ آپ کو منع فرماتی رہیں۔ لیکن رحمت اللعالمین کی شان سے بعید تھا۔ کہ آپ اس بارہ میں متغنا فرماتے۔ پھر بکریاں چرانا اور پیغمبری کچھ لازم ملزوم سے ہو گئے تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمانہ سے لیکر بلکہ اس سے بھی پیشتر زمانہ آدم علیہ السلام سے جتنے پیغمبر گزرے۔ سب نے اس سنت کو کم و بیش ادا کیا۔ پس یہ شرط پیغمبری بھی کسی نہ کسی طرح پوری ہوئی والی تھی +

آنحضرت کے شہر سے دور دیہات میں پرورش پانے کے متعلق جناب شروع پر کاش دیوجی کا فہن ایک اور لطیف نکتہ کی جانب منعطف ہوا ہے۔ جس کو ہم آپ کی نوشتہ سوانح عمری سے مستعار لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”قریش کا قبیلہ اپنی فصاحت و بلاغت میں خاص طور پر ممتاز تھا۔ قبیلہ بنی سعد کے لوگ

دجہاں حضرت نے زندگی کے ابتدائی سال گزارے، شہر سے دور دیہات میں رہنے والے فصاحت زبان سے محض اُچھ گنوار تھے۔ آئندہ اس بات کا بیج کیوں نہ ہوگا کہ اس کے بچے کے کان سب سے پہلے گنواروں کی زبان سے مانوس و اشیا ہوں مگر اس بی بی نے اپنے بچے کے حفظِ صحت کے لئے جس طرح جانی کا مدد برداشت کیا۔ اسی طرح اس بی بی کو خوشی سے سہا نہیں۔ اس میں بھی حکمتِ خداوندی تھی۔ کہ جو شخص جو ان ہو کر کلام کا معجزانہ نمونہ پیش کرنے والا تھا۔ وہ کمپن میں یوں گنوار ہی تہذیب۔ چرواہوں میں پٹے۔

اس طرح آنحضرت نے چار سال کی عمر تک بی بی علیہ کے زیر سایہ پرورش پائی۔ بعد ازاں وہ نیک بی بی اس درمیتیم کو انکی والدہ ماجدہ بی آئندہ کے سپرد کر گئیں۔

یتیمی جب سن مبارک چھ سال کا ہوا۔ تو آپ کی والدہ کرمہ آپ کے یشرب تشریف لگیں۔ مگر بروقت مراجعت مکہ راستہ ہی میں بمقام موضع ابوالوفات پائی۔ اور اس طرح جناب کو کامل یتیمی کی آرائش میں ڈالا گیا۔ تاکہ ان مصائب کو عملی طور پر محسوس کر سکیں۔ اور ان کا بخوبی تجربہ کر لیں جو مخلوق خدا کے اس حصہ پر وارد و سادہ ہوتے ہیں۔ اور آئندہ کا چارہ کار سوچ سکیں۔

عبدالطلب کی والدہ کے وفات پانے کے بعد آپ کے سر پر آپ کے جد بزرگوار سرپرستی عبدالطلب نے دستِ شفقت رکھا مگر چونکہ آپ پختہ عمر تک پہنچ چکے تھے۔ اور آپ کو سفر آخرت کا خیال ہو گیا تھا۔ اور اپنے آپ کو خورشید لب بام سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنی حیات میں ہی اس امر کا تصفیہ کر دینا چاہا۔ کہ میرے بعد اس درمیتیم کی پرورش کا بار کون لے گا۔ چنانچہ آپ نے اس معاملہ کو اپنے تمام خاندان کے روبرو پیش کیا۔ اور بہت سے لوگ اس نعمتِ عظمیٰ کے خواہاں ہو گئے۔ ابولہب نے کہا۔ میں بجانِ دول اس مزدنی پرورش کے لئے حاضر ہوں۔ بزرگ عبدالطلب نے جواب دیا۔ کہ اگرچہ تم مال و

دولت بہت رکھتے ہو لیکن اس قدر نرم اور گداز دل نہیں رکھتے کہ یتیمی کی تکالیف کا احساس کر سکے۔ مگر زندانِ یتیم زخمِ بدل خوردہ شکستہ خاطر اور نازک مزاج ہوتے ہیں۔ وہ فزہ بابر غم کے بھی متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس واسطے ممکن ہے کہ تمہارے کسی عمل سے یہ یتیم آزدہ خاطر ہو جائے ؟

اس کے بعد حضرت کے چچا حمزہؓ نے درخواست کی۔ جواب ملا کہ تم کوئی فرزند نہیں رکھتے۔ اس لئے در یتیمی کا احساس نہیں کر سکتے۔ اب حضرت عباسؓ کی باری آئی۔ تو عبدالمطلب نے فرمایا: تمہارے اپنے عیال و اطفال بفضلِ خدا کثیر ہیں۔ تم اس یتیم کی خبر گیری کس طرح کر سکتے ہو۔ اپنے بچوں کے سامنے اس فرزند بے پدر کا خیال کیونکر رہ سکتا ہے۔

ابوطالب کی خوش قسمتی

ان لوگوں کو صاف جواب ملنے کے بعد حضرت ابوطالب نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ میں نہ سراپا رکھتا ہوں نہ مال و دولت تاہم اگر خدایا مجھے اس خدمت کا اہل خیال فرمائیں۔ تو میں بدل و جان حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا بیشک میں سمجھتا ہوں۔ کہ تم اس کام کو بخوبی انجام دو گے۔ لیکن میں اس معاملہ کو خود دعا علیہ پر چھوڑنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے آنحضرتؐ کو جو اس وقت آٹھ سال کی عمر تک پہنچ چکے تھے۔ طلبِ فزاکر ارشاد فرمایا کہ اے عزیز مجھے سفرِ آخرت ہمیش ہے۔ یہ تمہارے بزرگ تمہاری پرورش کا بار اپنے سر پر لینا چاہتے ہیں۔

پس تم ان میں سے کس کو پسند کرتے ہو۔ یہ سنکر آپ مسکراتے ہوئے حضرت ابوطالبؓ کے زانو پر جا بیٹھے۔ گویا آپ نے انھیں بزرگ کو منتخب کیا۔ اس وقت حضرت عبدالمطلبؓ آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ اے ابوطالب! اس فرزندِ دلہند نے نہ تربیتِ پدر کی چاشنی چکھی نہ مہرِ مادری کی ملاوت پائی۔ اس لئے تو اس کی غم خواری اور ولداری میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھو۔ ابوطالب آنحضرتؐ صلعم کے حقیقی چچا تھے۔ یعنی آپ کے پدر بزرگ حضرت عبد اللہؐ کے حقیقی بھائی تھے۔

وفاتِ عبدالمطلب | اس انتظارِ ام کے چند روز بعد بزرگ عبدالمطلب نے باون سال

کی عمر میں رحلت فرمائی۔ شروہ پر کاش دیوہی لکھتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے باپ کی شفقت بھری آنکھیں نہ دیکھی ہوں۔ جو کنار عاطفت پدری میں آسام سے سرکہ کر نہ سویا ہو جس نے پیارے باپ کی صورت تک نہ دیکھی ہو۔ جو عہد غوردی (طفلی) میں ہی اپنی ماں کی پیاری اور من موہنی محبت سے محروم کیا گیا ہو۔ اور جو اس عمر میں کہ جب بچے اپنے والدین کے لاڈ پیار کا لطف اٹھاتے اور بچپن کی انگلی میں ہر قسم کے کھیل کود میں شریک ہوتے ہیں۔ افسردہ اور پژمردہ ہو کر رہ گیا ہو وہ ٹینوں کے کھلائے ہوئے دلوں اور لاوارثوں کی بیکسی کو خوب سمجھتا ہے۔

مرابا شد از درد طفلان خبر کہ در طفلی از سرگند شستم پر
پھر لکھتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ کو ان پران مصیبتوں کے ڈالنے سے یہ منظور تھا کہ ان کے فراج میں اعلیٰ درجہ کا علم۔ صبر اور رحم پیدا ہو جائے۔ اور وہ اس بہرہ ریزی بر باری اور غمخواری سے اپنے ہم وطنوں کو چاہ کر اہی سے باہر نکالیں۔
بزرگ ابوطالب نے آنحضرت کی خوب غور و پرداخت کی۔ اور ان کی دلجوئی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ ہونے دیا حضرت کو بھی اپنے مہربان چچا کے ساتھ غیر معمولی اُنسیت ہو گئی تھی جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے۔ کہ جب ابوطالب **سفر شام** کو سفر مصر و شام پیش آیا۔ اور آپ رخت سفر باندہ چکے۔ تو حضرت کو بھی پتہ لگا۔ آپ چچا کی مانگوں سے چمٹ گئے۔ اور التجا کی کہ آپ مجھے بھی ہمراہ لے چلیے۔ چونکہ خود ابوطالب کو آپ کی مفارقت شاق تھی۔ لہذا آپ کا ہمراہ جانا ہی طے ہوا۔ اس وقت سن مبارک بارہ سال کا تھا۔ الغرض دونوں چچا بھتیجے قافلہ کے ہمراہ شام کو چلے گئے۔

جب وہ قافلہ جس کے ساتھ حضرت سفر شام کر رہے تھے بصرہ پہنچا۔ تو وہاں ایک راہب پیکرہ نامی نے حضرت سے گفتگو کی۔ جس سے وہ بہت حیران ہوا۔ اور اس سے متاثر ہو کر ابوطالب کو آپ کی خبر گیری کے متعلق خاص طور پر ہدایت کی۔ اور بیان کیا کہ یہ ہونہار بچہ نبی ہو گا۔ اور عرب سے (بلکہ دنیا سے)

بت پرستی کی بیخ و بنیا د اکھاڑ کر پھینک دے گا۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ اسے یہودیوں کے سایہ سے دور رکھیں۔ مبادا وہ لوگ اسے ایذا پہنچائیں۔
 ماہب سے گفتگو: دوسری روایت میں وارد ہے کہ بحیرہ نے یہ بھی کہا تھا کہ یہی وہ پیغمبر ہے جس کے آنے کی خبر مسیح ابن مریم نے دی تھی۔ اور بیشک یہ خدا کا رسول اور خاتم النبیین ہو گا۔

حضرت مسیح کی بشارت کے الفاظ جس کا حوالہ بحیرہ نے دیا حسب ذیل ہیں۔
 ”وہ روح راستی جو نقصان سے خالی ہے، وہ کامل تعلیم لائے گا۔ اور لوگوں کو نئی باتوں کی خبر دے گا۔ اس کا نام فارقلیط یعنی محمد یا احمد ہے۔ وہ فاران سے آئے گا۔“

اس کے متعلق جان ڈیون پورٹ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فارقلیط جس کی خبر عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے انجیل یوحنا میں دی ہے۔ محمد (صلعم) ہیں۔ اور یہی بشارت موسیٰ کے مشاۃ الیہ ہیں، لکھا ہے کہ بحیرہ سے یہ معلوم کر کے آپ کے چچا نے آپ کی حفاظت کے متعلق خاص اہتمام کر دیا تھا۔ اور شاید آپ نے اسی بات متاثر ہو کر آپ کو بصرہ سے مکہ واپس کر دیا تھا۔

الغرض اس مختصر مگر نتیجہ خیز سفر سے خدائے تعالیٰ نے اپنے اس برگزیدہ بندہ کو جس سے وہ ایک ایسا اہم کام لینے والا تھا۔ جو نہ اس سے پیشتر کسی سے لیا گیا تھا۔ نہ آئندہ لیا جائے گا۔ اس اہم خدمت کے لئے تیار کرنے کی غرض سے باقی تمام اقوام عالم کے حالات و خصائص بھی مشاہدہ کرائے تاکہ اس پیغمبر کو نتیجہ اوہ مشاہدہ صرف عرب تک محدود نہ رہے۔ بلکہ آپ کے آئندہ ظہور میں آنے والی عالمگیر رسالت کی مانند عالمگیر ہو۔

اس موقع پر ناظرین سوانح عمری کو یہ بتا دینا بے محل نہ ہو گا کہ اس زمانہ میں شام کا وہ درجہ تھا جو آج جزائر برطانیہ کا ہے۔ چنانچہ جس طرح آج یہ خطہ اہل ایمان و مرجع مسکوں کا مرجع بن رہا ہے۔ اور دنیا کا کئی ایسا خطہ نہیں کہ جہاں کے اردل

سے لے کر اشرف ترین باشندوں کا نمونہ دیا نہ ملے۔ بالکل یہی حالت اسوقت
شام کی تھی +

اسوقت گویا شہر بصرہ جو حجاز میں واقع ہے۔ شام کا دروازہ تھا۔ جس میں
یورپین تجارت سے لے کر ترکستان۔ ہندوستان۔ اور چین تک کے تجارت اور سیاحوں
کا مجمع رہتا تھا +

پیغمبر کا میدان جنگ کا نظارہ کرنا
مصر و شام سے واپس آنے کے چند روز بعد عرب کے قبائل قیس
دکنانہ میں جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ تباہ عرب میں حرب البقار

کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ اس میں ابوطالب شریک ہوئے۔ جن کی محبت میں
آنحضرت بھی موقع پر تشریف لائے۔ اور تماشائے جدال و قتال دیکھا۔ اسوقت بن
سبارک چودہ سال کے قریب تھا۔ اور چونکہ قریش بنی کنانہ کے طرفدار تھے۔ اسوجہ
سے آنحضرت کے چچا ابوطالب اور دیگر سرداران قریش نے اس میں حصہ لیا تھا۔
شروع سے پرکاش جی نے جو لکھا ہے۔ کہ یہ جنگ قریش اور سہوازان میں واقع ہوئی
تھی۔ غالباً اُن کو مغالطہ ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ چونکہ
سرداران قریش اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ اس لئے آپ نے انھیں
جنگ کا ایک فریق قرار دیا۔ حالانکہ سرداران قریش اصل فریق جنگ نہ تھے۔ بلکہ
وہ ایک فریق جنگ (بنی کنانہ) کے دوست اور مددگار تھے۔ اور باہمی عہد نامہ کی
رو سے ایسے موقع پر اُن کا مدد کرنا ضروری تھا +

آنحضرت کی عمر میں یہ پہلا موقع تھا۔ کہ آپ نے ایک قوم کو دوسری قوم کے
باحتساب تباہ ہوتے اور سبھی آدم کو شمشیر و تبر سے مولیٰ گاجر کی مانند کٹتے دیکھا جس
سے اگرچہ ایک جانب آپ کی شان رحمت للعالملین۔ طبعی رحمتی۔ حب قومی کو
غیر سمجھولی تھیں لگی۔ تاہم دوسری جانب جناب کونکات جنگ۔ فنون و فغا اور
طریق صف آرائی اور متعلقات جنگ کے معائنہ کا موقع ملا۔ اور یہ سبھی حکمت
مذاہندی تھی کیونکہ زمانہ خواہ کتنی ہی ترقی کرے۔ تہذیب و اخلاق خواہ کسی

سراج تک پہنچ جائے۔ مگر جب تک انسان کی میراث قائم ہے (اور غالباً اہم تک قائم رہے گی) جنگ بھی ضروریات زندگی میں سے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ اور ان کو اس سے مفر نہیں۔ پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ جناب باری ایک ایسے شخص کو جو غریب کامل رہبر کی حیثیت سے بنی نوع کی خدمت بجا لانا عیلا تھا۔ اس شوق کے دیکھنے کا موقع دے کر اس سے مس پیدا نہ کرتا۔ مگر اس کے ساتھ الہامین کی حکمت بالذیہ تھی۔ کہ اُس نے آنحضرت کے دل سے محبت اور ہمدردی کا پہلو بھی جدا نہ ہونے دیا۔

اس زمانہ میں کہا جاتا ہے۔ کہ قومیں تہذیب و اخلاق میں ترقی کر رہی ہیں۔ سوال یہ ہے۔ کیا اس ترقی سے جنگ و جدال کا خاتمہ ہو گیا۔ یا کم از کم اس میں تنزل آگیا۔ یہ واقعات کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ اخلاقی اور تہذیبی ترقی کے پہلو بہ پہلو قوموں کو تباہ کرنے اور بنی نوع انسان کا استیصال کرنے کا نیا نیا سامان ایجاد ہوتا ہے۔ اور خوفناک صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ چنانچہ تباہ کن کشتیاں پچھٹے والے بسبب کے گولے۔ فی منٹ کئی سو فیئر نیپالی توپیں۔ جتنی کہ ہوائی جہاز ایسے پر امن زمانہ کی جگہ ایجادیں ہیں۔ یہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ ان کا وجود بنی آدم کے حق میں کس قدر مبارک ہو سکتا۔ اور ترقی تہذیب کی اشاعت میں کس قدر حصہ لے سکتا ہے۔

اب آپ نے عالم شباب میں قدم رکھا۔ جن لوگوں کا آپ سے معاملہ پڑا ان پر بخوبی ثابت ہو گیا۔ کہ آپ اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ ترین خصائل انسانی کے نمونہ ہیں۔ حضرت السنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ اس بیچارہ کا جسم مثلے مجنوں کے کانپ رہا تھا۔ آپ نے اس کی سبب پوچھی۔ و تشفی فرمائی۔ اور فرمایا کہ تو جانتا ہے کہ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ بلکہ قریش کی اس بیوہ کا لڑکا ہوں۔ جو خشک گوشت پر رہ کر تپتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت نے فرمایا۔ بیان کرتی رہی کیا حاجت ہے۔ اور جب اس نے اپنا مطلب

عرض کیا۔ تو آپ نے اُس کا سوال پورا کر دیا۔ اور حاضرین سے خطاب فرمایا کہ۔
 ”اے لوگو! تم تواضع اختیار کرو۔ کوئی شخص کسی پر فوقیت نہ دھونڈھے اور نہ غر
 کرے۔ کیونکہ تم سب خدا کے بندے ہو۔ پس اہم بھائی بھائی بن جاؤ۔“

یہ واقعہ شاید آپ کے منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد کا ہے۔ لیکن
 قوم کی جانب سے ابتدائی زمانہ سے ہی آپ کے اوصاف حمیدہ اور اطوار پسندیدہ
 خطاب الایمن سے عرب کا دل سخر ہو چکا تھا۔ اور حسن معاملات نے آپ کو آپ کے

اہل شہر سے ”الامین“ اور ”الصادق“ کے خطاب دلانے لگے۔

شرم دہیا۔ مروت۔ معافی۔ درگزر۔ پاس مراتب۔ تواضع کے تو گویا
 بی بی خدیجہ آپ مجسم نمونہ تھے۔ بیس بائیس سال کی عمر میں آپ نے تجارت کی

جانب خیال رجوع فرمایا۔ اور اسی تقریب سے آپ نے اطراف بین میں کئی سفر
 کئے۔ جس سے معمولی فوائد کے علاوہ ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دل پر آپ

کی نیک نیتی۔ راستبازی۔ اور صداقت کا غیر معمولی اثر پڑا جو کہ بالا خطابات کی
 توثیق کا باعث ہوا۔ اندون قبیلہ قریش میں ایک بیوہ مگر مالدار بی بی خدیجہ نامی تھیں۔ وہ اپنا

سر پایہ تجارت پر لگانا چاہتی تھیں۔ پس جب انھوں نے آنحضرت کی دیانت و
 امانت کا ذکر سنا۔ تو آپ کو طلب فرما کر آمادہ کیا کہ اس کے روپیہ سے مال خرید کر

تجارت کریں۔ آپ نے اس بارہ میں اپنے بزرگ چچا ابوطالب سے مشورہ کیا۔
 اور آخر آپ سامان سفر تیار کر کے جب ساحل حجاز روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ بھی آپ نے

بصرہ تک سفر کیا۔ اور تجارت میں اس قدر نفع حاصل کیا کہ بی بی خدیجہ کو
 اتنا نفع کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ بی بی آپ کی خدمات سے بہت خوش ہوئیں۔ اور

آپ کے حسب و نسب کی مزید تفتیش کر کے آپ کو پیغام نکاح دیا۔ بالآخر یقین
 کی باہمی رضامندی سے شادی ہو گئی۔ دو ماہ بعد حضرت کے قبیلہ کو

حضرت خدیجہ سے نکاح عظیم اثنان دعوت دی۔ اس وقت بی بی خدیجہ کی عمر چالیس
 کی اور حضرت کی پچیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ پندرہ سولہ سال تک زندہ رہیں

اور اس زمانہ میں اطاعت گزاری بیوی ثابت ہوئیں۔ ہر امر میں حضرت کی رضائے خاطرہ نظر رکھی۔ شادی سے تھوڑے عرصہ بعد ہی حضرت کی رضامندی والدہ علیہ السلام تشریف لائیں۔ اور اپنی ناداری کا تذکرہ کیا۔ بی بی خدیجہ نے حضرت کے ایما سے اُن کو چالیس پھیڑیں عطا کیں جنہیں وہ لے کر دعائیں دیتی اپنے گاؤں کو واپس گئیں۔ حضرت کو بھی آپ سے خاص اُنسیت تھی۔ جس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے۔ کہ جب تک آپ حیات رہیں۔ حضرت نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ اور آپ کی ایثار نفسی۔ محبت اور وفاداری کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے۔ بلکہ اس نیک بی بی کی وفات کے بعد بھی دفعتاً حضرت ان محبت کو فراموش نہ کر سکے۔ چنانچہ روایت میں وارد ہے۔ کہ جب آنحضرتؐ نے عائشہؓ بنت ابوبکر سے نکاح کیا (جس کی تفصیل آئندہ آئے گی) تو اس کے کچھ عرصہ بعد جب آپ اپنی مرحومہ وفادار بیوی خدیجہ کو یاد کر رہے تھے۔ تو بی بی عائشہ نے متعجب ہو کر آپ سے سوال کیا ”یا رسول اللہ! کیا خدیجہ بڑھی نہ تھیں۔ اور کیا اب اللہ نے آپ کو اس کا نعم البدل ایک بہتر بیوی کی صورت میں نہیں دیدیا؟“ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ بیشک مجھے نعم البدل مل گیا۔ لیکن آہ خدیجہ وہ بی بی تھی جس نے مجھ سے اُس وقت شادی کی جب میں بہ اسباب ظاہری امیر نہ تھا۔ اور جب سب لوگ مجھے جھوٹا کہتے تھے۔ اس نے مجھے سچا سمجھا۔ جب کل عرب میرے خلاف تھے۔ تو خدیجہ نے میرا ساتھ دیا۔ پھر اس کی یاد و فتنہ کیونکر میرے دل سے فراموش ہو سکتی ہے؟“

آنحضرتؐ کے بی بی خدیجہ کے بطن سے پانچ اولاد ہوئیں۔

حضرت خدیجہ سے اولاد

چار لڑکیاں۔ رقیہ۔ زینب۔ فاطمہ۔ ام کلثوم۔ ان میں سے اول الذکر بی بی حضرت عثمانؓ ابن عفان خلیفہ ثالث سے منسوب ہوئیں۔ اور بی بی زینب ابوالعاصؓ سے بیاہی گئیں۔ اسی طرح بی بی فاطمہؓ حضرت علیؓ خلیفہ چہارم کی چاہتی بیوی بنیں۔

اب تک جو کچھ حالات معرض تحریر میں آئے۔ اگرچہ ان میں سے بعض خاص بہت بھی رکھتے ہیں۔ اور اپنے ہیر و کو عمو میت کی زندگی سے ممتاز دکھاتے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے۔ کہ وہ آئندہ بیان ہونیوالے حالات کے ساتھ مقابلہ کرنے سے جو آئندہ ابواب میں درج ہونگے۔ محض معمولی نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اگر وہ اہم معاملات پیش نہ آتے۔ تو ان ابتدائی حالات کی کچھ وقت نہ ہوتی۔ بہر حال اب اہم معاملات کی تفصیل کا موقع آگیا ہے۔

باب چہارم

اب وہ وقت آگیا۔ کہ آنحضرت پورے طور پر بنی نوع انسان کی بہبودی ملک کی بد حالی کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے اول اول اکثر قبائل کے پر توجہ دلانا۔ سرداروں اور سمجھدار لوگوں کو ملک کی عام ناگفتہ بہ حالت پر توجہ دلائی۔ پدانی۔ راستوں کی خطرناکی۔ ڈاکوؤں کی غارت گری۔ مسافروں کے لئے کھٹے غریبوں پر ظلم ہونے۔ ظالموں کی زیادتی۔ عورات کی کس مہر سی۔ اور خطرناک آزادیاں وغیرہ امور کو قابل اصلاح قرار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی وقت ایک انجن مرتب ہوئی۔ جس میں بنو ہاشم بنو المطلب۔ بنو زہرہ (حب و نسب آنحضرت) اور بنو سعد و بنو تمیم شامل تھے۔ اس جماعت کا نام ابو الفضل قرار پایا جس کی وجہ تسمیہ بظاہر تو یہی تھی۔ کہ اس میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے۔ لیکن چونکہ یہ انجن کام کچھ بھی نہ کر سکی۔ اور اتنا بھی نہ کر سکی جتنا آنحضرت کی شخصیت نے بعد کے زمانے میں کیا۔ اور اپنے کارناموں سے دنیا کو دنگ بنایا۔ اور اس طرح اس انجن کے بانیوں کے قول کے مطابق ابو الفضل یعنی کار فضل ثابت ہوئی۔ اس واسطے یہاں سے یہ نکتہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ کو یہ دکھانا

منظور تھا کہ جو کام ایک جماعت نہیں کر سکتی۔ اگر میں چاہوں تو ایک بندہ واحد کے ماتھے سے کر سکتا ہوں۔

اس انجمن نے اپنے مقاصد حسب ذیل قرار دیئے تھے:-

۱۔ یہ انجمن ملک سے بد چلتی اور بے امنی دور کرے گی۔

۲۔ مسافروں کی حفاظت کرے گی۔

۳۔ غریبوں کی امداد و حمایت کرے گی۔

۴۔ ظالم کو مظلوم پر رست ظلم دراز کرنے سے روکے گی۔

یہ انجمن اس زمانہ میں مترتب کی گئی تھی جبکہ آنحضرت خلعت نبوت سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔ اور اگرچہ یہ کچھ ایسی بھولی بھولی نہیں تاہم اس کا نام ضرور قائم رہا۔ چنانچہ خود آنحضرت اپنے زمانہ نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر اب سبھی اس کے نام سے کوئی امداد طلب کرے۔ تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا۔ جن حضرات کی تاریخ انگلینڈ پر نظر ہے۔ ان کو یہ امر اس وقت فراموش نہ کر دینا چاہئے کہ انگلستان میں ناٹ ہڈ کا آڈر جس کے ممبر تقریباً اسی قسم کے اقرار کیا کرتے تھے۔ اس انجمن سے صدیوں بعد قائم ہوا۔

اسی قسم کی آپ کی مکمل بھلائی کی ایک وہ تحریک اور کوشش تھی۔ جس میں آپ نے ایک پورے عہد کو تروتازہ کرایا جس کی رو سے حرم کی چار دیواری کے اندر نکل کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ کیسا ہی مجرم مگر اس کے اندر پناہ گیر ہو جاتا۔ تو اس کے قتل کرنے کی کسی کو مجال نہ تھی۔ اب اس کی کسی قدر توسیع کی گئی۔ اور آپ کی سعی سے چار اور قبیلہ بھی شامل ہو گئے۔

نہج حرامی اور ملک کی حفاظت ان ایام میں ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ عثمان ابن حارث نامی ایک عرب عیسائی ہو گیا۔ اور یونانیوں کے اثر میں آکر اس نے ایک ایسی انقلاب انگیز سازش کی۔ کہ اگر وہ پوری ہو جاتی۔ تو عرب کی قدیم آزادی کا جس پر عرب بڑا ناز کرتے ہیں۔ خون ہو جاتا۔ مگر خیر ہوئی کہ اس

شخص کی قوم اور ملک فروشی کا راز طشت از بام ہو گیا۔ اور وقت پر الملاح
موجہانے سے ملک کے غیر ملک والوں کے ہاتھ سے بچانے کا انتظام ہو گیا۔
اس ملکی آزادی رکھنے میں آنحضرت نے جو کوشش کی وہ تاریخ عرب میں
خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اور آپ کی عمر کا ایک ابتدائی مگر اہم کار نمایاں شمار
ہوتا ہے +

ابن حارث کی حریفانہ کوشش کے بعد اہل مکہ میں ایک نیا جھگڑا اٹھا جسے
اگر آنحضرت بغوش اسلوبی طے نہ کرتے۔ تو شاید ایک ایسی جنگ چھڑ جاتی۔
جس میں کئی قبیلے قتل و غارت ہوتے۔ اور صدیوں تک نہ منمٹی۔ اس اجمال
کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اہل عرب کا قدیم معبود جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعمیر کیا تھا۔
اور جو اب حرم کعبہ یا بیت اللہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور جو اپنی تعمیر کے زمانہ
سے آج کے دن تک قابل احترام سمجھا جاتا رہا ہے۔ بوجہ آتش زدگی اور سیلاب
کے منہدم ہو گیا تھا۔ اور اب اسے قریش از سر نو بنانا چاہتے تھے۔ عمارت تو
بن چکی تھی۔ مگر سنگ اسود لگانا باقی تھا یہ وہ سیاہ پتھر تھا جس کو حضرت ابراہیم
علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھ سے نصب کیا تھا۔ اور اب عرب کا ہر ایک
قبیلہ یہی کوشش کرتا تھا کہ اس پتھر کو نصب کرنے کی سعادت اور عزت اسی کو
حاصل ہو۔ یہی بناء محاصرت تھی۔ آخر بہت بڑے رد و کد کے بعد ابولہب بن
مغیرہ کی تجویز سے یہ طے پایا کہ اگلے روز علی الصباح جو شخص
سب سے پہلے اس راستہ سے آئے۔ اسی کے حکم کے مطابق

بیغیر بحیثیت منصف

عمل کیا جائے +

اگلے روز سب سے پہلے حرم میں داخل ہو نوا لے آنحضرت تھے۔ آپ کو دیکھ کر
تمام حاضرین نے غلغلہ شادمانی بلند کیا۔ اور متفق الاواز ہو کر کہا ”ہذا الامین رضی اللہ
عنه“ یہ تو امین ہے۔ ہم اس کے فیصلہ سے خوش ہونگے (غرض معاملہ آپ کے سامنے

پیش ہوا آپ نے غور کے بعد اپنی رائے کا اظہار اس طرح فرمایا کہ سنگ اسود کو
اول ایک چادر میں رکھا جائے پھر اس چادر کو ہر قبیلہ کا سردار پکڑ کر اس ہتھام
میں لے چلے جہاں کہ پتھر نصب کیا جاتا ہے۔ وہاں میں (حضرت) خاص موقع
پر رکھ دوں۔ اس فیصلہ سے تمام قبیلے خوش ہو گئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور ایک
ایک اہم معاملہ جو عرصہ سے طے ہونے میں نہ آتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی رائے
سے ذرا کمی ذرا میں فیصلہ ہو گیا۔

اس واقعہ سے بعض عیسائی مورخین حضرت پر (نعمو ذی اللہ) خود غرضی کا الزام لگاتے
ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کارروائی سے حضرت کا مقصد یہ تھا کہ ان کے ہاتھ سے
سنگ اسود نصب ہو۔ اس وقت سن شریف پینتیس سال کا تھا۔ لیکن معمولی عقل کا
آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے معترض کا جہالت نہ تعصب اس زمانہ کے اعراب
سے بھی بڑا ہوا ہے۔ مایوسا سطلے یہ خود غرضانہ پہلو ان کو نظر آ گیا۔ اور اعراب کو
نہ آیا۔ کاش یہ مہذب اور مساوات پسند دنیا کے ستارے ہیں بتاتے کہ آخر اس
وقت اس قضیہ اعرابیہ کے فیصلہ کی اور کیا آسان صورت تھی۔ مگر اس کے جواب
میں خاموش ہیں۔ سچ ہے کہ اعتراض کر دینا آسان ہے۔ اور اس کو نباہنا مشکل
یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت کی حرکات و سکنات میں غیر معمولی تغیر ہو رہا تھا مگر
وہ ایک وقت اپنے خدائے مطلق اور واحد کی عبادت میں مصروف پائے جاتے

تھے۔ تو دوسرے وقت ضروری تھا کہ اپنے ملک اور قوم کی اصلاح کی صورتوں
پر غور فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اپنی مختصر تاجرانہ سیاحتوں میں ملک کی حالت سے
بالعموم باخبر ہو چکے تھے۔ آپ تنہائی پسند اور غلبت دوست ہو گئے تھے۔ اکثر ایسا
ہوتا کہ آپ ستوں۔ یا خشک چھوڑے اور پانی شہر سے لیا کر آبادی سے دور فرار
رہیں مستکف ہوتے۔ اور عبادت و مراقبہ فرماتے۔ اور جب تک

اعتکاف یا گوشہ نشینی

آپ کا مختصر توشہ ختم ہو جاتا۔ باہر تشریف نہ لاتے۔ اگر اٹھنا
کوئی بھولا بھٹکا کھاسا فرادہ آ جاتا۔ تو ماہر سے اس کی تواضع فرماتے۔ اور اٹھ

کی رہنمائی کرتے +

اس زمانہ میں عام قاعدہ تھا۔ اور عرصہ تک جاری رہا کہ جو لوگ لڑائی

زید کی آزادی

میں گرفتار کئے جاتے تھے۔ انہیں غلام بنالیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک شخص زید بن حارثہ گرفتار ہو کر ہندوسہج حضرت خدیجہ کے بھتیجے کے قبضہ میں آیا۔ مگر سعادتمند بھتیجے نے اسے پھوپھی کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر آنحضرت کے دل میں ہمدردی انسانی کا جوش اٹھا۔ اور آپ نے زید کو اپنی بیوی سے لیکر آزاد کر دیا۔ اور کہہ دیا۔ کہ جہاں اس کا دل چاہے۔ جائے۔

انہیں ایام میں اس کا باپ حارثہ بھی خدیجہ لے کر آگیا۔ تاکہ اسے رہا کر آئے۔ کیونکہ اسے اس کی آزادی کی خبر نہ ملی تھی۔ جب آکر معلوم کیا۔ تو بیٹے کو آزاد پایا۔ بہت خوش ہوا۔ اور اپنے ہمراہ چلنے کو کہا۔ مگر زید تو آنحضرت کے اخلاق

حسنی سے تسخیر ہو چکا تھا۔ باپ کے اصرار کے باوجود بھی وطن جانے سے انکار کر دیا۔ اور آنحضرت کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی۔

غلام سے سلوک

آنحضرت نے زید کو نہ صرف نعمت آزادی سے شرف فرمایا۔ بلکہ اس کے ساتھ غیر معمولی سلوک کئے۔ از انجملہ اس کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن زینب سے کرادی۔ جو حبشیہ و حبیلہ ہونے کے علاوہ عرب کے شریف و نجیب خاندان کی خاتون تھیں +

اس سوانح عمری کے پڑھنے والوں کو یہاں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ دنیا بھر میں غلامی اور بردہ فروشی کی رسم جاری تھی۔ اور اس سے بہت عرصہ بعد کہیں پندرہویں صدی میں جا کر یورپ میں غلاموں کو آزادی دی گئی۔ اس واسطے ایک غیر مسلم سانچہ نگار کے اس قول میں ذرا سبالتو نہیں کہ اس واقعہ سے حضرت نے ہمدردی بنی نوع انسان کا ایک پورا پورا نمونہ نہ صرف اپنے اہل وطن بلکہ کل دنیا کو دکھایا +

بعض لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے غلامی کے انسداد میں

حصہ نہ لیا۔ بلکہ اس کی ترویج میں مدد دی ہے۔ کاش ایسے لوگوں کو یہ معلوم ہوتا۔ کہ اسلام میں غلام اور آقا میں کیا امتیاز تھا۔ اور ان کے حقوق و فرائض کیا مقرر تھے فی الحقیقت اصلی مساوات اس وقت غلام اور آقا میں تھی۔ اگر ایک اونٹ سواری کے لئے ہوتا۔ تو اُسے آدھے راستہ آقا استعمال کرتا اور آدھے راستہ غلام اور اگر ایک وقت غلام اونٹ کی مہار پکڑے ہے۔ تو دوسرے وقت آقا۔ یہ کہنے کی باتیں نہیں۔ یہ ایسی تعلیم تھی کہ نہ بائیں کلمے پر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دے جس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ بلکہ اس کی ہر مسلمان عملاً پابندی کرتا تھا۔ خود حضرت عمرؓ خلیفہ مخوم کو لوگوں نے اونٹ کی تکمیل پکڑے ہوئے دیکھا ہے جبکہ اونٹ پر غلام سوار تھا۔ کیا ایسی غلامی پر سہارا زادیاں فرمان نہیں ہو سکتی اس زمانہ میں جو آزادی اور تہذیب کا زمانہ بتایا جاتا ہے۔ دیکھو مادہ پرستی نے کیسی مدافصل بنی نوع انسان کے درمیان قائم کر دی ہے۔ اُمرا چاہتے ہیں کہ غربا محنت کریں پچھلے کپڑے پہنیں بھکی وٹیاں کھائیں۔ انکی راحت سانی کیلئے اور وہ بیٹھے دیکھا کریں۔ انہوں نے بالخصوص یورپ تہذیب و مساوات کے دعوے کرتا ہوا ان حالات میں مبتلا ہے۔ اگرچہ زبان سے آزادی، مساوات کے الفاظ جاری ہیں۔ لیکن عملاً کچھ بھی نہیں۔ ہاتھی کے دانت دکھانے کے آؤز اور کھانے کے اور ہیں +

الغرض جب سن شریف چالیس سال کا ہوا۔ تو حضرت کی عابدانہ اور صوفیانہ مصروفیت بہت زیادہ ہوئی۔ اس زمانہ میں آپ اکثر خاموش رہتے اور اپنے ملک و قوم کی حالت پر آبدیدہ دیکھے گئے۔ ان دنوں آپ کا زیادہ وقت بارگاہ الہیہ میں دعائیں اور التجائیں کرتے گزرنا تھا۔ اسی اثنا میں وہ وقت آگیا۔ کہ حضرت خلت نبوت سے مشرف ہوئے۔ انعام الہی کا دریا جوش میں آیا۔ آپ نے بعض غیر معمولی علامات دیکھیں۔ اور غیب کی آوازیں سنیں۔ جن کے ذریعہ آپ کو بشارت دی گئی۔ کہ آپ عہدہ نبوت پر منجانب اللہ امور کئے گئے۔ آپ کو

یقین ہو گیا کہ خدائے ارض و سموات اپنی وہ امانت جو اس سے پیشتر ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ کے سپرد کی جا چکی تھی، اب آپ کے سپرد کر رہا ہے۔ اس وقت اہل عرب جس ذلیل حالت میں مبتلا تھے، اس نے اور بھی آپ کو اس کا یقین دلایا تھا۔ کیونکہ یہ ایشیائی ہے۔ کہ جب کسی قوم کی ذلت آخر درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ تو ان کی رہبری کے لئے آخر کوئی پیغمبر مامور کیا جاتا ہے۔ علاوہ بریں خود حضرت کے حالات یہ تھے۔ کہ اکثر خواب و بیداری میں غیبی آوازیں سنا کرتے اور دونوں حالتوں میں غیر معمولی مشاہدات اور رویائے صادقہ ملاحظہ فرمایا کرتے۔ آپ کے خواب بالکل سچے نکلتے۔ آخر سن مبارک کے چالیسویں سال کے اختتام پر ایک زور جبکہ آپ غار حرا میں تشریف رکھتے تھے، اور مراقبہ مجاہدہ میں مصروف تھے۔ گوش مبارک میں صدا آئی۔ کہ کوئی کہتا ہے۔ کہ محمدؐ پڑھ۔ جس کا آپ نے جواب دیا۔ کہ میں ناخواندہ ہوں کس طرح پڑھوں پھر آواز آئی پڑھ خدا کے نام سے یعنی سورہ اقراء آپ پر نازل ہوئی۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي
اِبْتَدَأَ دَہی خلق - خلق الانسان
پڑھ! ب نام خدا کے جس نے پیدا کیا انسان کو پانی کے کیڑے سے۔ پڑھ! اور تیرا پروردگار
مَنْ عَلَّمَ الْقُرْآنَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِي
سن خلق - اقر اور ربک الاکرم الذی
کرم ہے۔ جس نے علم دیا۔ قلم کے ذریعے سے۔ اور
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - عَلَّمَ الْانْسَانَ - مَا لَمْ يَعْلَمْ
علم بالقلم - علم الانسان - ما لم يعلم
یعنی یہ وہ تعلیم تھی جو سب سے پہلے آنحضرتؐ کو بحیثیت پیغمبر درگاہ ایزدی سے دی گئی۔ اس جگہ یہ بتادینا بھی غیر ضروری نہ ہو گا کہ ان چند آیات سے
کیا مطلب ہم معمولی سمجھ کے انسان اخذ کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے کسی قدر
شے نمودار ہو جائے گی کہ اس مہربانوت نے اس
سے کیا کیا حکم اخذ کئے ہونگے۔ پھر اس قسم کا اندازہ چہ نسبت خاک را با عالم
پاک کا مصداق ہو گا۔

۱۔ ہر کام ہر بات خدا کے نام سے شروع کر دینی بسم اللہ پڑھ کر۔

- ۲۔ انسان کو خدا نے پیدا کیا ہے۔
 - ۳۔ پانی کے کیڑوں (منی کے اجرام) سے انسان کی پیدائش ہے۔
 - ۴۔ علم خدائے قادر کی طرف سے انسان کو عطا ہوا۔ قلم کے ذریعہ سے۔
 - ۵۔ نامعلوم باتیں انسان کو خدا نے ہی سکھائیں۔
- ان مطالب کا اگر خلاصہ کیا جائے۔ یا یوں کہو کہ نتیجہ کا استنباط کیا جائے۔ تو صرف دو باتیں رہ جاتی ہیں۔ اول خدائے تعالیٰ کی وحدانیت اور عظمت کی تعلیم۔ دوم علوم کی اہمیت +

یہاں ہمیں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے۔ کہ اگرچہ پیغمبر اسلام خود امتی تھے۔ لیکن بائیں ہند اسلام تعلیم کا ہتھکڑی ہو گیا ہے۔ کہ اس کے احکام اولین میں ہی اس کا ذکر آیا ہے۔ اور علم کو خدا کی عظمت کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ اور اسے خدا کی جانب منسوب کیا ہے۔ مذکورہ بالا عبارت پانچ آیات ہیں۔ سورہ علق کی۔ یہ الہامی کتاب یعنی قرآن شریف کا سب سے پہلا حصہ ہے۔ جو آنحضرت پر نازل ہوا۔ اور جو حضور کے دل میں القا ہوا یا بقول دیگر حضرت جبریل کے ذریعہ آپ تک پہنچا۔ الخرض جب حضرت کو غار حرا میں یہ غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ تو آپ اپنے مکان کو تشریف لے گئے۔ اور اپنی بیوی خدیجہؓ سے اس واقعہ کا اظہار کیا۔ انھوں نے حضرت کو مبارکباد دی۔ کہ آپ بیشک پیغمبر مامورین اللہ ہیں۔ اور میں آپ پر ایمان لائی چنانچہ آپ نے اس روز سے بالکل بت پرستی ترک کر دی۔ اور اس طرح آپ سب سے پہلی مسلمان شمار ہوتی ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی نے خدائے تعالیٰ کی وحدت اور پیغمبر کی رسالت کو قبول و تسلیم کیا +

نبوت کی تصدیق گھر سے

حضرت خدیجہؓ اکبرؓ نے آنحضرت کو مبارکباد دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا۔ کہ میں دیکھتی رہی ہوں۔ کہ جناب اعزاء و اقربا پر شفقت

فرماتے؛ ہمیشہ سچ بولتے؛ ہر معاملہ میں دیانت کو کام فرماتے؛ یتیموں۔ بیواؤں۔ اور محتاجوں کی امداد کرتے اور جہاں نوازی کو کام میں لاتے ہیں۔ اس واسطے میں کھیتی

نہیں کہ خداے تعالیٰ نے آپ کی ان نیکیوں کا صلہ نبوت کی صورت میں عطا فرمایا ہے۔ اس موقع پر ہمیں یہ بات نظر انداز نہ کر دینی چاہئے کہ کج کل کے سرشل یغاہ اور داعلوں کی تعلیم گو باہر کتنی ہی شرف قبولیت رکھتی ہو لیکن دیکھا گیا ہے کہ فاضل سے فاضل اور نیک سے نیک بزرگ شخص بھی اپنی بیویوں سے معمولی رسوم و عبادت سا ہا سال کی متواتر کوششوں کے باوجود بھی نہیں چھڑا سکتے مگر کے آدمی رازے واقف ہوتے ہیں فریب نہیں کھا سکتے۔ مگر اس کے برخلاف رسول اکرم کی حرم محترم مذہب اور دین ایسے معاملہ میں جلد ایمان لے آتیں اور اپنے قدیم مذہب بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو جاتی ہیں۔ پس اگر یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔

جان ڈیون پورٹ تحریر کرتے ہیں کہ ”یہ بات آپ کی صاف ایک عیسائی کی شہادت

آپ کے دوست اور اہل فاندان تھے جو آپ کے عادات سے خوب واقف تھے اگر (معاذ اللہ) آپ فریبی یا ریاکار ہوتے تو یہ لوگ ہرگز آپ کی تعلیم قبول نہ کرتے۔ بلکہ ان پر سب فریب ظاہر ہو جاتے۔ درحقیقت یہ بات کبھی ثابت نہیں ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ترویج شریعت یا اثبات دعوے نبوت کے لئے مکر اور حیلے کئے۔ یا جھوٹے معجزے دکھلائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”مجھے اس میں شک نہیں ہے کہ اس شخص سے جس کے آنے کی خبر اپنے بھائیوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی اسرائیل کو دی ہے۔ اور فارقلیط جس کی خبر عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے انجیل یوحنا میں دی ہے۔ محمد (صلعم) صاحب ہی مراد ہیں؟“

بی بی خدیجہ حضرت کو اپنے چچا زاد بھائی درقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں یہ شخص عیسائی مذہب کا پیر و تھا۔ اس وقت یہ مذہب جزیرہ نما عرب میں آچکا تھا۔ اور یہ نتیجہ ان کوششوں کا تھا۔ جو نجاشی شاہ حبش اور قیس روم اپنے اپنے طور پر پرمشاعت مذہب عیسوی میں کر رہے تھے۔

درقہ بن نوفل۔ عثمان بن حرث۔ عتیدہ۔ زید بن عمر وغیرہم عرب کے ان مشہور

قدیم عیسائیوں میں سے میں جنھوں نے علماء یہود و نصاریٰ سے بہت سی معلومات کا استفادہ کیا۔ عبرانی زبان حاصل کر کے توراۃ۔ زبور۔ انجیل کا مطالعہ کیا۔ اور ان کتابوں کو پڑھ کر یہ لوگ اس تہیج پر پہنچے تھے۔

دقیق نقل کی تصدیق فوت

کہ عرب میں عنقریب ایک رسول پیدا ہوئیگا ہے۔
الغرض جب بی بی خدیجہ نے حضرت کے مذکورہ بالا واقعہ کو اس کے سامنے بیان کیا۔ تو اس نے آپ کو بشارت دی۔ اور نبوت کی تصدیق کی۔ اور ایمان لے آیا۔

علاوہ انہیں اسی روز آپ کے چچا زاد بھائی علی ابن ابی طالب

دیگر لوگ ایمان لاتے ہیں

جن کی عمر اس وقت دس سال سے زائد نہ تھی۔ اور حضرت کے رفیق جناب ابو بکر صدیقؓ اور زید ابن حارثؓ (جس کو حضرت نے آزاد کیا تھا) وغیرہم ایمان لائے۔ ایسے اشخاص کا فوراً ہی ایمان لے آنا جو جناب کی ذرا ذرا سی حرکات و سکنات سے واقف تھے۔ اور جن کی عالی و داعی اور قابلیت کے جوہر زمانہ مابعد میں دنیا نے دیکھے۔ نبی کی اعلیٰ صداقت اور راستبازی کی قوی دلیل ہیں۔ ایسے اہم واقعہ کی نظیر نگذشتہ زمانہ کی تاریخ میں ملتی ہے۔ اور نہ آئندہ زمانہ میں اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ مگر یہی مشکل ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے راز دار کو کر کے روبرو تقدس مآبی کا جھوٹا دعوے نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نیک سے نیک دنیا دار لوگوں کے اندر رونی حالات میں بھی کچھ نہ کچھ کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں جن کا علم کل دنیا سے مخفی رہے۔ مگر راز دار ملازم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

حشر میں ہے پیٹ کہیں چھپ سکا ہے دلی سے

آنحضرت صلعم کی سابقہ زندگی کی جسمانی اور دماغی صحت، باہمی سالمہ خیالات و جذبات افعال و اقوال ظاہر و باطن کے ہر طرح سے نہ صرف محض بے داغ بلکہ اخلاقی لحاظ سے نہایت ہی اعلیٰ۔ ارفع۔ پاکیزہ اور قابل اعتماد ہونے کا یہ گویا ناقابل تردید ثبوت تھا۔ جسے کل دنیا کے روبرو پیش کیا گیا۔ اور باوازا بلند کردیا گیا۔ کہ اگر دنیا کوئی اور ایسا فرد پیش کر سکتی ہے۔ تو کرے۔ مگر وہ ہرگز نہ کر سکے گی۔

دوسری جانب یہ واقعہ آنحضرت صلعم کو جن کو یہ خدمت منجانب اللہ سپرد ہوئی تھی، اس کے منجانب اللہ ہونے اور اس کی تکمیل میں قدرت کے تائید کرنے کا یقین موثر اور محکم ترین شہادت کا حکم رکھتا تھا۔ اور اچھا خاصا معجزہ تھا۔ کیونکہ اگر دنیا میں آج بھی کسی شخص کو یہ منصب عطا ہوا اور اس کی بیوی اور فرزند صفت بھائی اور اس کا راز دار و دست اور اس کا سب سے پرانا ملازم دل و جان سے اس پر فشار ہوں۔ اور اس کی ہر بات پر یقین رکھتے اور ہر امر میں اس کی رضا مندی کے جوہر ہوں۔ تو وہ باقی دنیا کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے۔ اور محض بشری طاقت کے مطابق کام کرتے رہنے سے ہی اتنے کارنامے تو ضرور چھوڑ جائے جو مدت تک یادگار رہیں۔ لیکن حضور کے زندہ ہادیہ معجزات اور ان کے پیغمبر برحق اور کامل ترین رہنمائے بنی آدم ہونے کے ثبوت میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ جہاں تک تاریخ عالم پتہ دے سکتی ہے۔ آج تک سوائے ذات مسنودہ صفات کے کسی فرد بشر کو یہ عظیم منصب نہیں ہوئی۔

چند روز بعد بلالؓ عمر بن قتیبہؓ خالد بن سعد بن عامر سلمان ہوئے۔ ان دنوں حضرت کا معمول تھا کہ حضرت خدیجہ اور حضرت علیؓ کو ہمراہ لے کر مکہ کے قریب کے پہاڑوں میں تشریف لے جاتے اور عبادت الہی میں مشغول ہوتے۔ ایک بار عین اسی حالت میں ابو طالب علیؓ کے والد وہاں پہنچے اور حضرت سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ اے میرے بھتیجے! بتانیزا کیا مذہب ہے۔ آپ نے فوجاً دلیرانہ مگر ادب سے فرمایا کہ یہ مذہب خدائے تعالیٰ کا ہے۔ اس کے فرشتوں کا۔ اس کے پیغمبروں کا۔ اور ہمارے دادا ابراہیم کا۔ نبی خدا نے اسی واسطے بھیجا ہے۔ کہ میں اس کے بندوں کو جو راہ راست سے پھر گئے ہیں۔ صراطِ مستقیم پلاؤں۔ پس میں آپ کو بھی اس دین میں کی دعوت دیتا ہوں اور مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ آپ بھی اسے اختیار فرمائیں۔ اور اس کی اشاعت میں سعی کریں۔

ابوطالب نے کہا میں اپنے ابا و ابا د کا دین چھوڑنا نہیں چاہتا مگر خدا کی قسم اپنی زندگی بھر تمہاری مدد کر دوں گا۔ جب ابوطالب نے علی سے یہی سوال کیا تو آپ نے بھی یہی جواب دیا۔ کہ میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں۔ اور پیغمبر کا ساتھ دوں گا۔ اس کے جواب میں ابوطالب نے خوش ہو کر کہا بہتر ہے تم ان کے ساتھ رہو۔ وہ اہل حق میں تمہاری رہنمائی کریں گے +

مومنین اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد زید (آزاد) اور حضرت ابوبکر گردہ مومنین میں شامل ہوئے۔ حضرت ابوبکر ایک دولت مند تاجر تھے چنانچہ آپ کی بازی کی دوکان کو شہر مکہ میں خوب فروغ حاصل تھا۔ اس لئے آپ کا رابطہ اتحاد بہت لوگوں سے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی محض معمولی تحریک بلکہ اطلاع سے ہی کئی شخص مثلاً حضرت عثمان غنیؓ، زبیرؓ، عبدالرحمنؓ بن عوفؓ، طلحہؓ، سعدؓ بن ابی وقاصؓ اسلام لائے۔ پھر چند روز بعد ہی ابوعبیدہؓ، عامر بن عبد الرحمن بن جراحؓ، عبد اللہ بن بلالؓ، عثمان بن مظعونؓ، قتادہؓ، سعید بن زیدؓ، عمارؓ یا سر عتیرہؓ، جعفر بن ابی طالبؓ، عامر بن نفیرہؓ، ابوحذیفہ بن علیؓ، سائب بن عثمانؓ مشون۔ اور ارقمؓ مسلمان ہوئے۔ علیؓ بذالقیاس ستورات میں سے بی بی خدیجہ کے بعد اُمّ الفضلؓ (حجی رسول مقبولؐ) زوجہ حضرت عباسؓ رضی اللہ عنہا (زوجہ جعفرؓ) اسماءؓ سونات **سونا** بنت ابوبکرؓ، فاطمہؓ (خواہر عمر فاروقؓ) حضرت پر ایمان لائیں +

آنحضرت اپنے وعظ میں علی العموم امورات ذیل ملحوظ رکھا کرتے تھے۔
۱۔ خداوند تعالیٰ کی وحدانیت۔ یکثائی۔ رحیمی۔ کریمی۔ ربوبیت۔ کبرائی۔ جلال اور عظمت لوگوں کے ذہن نشین کرنا +

۲۔ خدا کے نافرمانوں اور سرکشوں کو ان کی شرمناک حالت کا نقشہ دکھا کر خطرہ سے آگاہ کرنا۔ اور نتیجہ سے مطلع کرنا +

۳۔ عوام الناس کو باطل پرستیوں۔ بدعتقادوں اور اعمال ذمیمہ سے باز رکھنے کی نصیحت کرنا
۴۔ پاکیزگی۔ صفائی۔ پاکدامنی ظاہری و باطنی کی خوبیاں ذہن نشین کر کے ان کی

جانب بغت و لانا +

- ۵۔ تعلیم دین بلا معاوضہ دینا کسی سے کوئی امید نہ رکھنا۔ نہ کسی پر کسی طرح احسان بنانا۔
۶۔ لوگوں کو پتھروں، دختلوں، پانڈر سوچ، دیوتاؤں اور فرشتوں کی عبادت سے باز رکھنا اور خدا کی جانب رجوع کرنا +

علامہ تبلیغ انحضرت اس طرح آنحضرت لوگوں کو خاموشی کیساتھ دین حقانی کی طرف مائل کرتے رہے۔ اور تین سال کے عرصہ میں ان موعودین کی نامی جماعت ہو گئی۔ اب آپ کو جبکہ سن شریف تینتالیس سال سے تجاوز کرنے والا تھا۔ درگاہ خداوندی سے مکم ہوا کہ علی الاعلان تبلیغ فرمائیں۔ چنانچہ اس بندہ حکم نے جس نے اپنے حق میں صرف یہی دو لفظ کہے تھے صبدہ و رسولہ میں خدا کا بندہ ہوں اور قاصد اور بس "اب کھلم کھلا دین کی منادی شروع کر دی۔ آپ نے اپنے تمام قبیلہ کو اپنے گھر مدعو کیا۔ اور دعوت اسلام دی بس اب کیا تھا لوگ بہت بگڑے۔ اور ناراض ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ انہیں اس تائیکی بت پرستی اور جہالت کے زمانہ میں دعوت حق کا ایسا الٹا اثر ہوا کہ جس کی انتہا نہیں۔ سب لوگ آپ کی جانب سے ایک قسم کی کدورت اپنے دل میں لے کر واپس گئے۔ اور اسی روز سے آنحضرت کی مخالفت اور مومنین کے مصائب کا دروازہ کھل گیا +

مکہ بھر میں واقعہ مذکور کا چرچا مچنے لگا۔ اور خوب خوب حاشیے چڑھائے گئے۔ آپ کے چچا ابوطالب کے طرز عمل پر مضحکہ اڑایا گیا۔ اور خوب کھلے دل سے طعن و تشنیع کی گئی۔ مگر ان حرکات سے جناب رسالت مآب کا قدم استقلال ذرہ برابر پیچھے نہ ہٹا۔ بلکہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ سر راہ وعظ و نصیحت کرتے دیکھے گئے۔ علامہ بت پرستی اور دیگر باطل پرستیوں کی مخالفت کرتے پائے گئے۔ بھلا اس شنیفہ حق کی خدائی آواز کو کون دبا سکتا تھا۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر اعراب مکہ پر خصوصاً قبیلہ قریش پر اس کا الٹا ہی اثر

پڑتا تھا۔ اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دولی، کامصداق تھا۔

زید صداقت

ایک روز قریش کے چند سرگرم جمع ہو کر آپ کے عم بزرگوار ابوطالب کے پاس گئے اور آپ کی عجیب طرح شکایت کی۔ کہا کہ ہم کو صرف آپ کا منہ ہے۔ ورنہ اس عقل سے بیگانہ اور عجیب قسم کے دیوانہ (خاکش بہ دہن) کو اس کی حرکات کا وہ مزا چکھاتے کہ وہ یاد ہی رکھتا۔ اس کا جواب جناب ابوطالب نے صرف خاموشی سے دینا چاہا۔ مگر ان لوگوں نے اصرار کر کے کہا کہ اگر آپ اس کی مدد پر ہیں۔ تو آئیے ہمارا آپ کا فیصلہ ملو اور کر دے گی۔ ہمیں گوئے وہ ہیں سیدائیں مگر انھوں نے اب بھی طرح دیدی۔ تاہم ان کے دل پر ایک دوسری قسم کا اثر ہوا۔ چنانچہ اُس سے متاثر ہو کر حضرت سے فرمایا۔ بیٹا! مناسب ہوگا کہ تم اس کام کو چھوڑ دو مگر جناب رسالت مآب نے نہایت متانت اور نہایت استقلال سے دلیرانہ جواب دیا۔ کہ خواہ کچھ ہو جائے۔ جب تک میں زندہ ہوں یہ ناممکن ہے۔ اگر تو سورج کو میرے دائیں اور چاند کو بائیں طرف رکھ دے۔ اور مجھ کو اس کام سے روکنا چاہے۔ تو میں نہیں ہرک سکتا۔ حتیٰ کہ صدق طائر نہ ہو یا میں خود فنا نہ ہو جاؤں۔ یہ کہتے کہتے آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ اور آبدیدہ ہو کر اس مقام سے چلے گئے۔ مگر صداقت کا خنجر دل پر چرکا لگتا ہے۔ اور

استقامت

استقلال کا تیرتھ کو توڑ کر نکلتا ہے۔ ابوطالب بھی اس کے بچے نکال دلا بھی بھڑایا۔ اور انھوں نے آنحضرت کو واپس بلایا۔ جب آپ تشریف لائے تو فرمایا۔ بیٹا! تم مایوس نہ ہو۔ میں تمہاری امداد پر ہوں۔ اور جو تمہاری مرضی ہو کرو۔ آنحضرت مثل سابق کے وعظ و نصیحت میں مصروف رہے۔ بت پرستی کی بُرائیاں کھول کھول کر لوگوں کو بتاتے رہے۔ مگر جہالت کا بُرا موکہ لوگوں کو آپ کی بھلائی۔ بُرائی ہی نظر آئی۔ اور وہ زیادہ مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔

یہ سچ ہے کہ جہالت اور ضد بعض اوقات حق پر غالب آجاتی ہے۔ تاہم آنحضرت کو کوئی صریح نقصان نہ پہنچا سکے۔ کیونکہ قریش ابوطالب اور دیگر رشتہ داروں

کے خوف یا غریزہ داری کے تعلق سے کچھ معذور سے ہو رہے تھے۔ گلاب دوسری قسم کی منصوبہ بازیاں کرنے لگے۔ اور گڑے مرے تو زہریلوں دے کے صدق لالچ دیکر کام کلنکی سٹھانی پچا پچا اپنے ایک محتلف خاص کو انصاف کی خدمت میں بھیجا۔ اور اس زبان دراز اور فلاسفر قاصد نے جناب رسالت مآب سے عرض کیا: ”میں قبیلہ قریش کے قائم مقام کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اور انکی جانب سے آپ کے پاس پیغام لایا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ آپ ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ لیکن آپ کے اس نئے اور عجیب طرز عمل نے ہم میں نفاق ڈال دیا ہے۔ آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے اور انکا مضمک اڑاتے ہیں۔ اور ہمارے بزرگوں کو گمراہ کا خطاب دیتے ہیں۔ یہ سب نامناسب حرکات ہیں۔ اور اس سے تقریباً تمام قریش برا فرختہ ہیں۔ میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ آپ اسے غور سے سنیں۔ اور وہ یقیناً قابل پسندیدگی ہے۔ حضرت نے فرمایا: کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ قاصد نے کہا: اگر اس طرز عمل سے آپکی غرض و غایت محض مال و دولت کی فراہمی اور حصول جاہ و شمت ہے۔ تو ہم سب ملکر آپکو استغیریم و زرجع کئے دیتے ہیں۔ کہ آپ عرب کے بڑے سے بڑے امیر سے دولتندی میں بڑے جائیں۔ اگر آپ چاہیں۔ تو ہم آپکو نہ صرف اپنا امیر اور سوا بلکہ تمام ملک عرب کا بادشاہ بنا کر تخت پر بٹھانے اور تاج پہنانے کیلئے تیار ہیں۔ اور عہد کرتے ہیں کہ آپکی مرضی اور ایما کے بغیر کوئی کام نہ کریں گے۔ بلکہ ہمیشہ جان و دل سے آپکی اطاعت کریں گے۔ اور اگر آپکو اپنی ہم بستری اور موانست کیلئے کسی خوبصورت عورت کی ضرورت ہے تو ہم زنان عرب میں سب سے حسین و جمیل عورت جسے آپ پسند کریں آپ کیلئے حاضر کریں گے۔ کیونکہ ان سب سے نظر لوگوں کے خیالیں انسانی زندگی کا مقصد صرف اپنی تین خواہشوں پر محدود تھا، اگر اتنی باتیں آپ کی تسکین نہیں کر سکتیں۔ تو ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کے سر پر کوئی بھوت یا جن سوار ہے۔ اور اس کی ہم آپ سے اجازت چاہتے ہیں کہ ہم کانہوں کو بلا لیں۔ تاکہ وہ تباہ کر کے

سبز باغ دکھائے
جاتے ہیں :

آپ کو تندرست کریں۔ احراجات کے ہم کفیل ہو گئے۔

آنحضرت لبغزوہ قاصد کی تقریر سنتے رہے۔ اور جب سلسلہ کلام ختم ہوا۔

نوجواب نے کلام مجید کی چند آیات جواباً تلاوت فرمائیں۔

الذی کفر و صد و عن سبیل اللہ افضل اعمالہم۔ والذین آمنو و عملوا الصلحت و آمنوا بشیء علی محمد و سوا الحق من ربہم کفر عنہم۔ سیاتھم و اصلح بالہم ذالک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل وان الذین آمنوا اتبعوا الحق من ربهم کذا الک یضرب اللہ للناس امثالہم۔

جو لوگ انکار کرتے ہیں، اور اسکی راہ میں روک ڈالتے ہیں انکے اعمال بیکار جائیں گے۔ اور انکے مقابل جو صدق ہیں انکے اعمال کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں اس پر جو انکار کیا محمد پر اور وہی حق و صحیح ہے۔ اور رب العالمین کی جانب سے انکے حالات بھی اچھے ہو جائیں گے۔ اور انکی برائیوں بھی ان سے دور ہو جائیں گی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ منکر امور باطلہ کے پیچھے جا رہے ہیں۔ اور ماننے والوں نے اس صداقت کو قبول کیا جو رب کی طرف سے آئی ہے۔ خدا تعالیٰ اس طرح مثالیں دے کر لوگوں کو سمجھاتا ہے۔

یہ جواب ایسا تھا کہ قریشی قاصد کے دل پر اثر نہ کرتا۔ غالباً جب وہ اس خدمت کے لئے انتخاب کیا گیا ہوگا۔ تو سب لوگوں کو اور خود اسے اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز ہوگا۔ لیکن خدا تعالیٰ کلام کے اثر اور زور نے اس کا ناطقہ بند کر دیا۔ وہ زبان سے ایک لفظ کہے بغیر چل دیا۔ اور قریش کے پاس واپس آ کر جو گزری تھی وہ سنا لی۔ اور اس طرح آنحضرت کے دشمنوں کا یہ منصوبہ بھی ناکام ہی ثابت ہوا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس بزرگ صداقت کا آب کی جو صرف یہ کہتا تھا کہ مخلوق کو نہ پوجو۔ بلکہ واحد خدا کی پرستش کرو مخالفت بڑھ گئی۔ تقریباً تمام قوم کے دل جوش سے پر ہو گئے۔

آخر قوم کے سربراہ اور وہ لوگ جمع ہوئے۔ انھوں نے خوب خوب کمینیاں کیں۔ اور آنحضرت کی مخالفت کی عجیب و غریب رائیں پیش کیں۔ اور بتایا کہ کون کون سے طریقہ سے آنحضرت کی آواز کو پست کیا جائے۔ اور اس

آواز کی تاثیر کے منتر سے لوگوں کو محفوظ رکھا جائے بالاخر بہت ر دو قح کے بعد حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں

سومنین کی مخالفت | جس کسی سے ہو سکے وہ محمد کی ہر ممکن طریقہ سے تذلیل کرے
باقاعدہ ہوتی ہے | مصحفہ اڑائے۔ دق کرے۔ تنگ کرے اور تکلیف پہنچائے

۲۔ جو آشخص اس کا مذہب قبول کرے۔ اسے اس قدر ایذا دینا اور تکلیف دی جائیں کہ یا تو وہ (۱) یہاں سے کہیں چلا جائے یا (۲) مر جائے۔ یا (۳) اس نئے مذہب سے دست بردار ہو جائے۔

مذکورہ بالا تجاویز پر بڑی سختی سے عمل درآمد شروع ہوا۔ تمام قریشی شخصیت اور ان لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے۔ بے انتہا تکلیف دیئے اور تشدد کرنے لگے۔ حتیٰ کہ عزیز اور یگانوں نے بھی آنکھ چرائی شروع کی بلکہ خون کے پیاسے بن گئے۔ غیر کا ذکر کیا۔ خود حضرت کا حقیقی چچا ابو لہب حضرت کے قتل کو تیار تھا اس کی بیوی حضرت کی چچی، اکی یہ کیفیت سچی کہ درختوں کے کانٹے اور گوکھرو۔ جنگل سے جمع کر کے لاتی اور جس راستہ سے حضرت کو گزرنے والا سمجھتی وہاں ڈال دیتی، حضرت کے پاؤں زخمی ہو جاتے تپ صبر کے ساتھ راستہ کے ایک کنارہ بیٹھ کر پاؤں سے کانٹے نکالتے اور انھیں راستے سے جدا کر دیتے تاکہ اور لوگوں کو تکلیف نہ ہو تاکہ ان میں رحم دل انسان کو جو صداقت کا اوتار تھا اور خیر خواہ بنی نوع انسان اس کے یگانوں نے کیا کیا تکلیف نہ پہنچائیں۔ اسی طرح جب آپ دغظ شروع کرتے اور کلام پاک لوگوں کو ماننا چاہتے تو اشرار نہایت شور و غوغا مچاتے۔ تاکہ لوگ کچھ نہ سن سکیں۔ اور اس قدر تنگ کرتے اور اذیت پہنچاتے کہ آخر آپ کو دہانے چلا جانا پڑتا۔ مگر ظالموں کے ہاتھ سے اب بھی سائی نہ ہوتی۔ اور وہ ازلی بد بخت کنکروں پتھروں سے اس مقدس انسان کی تواضع کرتے۔ کہ جسم مبارک سے خون بہ نکلتا۔

ایک بار چند لوگوں نے آپ کو تنہا پا کر پکڑ لیا۔ اور گلوٹے مبارک میں

مسلمانوں کو بیڑ میں پٹکا ڈال کر اُسے مروڑنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ آنحضرت کا دم گھٹنے لگا دی جاتی ہیں۔ مگر اتفاقاً حضرت ابو بکرؓ اور آپؐ نے آنحضرت کو بے شکل دشمنوں کے زرعہ سے چھڑایا۔ حضرت کو تو چھڑا دیا۔ لیکن خود بچیں گئے۔ لوگوں نے آپؐ کو اس قدر زرد و کوب کیا کہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ لوگ ان کو مردہ سمجھ کر چھو کر چلے گئے۔ کئی گھنٹہ بعد ان کو ہوش آیا۔ تو اٹھ کر گھر آئے۔ ۲۰۔ یہ ان کو کس گناہ کی سزا ملی؟ صرف اس کی کہ انھوں نے ایک صداقت کے فرشتہ کو کیوں مصیبت سے بچا یا۔

اب قریش کے جوش غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اب وہ بدترین حرکات پر اتر آئے تھے۔ حضرت اور ان کے رفیق مومنوں کے لئے نئے نئے ظلم ایجاد کرتے تھے۔ آنحضرت نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اپنے یگانوں کے ظلموں کو سہتے تھے اور اُن تک نہ کرتے تھے۔ البتہ اپنے رفیق مومنین کا غم جنھیں قریش بری طرح ستاتے تھے۔ آپؐ کے دل کو منہموم رکھتا تھا۔ ان ہیکسوں پر ایسے ایسے ظلم توڑے جاتے تھے کہ ان کے بیان سے کلیجہ نہ کوڑتا رہے۔ ان میں سے جس کو کیلا پاتے گرفتار کر کے جنگل میں لے جاتے اور تیز دھوپ اور تپتے ہوئے گرم ریت پر ماتھے پاؤں باندھ کر لٹا دیتے اور چھاتی پر تھکر رکھ دیتے۔ اور کہتے کہ اپنے جلیل القادری سے باز آؤ۔ محمدؐ کو گالیاں دو۔ تو اسی راکر دئے جاؤ گے۔ ان غریبوں کی بُری حالت سہتی۔ گرمی انکی علیحدہ جان تحلیل کرتی اور تھکر کا بار الگ پسلیاں توڑتا مگر اللہ اللہ ان لوگوں کا کیسا مستحکم ایمان تھا۔ وہ کیسے مستقل ارادہ تھے۔ کہ یہ سب کچھ عذاب سہتے۔ مگر اُن ذکر کرتے۔ ذرا نہ ڈگمگاتے۔ اور خدا کے راستے میں ثابت قدم رہتے تھے۔ آہ۔ ایک وہ مسلمان تھے۔ اور ایک ہم ہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ مصائب و تکالیف استخوان الہی ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو ان کے نازل ہوتے وقت دامن استقلال ہاتھ سے نہیں چھوڑتے قریش کے مظالم کی مومنین کے لئے اسی قسم کے امتحان تھے جہیں میں بہت سے پورے اترے۔ اور

چند ان تکالیف کی تاب دلا کر اس نئے مذہب سے دست بردار ہو گئے۔ مثال ہے کہ مصیبت آنے سے پیشتر ہی انسان کی عقل جاتی رہتی ہے اور اس میں نیک و بد کی تمیز نہیں رہتی +

معتوب اور معذب مومنین میں سے ایک بزرگ عمارت بھی تھے۔ آپ نے مظالم قریش کے مقابلہ میں جیسے استقلال کی مثال پیش کی اس کو توفیق ایزدی ہی کہا جاسکتا ہے۔ اول آپ کو دشمنان اسلام نے برسہا برس پھر جلتے ریت پریشایا اور سینہ پر پتھر رکھ دیا۔ پھر کہا کہ حضرت کو جرأت نہ ہو یہی سلوک حضرت عمارت کے بڑے والد سے کیا گیا اور ان کی بیوی ستمیہ پر تودہ ظلم توڑے گئے۔ کہ جس کے بیان سے نہ صرف جسم کے رونگٹے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اہل قریش کی بیرحیاں

بلکہ ان کی تفصیل سے تہذیب اور اخلاق مانع ہیں مایسی

شرسناک سز کی نظیر شاید دنیا کی تاریخ میں کہیں نہ ملے۔ اس مومن کا قصور یہی تھا کہ وہ خدائے واحد کی پرستار تھی۔ اور کہ وہ امان و رحم کی التجا کرتی ہوئی قریش کے پاس آئی تھی۔ مگر انھوں نے جس قسم کا برتاؤ کیا۔ اس کا اشلادہ اوپر گذر چکا ہے۔ اور اس سے زیادہ یہ کہ وہ ایماندار اور نیک بیوی اسی عذاب شدید میں تڑپ تڑپ کر شہید ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون +

اہل بنیاد کو اسی طرح مومنین پر ان عذابوں کا مدت تک سلسلہ جاری رہا۔ اور حضرت ہجرت کرنا کا دل ان کی مظلومیت پر آٹھ آٹھ آنسو دیا کرتا۔ پھر آپ نے اپنے رفیقوں سے فرمایا کہ خدا تمہیں اور صبر و استقلال کی توفیق دے۔ یہ امتحان کا موقع ہے۔ بیدل ہونے کی کوئی بات نہیں۔ مگر مجھ سے تمہاری مصیبت نہیں دیگی جانی۔ اس لئے میں تم لوگوں کو صلاح دیتا ہوں کہ تم خدا کا نام لیکر ملک بلی بنیاد کو چلے جاؤ۔ حکم کے بندے مومنین مکر میں باندھ کر آدھ سفر پہنچے کئی قبیلے کے لوگوں نے جو قریش کے مسلسل عذاب سے جان سے تنگ آ رہے تھے۔ سواپنے اہل و عیال اپنے مکان اور جائیدادیں چھوڑ کر سفر اختیار کیا۔ اس سفر

قاظم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رقیہؓ اور آپ کے چچا زاد بھائی جعفر ابن ابی طالب بھی شامل تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بھی ایک اور جماعت نقل مکان کر کے ابی سہنا پہنچی۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اور ہجرت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کا زمانہ وقوع شہہ نبوت آنحضرت مطابقت سال ۱۲ھ لکھا ہے۔ مومنین اسلام کا مطلب اس نقل مکانی سے اس سے زیادہ نہ تھا۔ کہ وہ مظالم قریش سے نجات پائیں اور فراغت سے امن و امان کی زندگی بسر کرتے ہوئے خدائے واحد کی عبادت میں مصروف ہوں۔ مگر ان کے مخالف قریش یہ کب دیکھ سکتے تھے کہ مسلمان ان کے پنجہ سے ایسی صفائی سے نکل جائیں۔ چنانچہ ان کو جب اس ہجرت کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ سخت دشمن کا تقابلاً طیش میں آئے۔ اور آخر صلاح مشورہ کر کے اپنے دو آدمی بطور سفیر نہ تحائف ابی سینا کے حکمران نجاشی کی خدمت میں خوب سکھاپڑھا کر بھیجے۔ جنہوں نے حبش میں پہنچ کر اور نجاشی کے دربار میں باریاب ہو کر بیان کیا۔ کہ یہ لوگ جو عرب سے بھاگ کر اس کے ملک میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ ہمارے مفسد و فحش ہیں۔ اس واسطے ہیں انکی گرفتاری کا حق حاصل ہے۔ آپ مہربانی کر کے انہیں ہمارے حوالہ کریں۔

نجاشی نے سفیران قریش کا دعویٰ سن کر ان مسلمانوں کو جو اس کے ملک میں پناہ گزین ہوئے تھے اپنے دربار میں طلب کیا۔ اور سفیران قریش کا بیان ان کو سنایا۔ جس کے جواب میں جعفر ابن ابی طالبؓ (خلیفہ سوم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقیقی بھائی) نے نسب مومنین کی جانب سے جواب دیا کہ ہمارا واقعہ سننے کے قابل ہے۔ ہم اور ہمارا ملک جہالت اور گمراہی کے غار میں پڑا ہوا تھا۔ ہم بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ مرد و عورتیں کھاتے تھے خواہشات میں مبتلا تھے۔ غرض کہ ہم میں کوئی صفت انسانی باقی نہ تھی۔ خدائے تعالیٰ نے جو رحمن اور رحیم ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ محمدؐ کی شرافت و نسب درست

گنتاری دیانت داری سے ہم خوب واقف ہیں۔ ان پر خدائے تعالیٰ نے اپنی مٹی کا اظہار کیا۔ وہ خدا کا پیغام ہمارے پاس لائے۔ اور وہ پیغام یہ ہے کہ صرف ایک خدا کو مانو۔ اس کی ذات و صفات میں اور کسی کو شریک نہ بناؤ۔ بتوں کی پرستش نہ کرو۔ ماست کرواری، دیانت و امانت داری کو اپنا شعار بناؤ خیانت اور زنا ذکر و۔
 بنی نوع انسان سے ہمدردی اور ہمسایوں سے محبت کرو۔ عورتوں کے گھر درست اور ان کی عصمت کی حفاظت کرو۔ یتیموں کے مال نہ کھاؤ۔ یتیموں اور بیکسوں کی امداد کرو۔ خیرات کرو۔ اور خدا کی عبادت میں مصروف رہو۔

اے بادشاہ سلامت یہ اس رسول کی تعلیم ہے۔ ہم لوگ اس پر ایمان لائے اس کی تعلیم کو قبول کیا۔ خصوصاً اس حکم کو کہ پتھر کی بیجان صورتوں یعنی بتوں کی پرستش نہ کرو۔ بلکہ خدائے قادر اور واحد کی، اس ایمان لانے پر ہمیں ہمارے ملک والوں نے ایسی ایسی تکالیف پہنچائیں۔ کہ ہم برداشت نہ کر سکے۔ اوہیں جلا وطن ہونا پڑا۔ جب ہمیں اپنے ملک میں کہیں پناہ نہ ملی۔ تو ہم سب پروریسین نے تیرے ملک میں آکر پناہ لی۔ مگر ہمارے دشمنوں نے ہمیں حق کے دشمنوں نے ہمارا یہاں بھی تعاقب کیا۔ اور ہمیں نشانہ ظلم بنانا چاہتے ہیں۔ ہمیں تیرے رحم و انصاف سے اسید ہے کہ تو ہم بیکسوں پر ظلم نہ ہونے دے گا۔

جعفرؑ کی تقریر صداقت اور تاثیر کی تفسیر تھی۔ اس واسطے شاہ نجاشی کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اس نے نہ صرف ان جلاوطنوں کی بیگناہی کو تسلیم کیا۔ بلکہ تعلیم اسلام کی خوبیاں بھی اس کے دل پر اثر کر گئیں۔ اور اس کا دل رسول عربی کی اور تعلیم سننے کا ہر زو مند ہوا۔ اس نے جعفرؑ سے کہا۔ مجھے اس کلام میں سے جو تمہارا رسول پر اترا ہے۔ کچھ اور سناؤ۔ تو جعفرؑ نے سورہ مریم کی چند ابتدائی آیات سچ کی ملاوت کے متعلق پڑھ کر سنائیں۔ جب وہ ان الفاظ پر پہنچے ”فعلی واشربی وقریٰ مینا فاما ترین“ اے مریم خوش ہو کر کھاپی۔ اور اس نئے بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، تو کلام کی خوبی۔ وقت کی کیفیت۔ صداقت کا اثر نیک نیتی

اور سچائی کے زور نے ایک عجیب کیفیت طاری کر دی۔ بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ اعلیٰ روحانیت میں محصور نظر آ رہا تھا۔ اس کا دل گویا سچائی کو مان چکا تھا۔ اس نے بے اختیار سوچ کر کہا "خدا کی قسم یہ اسی نور کی شعاعیں ہیں جس کا جلوہ موسیٰ پر ہوا تھا۔"

بہر ازاں سفیرانِ قریش کو ان کے طرزِ عمل پر ملامت کرتے ہوئے مسلمانوں کے واپس دینے سے انکار کر دیا۔ اور ان کو اپنے ملک میں نہایت خوشی سے رہنے کا حکم دیا۔ یہ تاریخ میں سب سے پہلا موقع تھا کہ عیسائیت اور اسلام نے ایک دوسرے کو پیار کی نظر سے دیکھا۔ اعرض یہ پناہ گزین مسلمان ابی سینا میں امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اور قریش کے مظالم سے رہائی پانے پر بے انتہا خوش تھے اور ہر شاہِ نجاشی کو مذہبِ اسلام سے خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔ وہ بار بار جعفرؓ کو بلا کر قرآن مجید کی آیات سنتا اور ان سے گفتگو کرتا۔ کلامِ خدا کی صداقت اور پُر زور الفاظ نے اس کے قلب پر گہرا اثر کیا۔ وہ کلامِ پاک سنتا اور اس کے مطابق پر غور کرتا۔ اور پھر مذہبِ عیسائی اور اسلام کا مقابلہ کرتا۔ عموماً جعفرؓ سے اس کے سوال اسی قسم کے ہوتے کہ تم اور تمہارا رسول حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہو؟ جواب ملتا کہ سچ علیہ السلام خدا کے مقبول بندے اور نبی تھے۔ ان کو خدا نے بنی اسرائیل کی رہبری کے لئے بھیجا تھا۔ آخر صداقت اور

کہا کہ کاروبارِ سلطنت سے معذور ہوں۔ ورنہ پیغمبرِ عرب کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادتِ دایرین حاصل کرتا۔ اور زمرہِ غلامان میں داخل ہوتا۔

جو لوگ اسلام کو بڑے شمشیر بھیلّا بتلاتے ہیں۔ وہ اس واقعہ پر غور کریں۔ کہ اسلام کی اشاعت کا باعث اس کی بینظیر سچائی ہے یا شمشیر۔

آریہ ہوں یا یہودی عیسائی کہا کرتے ہیں طاقتِ شمشیر سے اسلام پھیلا گیا۔ ہے مسلمانوں کا دعوے جو نہیں ہم مانتے۔ اپنی مرضی سے ہر اک اس دین میں داخل ہوا۔

گو کہ ہم بھی ہیں مسلمان پر ہمارا ہے یقین
 نور سے تلووار کے اسلام کا ڈنکا بجا
 ہاں اگر وہ تیغ: تیغ اہنی سرگز نہ تھی خنجر اسلام ہرگز خنجر ابن نہ تھا
 راستی کی تیغ تیغ تھی مسلمانوں کے پاس خنجر ابن نہ تھا وہ خنجر فساد کی تھا

باخبر

ادھر ابی سہیل میں تو مسلمانوں پر یہ گزری سادہ رکھ میں آنحضرتؐ
 مصروف کار تھے آپ کے وعظ و نصیحت کا سلسلہ ہمارا جاری تھا مگر بچت
 قریش اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ جب ان کے سفیرنا کام پہنچے۔ تو
 انہوں نے جملہ آنحضرتؐ کو اور تنگ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ جب آپؐ کھانا نوش
 فرمانے بیٹھے۔ تو کفار شرار کوڑا کرکٹ اٹھا لاتے اور آپؐ کے کھانے پوچھتے
 اور اسی قسم کی دوسری شرارتیں کرتے۔ دل کھول کر ایذا ایسے دیتے اور نت نئے
 ظلم ایجاد کرتے۔ ان سب باتوں کا مقصد صرف ایک ہی تھا کہ آنحضرتؐ لوگوں
 کو خدا کی احکام کی تعلیم نہ دیں۔ اور بتوں کی پرستش کو منع نہ کریں مگر پیغمبروں
 کے استقلال میں خدا کا ماتھے اور خدا کی قدرت کا ایک حصہ ہوا کرتا ہے۔ اس
 واسطے نہ کفار کی شرارت کام آئی نہ ایذا دہی نہ لالچ اور حضرتؐ برابر باری تعالیٰ کے حکام
 الہی میں مصروف رہے۔ اسی اثنا میں دو غیر معمولی واقعات پیش آئے جو اس
 زمانہ کے اہل نظر کے لئے یہ بتانے کے لئے کافی تھے کہ اسلام کی تائید قدرت
 کر رہی ہے۔ ان میں سے ایک تو حضرتؐ حمزہ یعنی آنحضرتؐ کے چچا کا جو ایک
 نہایت بہادر اور بارہا سموخ انسان تھے مسلمان ہونا۔ دوسرے حضرتؐ عمرؓ کا

ایمان لانا۔ بالخصوص آنرا لہ کر بزرگ کے قبول اسلام کی کیفیت نہایت دلچسپ ہے۔ جسکی تفصیل اس طرح پر ہے۔ کہ جب قریش کے لوگ مسلمانوں اور خود حضرت پر ظلم و ستم کرتے کرتے تنگ گئے اور انھوں نے اپنی ان ہیئت حرکات کا کوئی نتیجہ نہ دیکھا۔ اور پیغمبر خدا کے استقلال کو بتوں کی توہین میں پہلے سے بھی زیادہ مضبوط پایا تو ایک قریشی سردار نے جو آنحضرت کا رشتہ کا چچا ہوتا تھا اور تاریخ اسلام میں اپنی جہالت کی وجہ سے ابو جہل کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کے اہل نام سے کوئی واقف اور آگاہ نہیں۔ ایک جلسہ قومی طلب کیا۔ اور جب سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو ایک موثر تقریر میں انھیں ترغیب دلائی کہ تم لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ تمہارے دین۔ تمہارے معبودوں کو کھلے الفاظ میں جڑا کہا جاتا ہے۔ اور تم کو اس توہین کا احساس نہیں کیا یہ ڈوب مزید کا مقام نہیں ہے۔ کیا تم نہیں سنتے ہو۔ کہ تمہارے بزرگوں کو و زخ کا کندہ بنایا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ہم سنہ میں گھونٹنیاں ڈالے بیٹھے ہیں۔ کیا عرب کی شجاعت اور حیثیت ختم ہو چکی۔ کیا ہم بزدل ہو گئے۔ غصہ ہے۔ کہ ایک آدمی اور کھڑا آدمی ساری قوم کی توہین کرے اور ہم سب بیٹھے تماشہ دیکھا کریں کیا جو انان عرب اس کا کچھ نہ لڑکے دیکھیں گے۔ میں چیلنج دیتا ہوں۔ اور اس مجمع عام میں پختہ وعدہ کرتا ہوں

اشرار کا وہ جان ہوتے ہیں

کہ جو شخص محمد کو قتل کرے۔ میں اسے ایک سو ادھار

اطی قسم اس قومی خدمت کے صلہ میں عطا کروں گا۔

اس تقریر کا جو مدماختا۔ وہ خاطر خواہ پورا ہوا مگر اس مجمع کے ایک ایک فرد کا کوئی شخص دل چیر کر دیکھتا۔ تو اس میں سوائے آنحضرت کی مخالفت و دشمنی اور بیچ کنی کے ارادہ کے اور کچھ نہ تھا۔ ہر ایک بوڑھا جوان عرب حضرت کے خلاف کا پیاسا بن رہا تھا مگر خدا کی طاقت سے ہر شخص ناواقف تھا۔ اس وقت کون جانتا تھا۔ کہ دشمن اگر قومی ست نگہباں قوی تراست خصوصاً عمر کا دل جو

حضرت کی مخالفت کے جوش سے پہلے ہی پر تھا اس تقریر کو سن کر ادبھی سو رہا
تمام قریش واقف تھے کہ عمر بڑا جوشیلا اور حضرت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔
چنانچہ ابوجہل کی تقریر ختم ہوتے ہی عمر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور زور سے بولے
میں اس خدمت کو پورا کروں گا۔ مگر کیا آپ اپنے قول پر ثابت قدم رہیں گے؟
اس پر ابوجہل عمر کو خانہ کعبہ میں لے گیا۔ اور کعبہ کے سب سے بڑے بیت ہبل
کے روبرو وعدہ ایفا کرنے کی قسم کھائی۔ اسی طرح عمر نے بھی بت کے روبرو
ملع اٹھایا۔ کہ میں ٹھوس یوں محمد کو قتل کر کے دم لوں گا۔ اور اس کو قتل کے بغیر
ہاتھ سے تلواریں چھوڑوں گا، مگر خبر نہ تھی کہ مشیت ایزدی اور ہی کچھ ہے +

الغرض عمر طبع بہ کف آنحضرت کے مسکن کی طرف چلے گئے۔ بہادرانہ
تیور بشرو سے نمایاں تھے۔ راستہ میں کسی ملاقاتی سے مڈبھیر ہوئی۔ اس نے
آپ کے تیور بگڑے ہوئے دیکھ کر کہا۔ خیر باشد کہاں کی چڑھائی ہے۔ جہاں
ملا کہ محمد کے قتل کی ٹھانی ہے۔ وہ شخص سکرایا۔ اور کہا جناب آپ کو کچھ نشت
کی بھی خبر ہے۔ آپ کے تو گھر ہی میں لگی ہوئی ہے۔ آپ پیغمبر اسلام اور
مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ بیشک آپ کر سکتے ہیں کیونکہ اشاء اللہ آپ بڑے
بہادور ہیں۔ لیکن شرط انصاف یہ ہے۔ کہ آپ پہلے اپنے گھرانے کی خبر لیں۔
آپ کی ہمیشہ اور آپ کے بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ پہلے ان کی تو خیر پوچھ
یہ سننے خیر مگر صداقت آمیز فقرے سن کر عمر کے۔ اور کچھ
عمومی بہادری کا فائدہ

لوٹ پڑے۔ ہمیشہ کے دروازے پر پہنچے تو اندر سے کنڈی بند تھی۔ کان
لگا کر سنا تو نئی قسم کی آواز سنائی دی۔ بات یہ تھی کہ حضرت علیؓ کی انصافی
حضرت خواب رخاں دونوں میاں بیوی کو قرآن کریم سنارہے تھے۔ آپ نے
کنڈی کھٹکائی۔ بہن کا ماتھا ٹھنڈا کا بہنوئی نے خواب رخاں کو ایک گوشہ
میں پوشیدہ کر کے دروازہ کھول دیا۔ بہن نے دیکھا کہ بھائی کے تیور

بیڑہ بگڑے ہیں۔ دل میں کہا خدا فیروز کرے۔ آخر مطلب سمجھ کر ڈرتے ڈرتے بھلی سے کہا۔ کہ اگر آپ ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم حاضر ہیں۔ لیکن میں یہ درخواست کرتی ہوں کہ جس چیز کو سن کر ہم نے اپنا دین بدلا ہے۔ ذرا آپ بھی اُسے سن لیں یہ کلمات عمر نے استعجاب کے ساتھ سنے اور کلام خدا کے سننے کی خواہش ظاہر کی خجائب طلب کئے گئے۔ آپ نے سورہ طہ کی قوت اور قرات کیساتھ تلاوت شریعت کی

طہ۔ ما از لسا علیک القرآن

لتشق الانذکرۃ لمن یخشیہ و

میں پڑے۔ لیکن نصیحت کی ڈرنیوالے کے لئے

تشریلاً بمن خلق الارض والسموات

(یہ) اُتارا سوا ہے اُس کا جس نے زمین پیدا کی

العلی۔ الرحمن علی العرش استوی

اور بلند آسمان۔ وہ رحمان ٹھکان ہے عرش پر اسی کا

لہ مافی السموات و مافی الارض و ما

ہے۔ جو کچھ ہے آسمان میں اور جو کچھ ہے زمین میں

بینما۔ و ما تحت الثری۔ و ان

اور جو کچھ ہے ان کے درمیان اور جو ہے تحت الثری

تجہر بالقول فانه یعلم السر و الخفی

میں۔ اور اگر تو کہے کچھ پکار کر تو اس کو خبر ہے پوشیدہ

اللہ لا الہ الا ہولہ الاسماء الحسنی

کی۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہ

دہل اتاک حدیث موسیٰ اذ را

نہیں۔ اس کا نام پاک ہے کیا پہنچی ہے بات

ناراً فقال لا الہ الا کمثو۔ انی اہست

تجہ کو موسیٰ کی جب اس نے دیکھی ایک آگ۔ تو

نار العلی۔ اتیکم منہا یقبس او

کہا اپنے گھروالوں کو ٹھیر دیں نے دیکھی ہے اب ایک

اجد علی النار ہدے۔ الخ

آگ شاید آؤں تمہارے پاس اس میں سے آگ

سلگا کر یا پاؤں اس آگ کے ذریعہ راستہ کا پتہ۔

عمر بہت چاہتے تھے۔ کہ اس کلام سے اثر پذیر نہ ہوں۔ لیکن خدائی طاقت سے مقابلہ کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔ اس واسطے وہ کیونکر اپنے امادہ میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ خدائی کلام نے۔ ہاں پُر صداقت کلام نے ان پر جادو سے زیادہ اثر کیا۔ وہ اس کے رام ہو گئے۔ عمر اب وہ عمر نہ تھے۔ جو پہلے آئے تھے۔ بلکہ اب وہ ایک نہایت رفیق القلب اور کمزور انسان بن گئے تھے۔ بے خودی

اور محویت کے عالم میں ان کی زبان سے نکلا۔ یہ انسانی کلام نہیں۔ یہ تو اس سے بہت بالاتر چیز ہے۔ اس کے ساتھ ہی خواہش کی کہ مجھے آنحضرت کے پاس لے چلو چنانچہ وہ جناب کے ہمراہ ارجم کے مکان کی جانب چلے +

ارجم انصاری حضرت کے خاص رفیقوں میں تھے چونکہ ان کا مکان کسی قدر وسیع تھا۔ اس واسطے ان دنوں خود آنحضرت اور تمام مومنین و مومنات جو مکہ میں موجود تھے یہیں قیام رکھتے تھے۔ اور عبادت الہی میں مصروف رہتے تھے دشمنوں سے خائف مگر غیبی امداد کے منتظر تھے۔ ان لوگوں کو اس چیلنج کی جو ابوجہل نے برسرِ مجمع عام دیا تھا۔ اور اس عہد کا جو حضرت عمرؓ نے کیا تھا حال معلوم ہو چکا تھا۔ کہ عمر اپنا کام پورا کرنے کے لئے گھر سے جلد تھے ہیں۔ اور گویا یہ لوگ ان کی یا فرشتہ موت کی آمد کے منتظر تھے۔ مگر قدرتِ خدا سے واقف تھے عمر ارجم کے دروازہ پر پہنچے۔ کنڈی کھٹ کھٹائی۔ مسلمان سمجھ گئے۔ دشمن سر پر آپہنچا۔ کس کو جرأت کہ کنڈی کھولے خود آنحضرت نے کنڈی کھولی۔ اور بغیر ان کے چہرہ پر نظر ڈالے فرمایا: "اے عمر تم کب تک ہمارے خون کے پیاسے رہو گے؟ لیکن جب ان کی حالت دیکھی کہ گٹھے میں تلوار اس طرح ٹٹکی ہوئی ہے۔ گویا کہ بیکار ہے۔ اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور ان کی حالت سے بالکل وہ نقشہ عیاں ہے جو ایک سپرٹوالے ہوئے بہادر کا ہوتا ہے۔ تو اپنے دل میں شکر خدا فرمایا کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ عمر رٹ چاہتے تھے کہ حضرت کے قدموں پر گرے۔ مگر اس شفقتِ مجسم نے گٹھے سے لگا لیا۔ اور نہایت جوش کے ساتھ معاف کیا۔ اور ایسی محبت سے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ کہ اگر حاضرین واقعات سے واقف نہ ہوتے۔ تو وہ موجودہ حالت سے ہی سمجھتے کہ مدت کے بعد پچھڑے ہوئے حقیقی بھائی سپہ جوش اور مسرت سے گلے مل رہے ہیں۔ معزز ناظرین! یہ تھی اسلام کی شمشیر جو عین وقت پر کام کرتی تھی۔ اور کام کرتی رہے گی۔ آپ کو یاد ہو گا۔ کہ عمر کون تھے۔ کس ارادہ سے آئے تھے۔ اور اب کیا ہو گئے۔

اور آئندہ زمانہ میں آپ نے اسلام کی کیا کیا خدمات انجام دیں۔ یہی وہ جرنیل ہوئے جس کی دھاک ساری دنیا میں بندھی ہوئی تھی۔ اور جس کی نظیر دنیا آج بھی باوجود صدیاں گزر جانے کے پیش نہیں کر سکتی ہے۔ فتومات اسلام کا مقصد حصہ آپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

مہر حضرت عمرؓ ذاتی طوع پر ایک غیر معمولی شجاع ہونے کے علاوہ نہایت تجربہ کار صاحب تدبیر بزرگ تھے۔ اویسی واسطے ان دنوں آپ مکہ کے خارجی معاملات کے انچارج تھے۔ آپ بھی وجہ تھی کہ آپ کے اور حضرت حمزہؓ کے ایمان لاتے ہی مکہ کے بت پرستوں پر گویا بجلی گر گئی۔ تمام شہر میں ان کے متعلق چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اس کیساتھ ہی مظلوم مسلمانوں کی جان میں جان آگئی۔ وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے۔ کہ اس نے ان کی خطا

علائیہ اعلان حق

کا یہ سامان غیب سے مہیا کیا۔ اور اب مسلمانان مکہ کی حالت میں ایک نمایاں فرق نظر آ رہا تھا۔ اب تک یہ لوگ پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں میں چھپ چھپا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے ایمان لاتے ہی انھوں نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اس میں شک نہیں کہ باجماعت نماز کا نظارہ ایک عجیب و غریب نظارہ تھا۔ کہ تمام جماعت شہنشاہی و احسن کھڑی ہو جاتی تھی۔ تو خدا کے سوا کسی چیز کے سامنے سر نہ جھکاتی تھی۔ اور جب سجدہ میں گر پڑتی تھی۔ تو صرف خدا کے سہارے سے ہی کھڑی ہوتی تھی۔ مگر کفار تریش پر اس کا کچھ اٹنا ہی اثر ہوا۔

اسی اثنا میں حضرت کے چچا ابوطالب نے اور پھر چند وفات حضرت خدیجہؓ و ابوطالب

روز بعد حضرت کی حرم محترم جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ ان دونوں حادثات کا انحضرت کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ آپ کے چچا آپ کے کس قدر سہرا اور غمخوار تھے۔ بی بی خدیجہؓ سے آپ کا کیا تعلق تھا؟ یہ باتیں اس کتاب کے پڑھنے والے جانتے ہیں۔ پس بحیثیت

انسان ہونے کے یہ قدرتی بات تھی کہ آنحضرت کے رفیق قلب نے ان حادثات کو بغیر غیر معمولی بیخ و اندود نہ دیکھا۔ بی بی کے انتقال نے آپ کو یکس بنا دیا۔ چپا کے اٹھ جانے سے بظاہر اسباب آپ کا ایک مربی اور مددگار نہ رہا۔ یہ دونوں باتیں ایک معمولی انسان کا حوصلہ توڑنے کے لئے کچھ کم جھیں لیکن انسان کے اور خدائی ارادہ میں ایک بین فرق ہوتا ہے۔ اس کے لئے آنحضرت ان حادثوں کے بے اور مستحکم اور مضبوط پائے گئے۔ اور اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ وہ بہر حال بہر کار خدائے قادر مطلق کو اپنا حافظہ نامر سمجھتے تھے۔ اور یہی بات آپ کا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی +

یہ سب کچھ تھا مگر قریش اپنے خیالات سے باز نہ آتے تھے۔ بلکہ اُلٹے ہی چلتے تھے۔ چنانچہ اب انھوں نے ایک نیا منصوبہ کانٹھا۔ وہ یہ کہ آپس میں ایک معاہدہ تحریر کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ تمام شہر حضرت اور ان کے خاندان اور تمام مسلمانوں سے داود مستد اور خرید و فروخت بلکہ رشتہ نامہ بند کر دے۔ یہ معاہدہ لکھا گیا اور خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ اس زمانہ میں بس بات کا اعلان عام کرنا ہوتا تھا۔ اُسے لکھ کر خانہ کعبہ کی چھت سے آویزاں کر دیا کرتے تھے +

اس معاہدہ کا اصل مدعا یہی تھا کہ پیغمبر اور مسلمانوں کو زیادہ بائیکاٹ سے زیادہ اذیت پہنچائی جائے۔ اس وقت آنحضرت اور ان کا قبیلہ ایک جگہ "نسب ابوطالب" میں گویا محصورانہ حیثیت سے رہنے لگے۔ خرید و فروخت کا سلسلہ بالکل بند تھا۔ مسلمان کوئی ضرورت کی چیز بازار سے نہ خرید سکتے تھے۔ اور اس بات کی سخت نگرانی کی جاتی تھی۔ اور یہ حالت کال تین سال تک قائم رہی۔ معصوم بچے بھوک سے اس قدر چلا تے تھے کہ ان کا شور مکہ تک پہنچتا تھا +

بنی ہاشم (قبیلہ آنحضرت) اگرچہ تمام کا تمام مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن

قرابت داری کے خیال اور خون کے جوش سے اس کو اس قدر خیال ضرور تھا کہ کوئی شخص آنحضرت کی جان کا قصد نہ کرے۔

ایک محلہ کا محاصرہ شدید بظاہر کچھ زیادہ تکلیف دہ امر نہیں معلوم ہوتا لیکن جب اس کا مقابلہ اسی قسم کے واقعہ سے کیا جائے تب اصل حقیقت کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ اخبار میں حضرات کو یاد ہو گا کہ لارڈ کرزن کی وائسرائلٹی کے زمانہ میں جب سرحدی وزیر یوں کے صرف انگریزی علاقہ میں آنے کی مانفت کی گئی۔ اور صرف نا کے روکے گئے۔ تو حالانکہ تمام ملک افغانستان اُن کیلئے کھلا ہوا تھا اور خود اپنے نیرا نایل مرئج علاقہ میں ان کو چلنے بچھرنے اور تجارت زراعت کی کامل آزادی تھی۔ مگر بایں ہمد و چند مہینوں میں چیں بول گئے۔ اور انگریزی شرائط مان کر صلح کر لی۔ اس سے قدرے اندازہ ہوتا ہے۔

اُن تکالیف کا جو جسمانی اور روحانی طور پر محصورین پر وارد ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں غور کرو کہ آنحضرت اور اُن کے رفیقوں نے تین سال متواتر نیرنگی زیادہ تکالیف بہ خوشی برداشت کیں۔ مگر اپنے دعوئے حقانی سے ایک ذرہ برابر ہٹنا پسند نہ فرمایا۔ آپ کا یہ فعل طاقت اور استقلال بشری سے یقیناً بالاتر تھا۔ اور محض اسی لئے دکھایا جاسکا کہ یہ کام انسان کا نہ تھا۔ بلکہ کائنات کے مالک حقیقی کا۔ اور اسی نے آپ کو یہ صبر و حوصلہ عطا فرمایا تھا۔

کامل تین سال گزر گئے۔ مسلمان اس حالت میں بھی صابر و شاکر رہے۔ مگر اب اس امتحان کا خاتمہ ہو گیا۔ اُسے تو معاہدہ مذکور کو جو خانہ کعبہ میں آویزاں ہوا تھا۔ ویک چاٹ گئی۔ اور ہر کہ کے چند اعراب کے دل میں جم اور انصاف کی لہریں اٹھیں۔ انھوں نے قریش کو حمیت اور غیرت دلائی۔ کہ اپنے ہی بھائیوں کیساتھ ایسی بے رحمی کہا تک جائز ہے۔ آخر انھیں بھی شرم آگئی۔ اور مذکورہ بالا بندش توڑ دی گئی۔ محصورین کو آبادی میں آنے کی اجازت مل گئی۔ تاہم ان لوگوں نے انساب کا سخت انتظام کیا کہ کوئی شخص آنحضرت کا دُعظ نہ سننے پائے۔

جب ایسی بندش تھی تو آنحضرت اپنا فرض کیوں کر ادا کرتے۔ اس لئے آپ کو سخت
 حائل کو روکا گیا۔ **الحجج تھی۔** دوسرے اہل مکہ پر وعظ و نصیحت کا کچھ اٹسا ہی اثر پڑتا تھا۔ اسوقت
 آنحضرت نے اب ارادہ کیا۔ کہ ذرا مکہ سے باہر نکلا کر بھی لوگوں کو تلقین کر دیکھیں چنانچہ
 آپ یہ ارادہ کر کے اور اپنے ہمراہ زید کو لے کر شہر مکہ سے باہر آئے۔ اور راستہ میں
 وعظ و نصیحت کرتے ہوئے طایف جاپہنچے۔ شہر طائف مکہ سے ستر میل کے فاصلہ
 پر جانب شمال پہاڑ پر واقع ہے۔ آپ نے وعظ و نصیحت شروع کی مگر وہاں کے
 لوگوں کو آواز تو حید بھلی نہ معلوم ہوئی۔ بلکہ سخت برہم اور برا فروختہ ہو کر آپ
 سے کہنے لگے۔ کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔ علاوہ انہیں پیغمبر پر
 پتھروں اینٹوں کی بوچھاڑ کی۔ آپ کے پیچھے لڑکے لگا دئے۔ اور شہر کے پتھوں۔
 شہدوں کو اُکسا کر آپ کی ایذا دہی پر بایں کیا۔ یہ فعل تھا شہر طائف کے سردار
 اور اس کی فریات کا۔ ایک کم بخت نے تو حضرت پر اسقدر کچڑ اور پتھر پھینکے کہ
 مجبوراً آپ کو ایک مکان کے احاطہ میں پناہ گیسو نا پڑا۔ ایک ظالم نے ایسا
 پتھر پھینکا کہ آپ کی ہڈی سے خون جاری ہو گیا۔ اور نکل دیا اور پتھر کی بارش
 اہل طائف کی شرارت

آپ کو ایسی ضرب پہنچی کہ آپ بیہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ اور
 حضرت زید آپ کے رفیق اپنی پشت پر ڈال کر شہر سے باہر لائے چشمہ کے پانی
 سے منہ پر چھینٹے دئے۔ تب جا کر آنحضرت کو ہوش آیا۔ مگر انغمضہ اللہ جو ش کرم
 اور دفور رحمت کا یہ عالم تھا کہ دعائے بد کی جگہ یہی فرمایا کہ اگر یہ لوگ اسلام
 نہیں لاتے۔ تو کیا ہوا انشاء اللہ ان کی اولاد ضرور کلئے توحید کو قبول کرے گی

اور ایسا ہی ہوا بھی۔ عے ریخت مذہبیر تو سنگ و شمنناں
 چوں گل شگفتہ بود رخ جانفرائے تو

روایت میں آیا ہے کہ اسوقت حضور نے درگاہ خداوندی میں نہایت خضی
 بخشوع سے دعا مانگی تھی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-
 ”اے خدا! میں اپنی کمزوری، بے سروسامانی، اور لوگوں کے تحقیق کی فریاد کو تامل

اسے خدا تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اور عاجزوں اور نادلوں کی پرورش کرنے والا ہے +

اے پروردگار! کیا مجھے ترش رو آشا کے سپرد کیا جاتا ہے۔ یا دشمن کے۔ جس سے میرا کام سپرد کر دیا گیا ہے۔ لیکن جب تیرا غضب مجھ پر نہیں۔ تو مجھے رانِ صیبتوں کی کچھ پروا نہیں۔ کیونکہ تیری کبھی ہوئی عاقبت میرے لئے بخوبی کافی ہے! میں تیرے وجہِ نورانی کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں روٹن ہو جاتی ہیں۔ اور دینِ دنیا کے سب کام درست ہو جاتے ہیں۔ تاکہ تیرے غضب اور عتاب سے محفوظ رہوں۔ تو جو چاہے سو کر۔ مجھے تو تیری ہی رضا و کار ہے اور نیکی کرنے کی طاقت۔ یا بدی سے بچنے کی توفیق مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے +

وہا کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضور کو خدائے پاک پر کتنا بھروسہ تھا۔ آپ کے دل میں کتنی استقامت تھی۔ اور اپنی راستی کی بالآخر فتح کا کتنا پختہ یقین تھا +

آنحضرت کو طائف سے فوراً واپس آنا پڑا مگر ابھی مکہ کی آبادی میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ کو معلوم ہوا۔ کہ لوگ آپ کی جانب سے بُری طرح بھرے بیٹھے ہیں۔ بات یہ تھی۔ کہ طائف کے واقعات کی اطلاع اُن تک پہنچ گئی تھی۔ اور اب ان لوگوں نے یہ منصوبہ کیا تھا۔ کہ اول تو محمدؐ کو شہر ہی میں نہ آنے دو اور اگر آجائے۔ تو زندہ نہ رہنے دو +

آنحضرت نے ایسی جوش کی حالت میں مکہ میں دفعتاً جانا غلافِ مصلحت سمجھا اور اس واسطے آپ نے اپنے بغض و اقیاف لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ ”کیا تم خدا کے لئے مجھے پناہ دے سکتے ہو؟ میں تم لوگوں کو مجبور نہیں کرتا کہ تم دینِ اسلام قبول کرو۔ البتہ صرف اس قدر چاہتا ہوں۔ کہ پیغامِ حق لوگوں تک پہنچاؤں اور بس!“ اس پیغام کا جواب نفی میں دیا گیا۔ غریزوں اور دوستوں کے خونِ سفید

ہو گئے۔ ان لوگوں نے باطل آنکھوں پر ٹھیکریاں رکھ لیں۔ اور صاف انکار کر دیا کہ ہم ایسے شخص کو پناہ دینے کے بالکل روادار نہیں مہیبت ایک امتحان قدرتی ہے ایسے ہی وقت پر سچا عزیز اور آشنا پہچانا جاتا ہے +

خیر حضرت کے یگانوں کا تو یہ حال تھا۔ مگر خدا اپنی قدرت امتحان بجا لگتے دے بجا لگتے دکھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس وقت ایک عرب معطل بن

عدی کا دل سبجا۔ یہ نہ تو آنحضرت کے فائدان سے تعلق رکھتا تھا نہ آپ کا دوست تھا۔ بلکہ ایک غیر شخص تھا۔ مگر اس نے نہایت جوش بھرے دل سے قریش کو ان الفاظ سے مخاطب کیا: اے بھائیو! ہم لوگ مہمان نوازی جب وطنی میں نزدیک و دور مشہور رہے ہیں۔ مگر اب ہم کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا یہی شیعہ و شرافت ہے۔ کہ ہم ایک شریف النسل بھائی کے ساتھ یہ بیدردی کریں۔ کہ اُسے گھیریں نہ آنے دیں۔ بھائیو! شرم کا مقام ہے!! ہماری غیرت کہاں گئی!! اس کے بعد معطل نے یہ کارروائی کی کہ اونٹ پر سوار ہو گیا اور چلا چلا کر لوگوں سے کہتا پھرا کہ آج سے میں نے محمد کو اپنی پناہ میں لیا۔ پس جو شخص اس کا دشمن ہے۔ وہ میرا بھی دشمن ہے۔ اس فوری تبدیلی پر قریش بڑے دنگ ہوئے۔ اُن میں سے کئی لوگوں نے معطل سے سوال کئے کہ کیا تو نے محمد کا مذہب قبول کر لیا۔ مگر اس نے بڑے استقلال سے کہا۔ کہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جب میں اس کا مذہب قبول کروں تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ مجھے فوراً قتل کر دینا۔

سبحان اللہ کن کن طریقوں سے وہ اپنی قدرت کاملہ کا اظہار کرتا ہے حضرت عمرؓ حضرت حمزہؓ ایمان لائے۔ تو بعض لوگوں نے کہا کہ وہ حضرت کے عزیز تھے۔ باہم من سمجھوتہ ہو گیا ہو گا۔ غیروادری کا خیال کیا ہو گا۔ اب قدرت نے ایک بیگانہ محض کو آپ کا طرفدار بنا کر ایک ایسی مثال قائم کر دی جس پر دوست دشمن کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہیں۔ اور اس میں یہ خاص نکتہ اور ہے۔ کہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ مگر پیغمبر اسلام کی حفاظت اپنا فرض سمجھتا تھا +

اس کے بعد معطم اور اس کا قبیلہ آنحضرت کو شہر میں لے آئے۔ آپ نے طواف کعبہ کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ آپ بیت اللہ پہنچے۔ اور طواف میں مصروف ہوئے جب تک آپ طواف میں مصروف رہے۔ آپ کے پناہ دہندہ آپ کی حفاظت کرتے رہے کہ سب ادا کوئی شریک آپ پر حملہ کر دے۔ آنحضرت اس عبادت سے فارغ ہو کر اپنے مکان تشریف لے گئے۔

اگلے روز جب آپ وعظ و نصیحت کی غرض سے تشریف لائے۔ اعلیٰ اخلاقی حالت تو معطم بغرض حفاظت آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ آخر ایک جگہ کھڑے ہو کر کلام پاک پڑھنا شروع کیا۔ مگر اشارہ قریش نے بدستور دی منقطع کی بوجھار شروع کر دی اور آپ کیساتھ معطم کو بھی بے نقط سناٹیں۔ مگر حضرت یہ کب گوارا فرما سکتے تھے کہ ان کی وجہ سے معطم بھی معطون غلام بنے۔ اس واسطے اگلے روز جب وعظ فرمانے لگے۔ اور لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے صاف طور پر فرمادیا کہ اب میں معطم کی پناہ میں نہیں ہوں۔ اس واسطے میری وجہ سے اُسے کوئی تکلیف نہ دے۔ میری حفاظت کے لئے میرا خدا ہاں تا وہ مطلق خدا کا ہے۔

اب آنحضرت بدستور سابق اپنے کام میں مصروف تھے۔ آواز حق بلند کرنے میں کوئی شے ان کے مانع نہ آئی۔ وہ خدا کی ذات اور اس کی امداد عظمیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سرکف تبلیغ الہی میں محو تھے۔ ان کو تن بدن کی سُدھ نہ تھی۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر قدرت ان سب پیش بندیوں کی کاٹ چھانٹ میں مصروف تھی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے معلوم ہو گا۔

ایک شخص انھیں ایام میں طفیل بن عمر نامی جو قبیلہ دوس کا سردار تھا کسی کام کے لئے مکہ آیا۔ رؤسائے مکہ نہایت دہوم و دہام سے استقبال کرتے ہوئے اُسے شہر میں لے آئے۔ سلسلہ کلام میں حضرت اور آپ کے مذہب کا ذکر آیا۔ تو مکہ کے رئیسوں میں سے ایک نے کہا: "جناب کیا کہیں ہم تو تنگ آ گئے ہیں

اس شخص سے ہماری تو جان عذاب میں ہے۔ اس... نے ہمارا دین بھی برباد کیا اور دنیا میں بھی نفرت ڈال رہا ہے۔ نا اتفاقی کا بیج بوچکا ہے عجیب بات ہے کہ جو شخص ایک بار اس کی باتیں سن لیتا ہے۔ وہ ماں باپ بہن بھائی عزیز نیگاؤں سب کو چھوڑ دیتا ہے۔ بس اسی کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے۔ گھر گھر میں اس نے فساد ڈال رکھا ہے۔ اس کی زبان میں بلا کا جادو ہے خدا کسی کو اس کی باتیں نہ سناے؛ اسی طرح اور بہت کچھ کہا سنا۔ غرض اس شخص کو حضرت کا پورا دشمن بنا دیا۔ طفیل نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ تم نے اچھا کیا کہ مجھے اس خطرہ سے آگاہ کر دیا۔ میں تو ایسے شخص کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ تھوڑی سی روٹی لے آؤ۔ جب روٹی آئی تو اس نے اپنی جیب میں رکھ لی۔ اور کہا اگر کہیں محمد سے ملت بھیجی ہو گئی۔ تو جھٹ یہ روٹی اپنے کانوں میں ٹھونس لوں گا۔ تاکہ اس کی زبان کا جادو مجھ پر اثر نہ کرے۔ مگر قدرت اس کے ان الفاظ پر سن رہی تھی د

اس واقعہ کے تیسرے روز آنحضرت سر راہ بہ آواز بلند نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ آپ کی قرأت کی آواز ایک اجنبی کے کان میں طفیل کا ایمان لانا پڑی۔ وہ شخص آپ کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ یہ ایک عجیب حالت میں مبتلا تھا کان کہیں متوجہ تھے۔ ہاتھوں کو جیب کی جانب لیجا ناچاہتا تھا۔ مگر وہ کام نہ دیتے تھے۔ کہیں انھیں فالج تو نہ مار گیا تھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ حضرت نماز سے فارغ ہوئے۔ اور بلا اس کا خیال کئے ہوئے کہ کوئی شخص ان کی جانب متوجہ ہے یا نہیں۔ اپنے مکان کو چلے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر دروازہ بند کر لیا۔ ابھی پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ کسی نے کٹدی کھٹکھٹائی۔ آپ نے دروازہ کھولا دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے جو نماز کی قرأت سن رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کھینچے اپنے سر کو حضرت کے قدموں پر ڈال دیا۔ اور زار زار رونے لگا۔ طفیل ابن عمر تھا جسے چند روز قبل سہوان کہ نے آنحضرت کی مخالفت کا سبق پڑھایا تھا۔ اور جو اپنی جیب میں روٹی رکھتا

تھا۔ دراصل قدرت کی طاقت اور کلام پاک کی صداقت اپنا کام کر گئی تھی۔ ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ قبیلہ دوس کا سحر صاحب ثروت رئیس ایک بیسن وغریب نوجوان کے قدم چوم رہا ہے۔ انرض طفیل دولت ایمان سے فیضیاب ہو کر دو چار روز بعد اپنے وطن کو چلا گیا۔ اور اس معجزانہ واقعہ نے ان غریب مسلمانوں کے ایک گونہ آنسو پونچھے جو تشدد پر تشدد دھڑک رہے تھے اور امداد یغیبی کے سیدواہ تھے۔ لیکن اس واقعہ سے قریش اور بھی چورخ پا ہوئے۔ اور ان کے غیظ و غضب کا پارہ چند درجہ اوپر چڑھ گیا۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں نیا جوش لے کر آئے۔ کونسا ستم تھا جو قریش نے اٹھا رکھا۔ اور کونسا ظلم نہ تھا جو غریب مومنوں پر نہ توڑا گیا۔ ان کا قصور کیا تھا؟ صرف یہ کہ خدا کے مطلق کو کیوں پکارتے ہیں۔ وہ کم سخت آئے دن نئے نئے ظلم ایجاد کرتے تھے جب آپ وعظ کر کے باہر سے تشریف لاتے۔ تو اشرار ٹوکر لے کر آپ کو زاکرٹ بھر کر آپ کے سر پر ڈال دیتے۔ آپ گھر پر تشریف لاتے اور آپ کی کمٹھی فاطمہ آپ کے بال صاف کرتیں۔ اور آنکھوں میں آسنو بھر لاتیں۔ خدا جانے اس ننھی بچی کے دل پر کیا اثر ہوتا ہوگا۔ حضرت اس پر صبر فرماتے اور اسکو بھی مصلحت ایزدی سمجھ کر خاموش ہو رہتے۔

آپ کی بی بی حضرت خدیجہؓ انتقال فرما چکی تھیں۔ آپ کے رفیقوں کو آپ کی تنہائی کا اکثر خیال رہتا تھا۔ خصوصاً حضرت ابوبکرؓ کو تو اس بارہ میں بہت ہی تردد تھا۔ آپ سے نہ رہا گیا۔ اور آپ نے اپنی دختر نیک اختر کو حضرت سے منسوب کرنے کی درخواست کی اور یہاں تک اصرار کیا کہ آنحضرت کو بھی رضامند ہونا پڑا۔ حضرت ابوبکرؓ کی دختر نیک اختر عائشہؓ ایک پاکیزہ صورت اور بارہ لڑکی تھیں۔ آنحضرت کی نسبت ان سے ٹھہر گئی۔ اس تعلق سے حضرت ابوبکرؓ کا اتحادی سلسلہ آنحضرت کے ساتھ اور مضبوط اور مستقل ہو گیا۔ اس واقعہ سے اس اتحاد اور یکجا نگت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو اسلام نے قائم کرنا ہی مقصد

کہ آنحضرت کے رفیق و احباب کس درجہ آپ کی خدمت کے لئے جان و مال اور مالا سے حاضر تھے۔ ہمتی سے حضرت مسیح علیہ السلام کو ایسے عاری لے تھے۔ جو ان کی تکلیف کا باعث ہوئے۔ اور جنہوں نے آپ کو فروخت کیا۔ اور خدا کا کیا کیا کیا کیا

انہیں ایام میں ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا کہ ایک نوح ثانی اور بیوہ سولی سرپرستی عمر بیوہ سو وہ ۱۱۵ی نے جو مسلمان ہو چکی تھی اپنے آپ کو حضرت کے روبرو نکاح کے لئے پیش کیا۔ مانا کہ آپ عائشہ صدیقہ سے منسوب ہو چکے تھے۔ سودہ کی درخواست عجیب و غریب تھی اس نے کہا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ میری عمر شادی بیاہ کی نہیں ہے۔ نہ مجھے کسی اور بات کی آرزو۔ مگر میری تنہا ہے۔ کہ آپ کے حرم میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کروں۔ حالات اسی کے مقتضی تھے۔ کہ سودہ کی درخواست کو رو نہ کیا جائے۔ اول تو اس درخواست کے الفاظ ایسے تھے۔ دوسرے سودہ ایک بکس مسلمان عورت تھی اس کا شوہر جس کو خود اس نے مسلمان کیا تھا حبش کی جلاوطنی کے ناز میں وفات پا چکا تھا۔ اور اس جلاوطنی کا سبب سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی قریش کے ظلم و ظم سے تنگ آکر حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ آخر جب اس کے شوہر نے انتقال کیا تو یہ بڑھیا کہ واپس آگئی۔ الغرض اس کے حقوق اور موجودہ بکسی اس کی انگریز بدست سفارشین تھیں۔ علاوہ ازیں بیوہ عورتوں کو سلسلہ ازدواج میں لا کر سرپرستی کرنا انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک قدیم رسم بلکہ سنت تھی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ اور دیگر پیغمبر اس کی نظیر قائم کر چکے تھے۔ اس واسطے آنحضرت نے بھی نظم و سیراں و جوہات سودہ بنت رفیعہ کو مسلک زوجیت میں منسلک کر کے ایک ثواب عظیم حاصل کیا۔

آہ بعض مورخ خصوصاً عیسائی مورخ آنحضرت کی کثیر لاز و دعا ہی پر نکتہ

چینی کرتے ہیں۔ لیکن واقعات کو متعصب کے پردہ میں دیکھتے ہیں۔ کاش وہ انھیں کو بھی آنکھ سے ادھل نہ ہونے دیں۔

اسلام نے ایک سے زیادہ بیبیاں جائز کی ہیں۔ بشرطیکہ ان سے یکساں سلوک کیا جائے۔ مگر یہ بتا دیا گیا ہے۔ کہ بیویوں میں عدل قائم رکھنا انسان کی قوت سے باہر ہے۔ ان الفاظ سے گویا پہلے حکم کی نفی ہو گئی ہے۔ مگر کیسی غبی سے جھگڑا یہ نہیں کہا گیا۔ کہ تم ایک سے زیادہ بیویاں نہ کرو۔ کیونکہ یہ خلاف طبیعت ہوتا۔ لیکن ساتھ ہی ایسی کڑی شرط سے مشروط کر دیا جس کی بجا آوری از حد مشکل ہے۔

آنحضرت نے اول بی بی خدیجہ سے نکاح کیا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا۔ تو پھر عائشہ صدیقہ سے سودہ سے نکاح ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ کیونکہ اس سے حظ نفسانی کو کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ اس کے ہمسایہ وجود اور پردہ کو روہ چکے ہیں۔ پس کن عقل کا اندما ہے جو ایسی صورت میں آنحضرت کو معاذا اللہ نفس کا بندہ۔ یا کشیر الازدواجی کی اشاعت کرنیوالا کہہ سکتا ہے۔ گو سودہ اور عائشہ ایک درخت میں آنحضرت کے نکاح میں رہیں تاہم سودہ کا عدم وجود برابر تھا۔ اور بی بی خدیجہ کے ایسے سترضین کے اعتراضوں کا۔

گیارہویں سال نبوت میں ایک اہم واقعہ پیش آیا جو تاریخ میں اہل مدینہ کا ایمان لانا خاص شہرت رکھتا ہے۔ آنحضرت بہ دستور وعظ و تلقین فرماتے رہے۔ اور قریش اپنی مخالفانہ کارروائیوں میں مصروف تھے۔ ایک روز آپ باہر سے تشریف لارہے تھے۔ کہ مکہ کے باہر آپ نے چند لڑکوں کو باتیں کرتے سنا۔ آپ ان کے قریب گئے معلوم ہوا کہ یہ یثرب (مدینہ) کے باشندے ہیں۔ حضرت نے انھیں کلام الہی سنا دیا۔ یہ چھ آدمی تھے۔ کلام صداقت الیام جسکی نسبت بت پرستان مکہ کی یہ رائے تھی کہ بس اسی میں جا دو ہے۔ اسے سنا نہیں اور آدمی چھنا نہیں۔ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ اور فوراً مسلمان

ہو گئے۔ اور جب اپنے وطن واپس پہنچے تو بیان کیا کہ مکہ میں پیغمبر خدا کا ظہور ہوا ہے۔ وہ بندہ خدا تمام جھگڑوں اور فسادوں کو مٹا رہا ہے۔ وہ صداقت کو سچیلاتا اور باطل پرستی و بت پرستی کی بیخ و بن اکھاڑتا ہے۔ اس آواز سے اہل یثرب کو اسلام سے غائبانہ محبت ہو گئی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اگلے سال (۶۱۰ء) نبوت میں بارہ انھیں مکہ آئے۔ اور مسلمان ہو گئے حضرت نے حسب معمول ان سے حلف لیا کہ وہ آئندہ ایک خدا کی عبادت کریں گے۔ اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔ چوری۔ فسق و فجور۔ زنا کاری سے پرہیز کریں گے۔ جھوٹ نہ بولیں گے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور نہ کریں گے۔ اور ایمان داری سے پیغمبر خدا کا ساتھ دیں گے۔ وغیرہم

اس کے بعد وہ لوگ اپنے وطن کو واپس گئے۔ آنحضرت نے اسلامی نقیب مدینہ میں حضرت مصعب بن عمرؓ صحابی کو بطور نقیب دین ان کے ہمراہ کر دیا۔ تاکہ وہ لوگوں کو تلقین دین کریں۔ اس کا بہت اچھا اثر ہوا یثرب کے لوگوں کے دلوں میں اس نے بہت اچھا تخم بویا۔ انھیں ایام میں واقف معراج شریف وقوع میں آیا۔ جس کی تفصیل ہم کسی اور موقع پر کریں گے حضرت مصعب کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ اگلے سال یعنی ۶۱۰ء نبوت (۶۱۰ء) میں پچھتر آدمی ایک قافلہ کی سعیت میں مکہ پہنچے اور آنحضرت کے دست مبارک پھیت کی صدق دل سے اسلام قبول کیا نیز آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمارے شہر میں تشریف لے چلیں ہم سے جو بڑے کا خدمت کریں گے۔ مگر آنحضرت نے واقعات کا اشارہ کر کے صاف کہہ دیا کہ اگر میں تمہارے شہر میں گیا۔ تو تم لوگوں کو میری وجہ سے بڑی بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر وہ صداقت کے غید اپنی درخواست پر قائم رہے۔ اور کہا کہ ہم طرح تیار ہیں۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر آپ تشریف ضرور لے چلیں، آنحضرت رضامند ہو گئے۔ اور اہل یثرب نے بطور مجاہدہ ایک یہ شرط پیش کی اگر حضور کو آئندہ زمانہ میں کامیابی ہو۔ تو آپ

اہل مدینہ کی درخواست کی قبولی ہم غریبوں کو بھول نہ جائیں۔ بلکہ ہمارے شہر کو ہی اپنے قیام سے سعادت و اربابِ بخشش۔ اس درخواست سے پتہ چلتا ہے کہ اہل مدینہ کو آنحضرت سے کس درجہ الفت ہو گئی تھی۔ حضرت نے اس کو قبول کیا۔ اور اس عہد کو آخر تک اس درجہ نبھایا۔ کہ آخر یہی شہر آپ کا دفن بنا۔ اب بظاہر روائی مدینہ کا انتظام ہو چکا تھا۔ اور اہل مدینہ سے مذکورہ بالا گفتگو ہو چکی تھی۔ مگر ایک قریش نے جو ایک گوشہ میں چھپا ہوا اس تمام گفتگو کو سن رہا تھا اور سب کا روائی دیکھ رہا تھا۔ یہ قصہ مکہ والوں کو جاسنایا۔ وہ لوگ جھٹ اس قافلہ پر چڑھ دوڑے۔ اور ان لوگوں کو تلاش کیا جو مسلمان ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے آنحضرت سے عہد و پیمان کیا تھا۔ مگر کہیں پتہ نہ لگا۔ آخر بے نیل مرام واپس چلے آئے۔ اور قافلہ اپنی منزل مقصود کو روانہ ہوا۔

قریش مکہ کا ہنوز وہی رنگ تھا۔ خدا جانے وہ کس مٹی کے بنے مسلمانوں کی ہجرت ہوئے تھے کہ اُن کا دل نہ پسینا۔ اسوقت آنحضرت نے ترک وطن کا غم کر لیا۔ آنحضرت خود جس حالت میں بن پڑتا تھا ان کے ظلم و ستم برداشت کرتے تھے۔ مگر صحابہ کی ہر وقت کی تکلیفیں دیکھ کر جو وہ کفار مکہ کے ہاتھ سے اٹھاتے تھے۔ آپ کو بڑا صدمہ ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے رفقا کو ہدایت کی کہ وہ شرب کو ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہا نے گھر بار۔ عزیز و اقارب۔ جائیداد۔ مال و متاع کی ہر وادہ کرتے ہوئے مدینہ کی راہ لی۔ مختصر عرصہ میں ہی ایک ایک دودو کر کے تقریباً ایک سو آدمی مکہ سے شرب پہنچ گئے۔ جس کی وجہ سے نصف کے قریب مکہ کی آبادی کم ہو گئی۔ اسوقت مسلمانوں میں سے صرف حضرت علی ابن طالب اور حضرت ابوبکر اور آنحضرت مع اہل و عیال کے مکہ میں موجود تھے۔ کفار مکہ کو جب اطلاع ملی کہ سو مسلمانوں کے قریب مع گھر بار کے ہجرت کر کے تقریباً آدھا مکہ ویران کر گئے۔ تو نہایت جھٹلائے۔ اور مکہ کے دارالاندوہ میں جو ان کلوپوں عام تھا ایک عظیم الشان جلسہ کیا۔ جس میں قریش مکہ اور دیگر قبائل کے سوار اکٹھے

ہوئے۔ لکھا ہے۔ کہ اس وقت درمجم کسی غرض کے لئے اس سے پیشتر کہ میں
کبھی نہیں ہوا تھا۔ الغرض جب تمام سردار آچکے تو کارروائی شروع ہوئی اور
ہر شخص کی آنحضرت کے متعلق زالی تجویز تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ جلاوطن کر دو۔ کوئی
کہتا تھا نہیں عمر قید۔ کوئی مصلح دیتا تھا۔ کہ اگر ملک کو مستقل طور پر نجات
دینی منظور ہے۔ تو قتل ہی کر دینا چاہئے۔ الغرض قتل پر سب کا اتفاق ہو گیا
اور اب صرف طریق قتل کا فیصلہ باقی رہا۔ کیونکہ یہ ایک اسم بات تھی۔ انتقام کا
اندیشہ تھا۔ قرار دلو یہ ہوئی۔ کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک بہادر آدمی انتخاب
کیا جائے۔ اور یہ سب لوگ رات کی تاریکی میں چپ چاپ حضرت کے مکان
کے چاروں طرف چھپ رہیں۔ اور جب وہ رات کو یا صبح کو گھر سے باہر نکلیں تو
سب بہادر ایک دم حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دیں، اس تجویز کا فائدہ یہ بتلایا
گیا۔ کہ جس قتل میں عرب کے تمام قبیلہ شامل ہوں گے۔ اس کے انتقام کے
لئے نہ تو مسلمان کچھ کر سکیں گے۔ نہ بنی ہاشم ہی کچھ بنا سکیں گے۔ مگر کاشش
انہیں معلوم ہوتا کہ دشمن اگر قوی است گجہاں قوی تر است“ غرض اس تجویز
سے عام اتفاق کیا گیا۔ اور وقت مقررہ پر پیغمبر خدا کے گھر کا محاصرہ کر کے
گھات میں لگ گئے۔ کہ جو نہی باہر نکلیں کام تمام کر دیا جائے۔ مگر وحی
ربانی کے ذریعہ حضرت کو اس تجویز کی اطلاع ہو گئی۔ اور اس کا بندوبست
آپ نے یہ کیا۔ کہ حضرت علی سے فرمایا کہ تم آج کی رات میری چادر اوڑھ کر میرے
بستر پر لیٹ رہو۔ دشمن تمہارا کچھ نہ کر سکیں گے۔ علی نے تعمیل کی۔ حضرت کے
پانگ پر لیٹ رہے۔ دشمن کبھی کبھی انظار سے تنگ آ کر کواڑوں
کی درزوں میں سے بھاگتے تھے۔ مگر چار پائی پر آدمی سوتا دیکھ کر مطمئن ہو جاتے
تھے۔ اب حضرت دولت خانہ سے برآمد ہوئے۔ مگر دل کے اندر سے قاتلوں کو بخیر
بھی نہ ہوئی۔ اور آپ سب کے سامنے سے نکل گئے اور کسی نے نہ پہچانا۔ آنحضرت صبح
بچ کر حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر پہنچے اور انہیں ہمراہ لے کر شبائش کوہ ثور کی چٹان

پر جا چڑھے۔ وہاں ایک غار دکھائی دیا۔ اول حضرت ابو بکرؓ اس میں اترے۔ اور اپنے بدن کے کپڑے چھاڑ چھاڑ کر اُسے صاف کیا۔ پھر اس کے روزن بند کئے تاکہ کوئی موزی یا نور نہ اُسکے پھر آنحضرتؐ اس کے اندر داخل ہوئے۔ اور تین شبانہ روزیہ دونوں بزرگ یہاں مقیم رہے۔ رات کو حضرت ابو بکرؓ کا بیٹا عبدالرحمن آجاتا اور اس سے اہل کمہ کی باتوں کا پتہ چلتا۔ اسی طرح ابو بکرؓ کی صاحبزادی اسماءؓ کھانا لے آتیں۔ اسی طرح عاھر بن فہیر غلام حضرت ابو بکرؓ رات کو دہاں بکریوں کا گالہ لے آتا۔ جس سے حضرت کو دودھ بھی ملتا اور اس ریوڑ سے آنے جانے والوں کے نقش قدم بھی مٹ جاتے تھے۔

رات گزر گئی۔ دن نکل آیا۔ اسوقت حضرت کے قاتلوں کو پتہ لگا کہ آنحضرتؐ کی بجائے حضرت علیؓ اس چارپائی پر سوئے ہوئے تھے۔ سخت شرمندہ ہوئے اور اس طرح آنحضرتؐ کے پیچ نکلنے پر نہایت طیش کھایا۔ وہ غصہ سے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ اور چاروں طرف دیوانہ وار تلاش کرتے پھرنے لگے۔ جب جستجو کے بعد بھی کامیابی نظر نہ آئی۔ تو اشتہار دیا گیا۔ کہ جو شخص محمدؐ کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اُسے ایک سواونٹ انعام دئے جائیں گے۔ اس سے لوگوں کا اور بھی جوش بڑھ گیا۔ اور خاص دعام اس انعام کے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ حتیٰ کہ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے اس غار کے مُنہ پر بھی پہنچے۔ جہاں آنحضرتؐ پوشیدہ تھے۔ جب ان لوگوں کے قدموں کی آواز حضرت ابو بکرؓ کے کان میں پہنچی۔ تو گھبرا کر کہنے لگے۔ کہ ہم صرف دو آدمی ہیں۔ دشمن ضرور مار ڈالیں گے۔ مگر آنحضرتؐ نے ان کو تسلی دی۔ اور کہا کہ ہمیں ہم دونہیں۔ بلکہ ہمارے ساتھ تیسرا ہے۔ اور وہ تیسرا سب سے زبردست ہے۔ درحقیقت ایسا ہی ہوا۔ اور اس تیسرے زبردست نے ان کو بچا لیا۔ اور یہ سب تملاشی آنحضرتؐ کو یہاں نہ سمجھ کر لوٹ گئے۔ روایت میں آیا ہے۔ کہ جبوقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام غار کے اندر داخل ہوئے تھے۔ اُسی وقت ایک مکڑی نے غار کے مُنہ پر جالاقن دیا تھا۔ اور ایک

تیسری نے اندھے ویدئے تھے۔ پس جب قریش یہاں پہنچے۔ اور انھوں نے اس غانکی یہ شکل دیکھی۔ تو انھوں نے کہا کہ پورا نا غار ہے۔ مکڑی کا جال اتنا ہوا ہے یہاں کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے وہ بے تحقیق چلے گئے۔ اور آنحضرت و دشمنوں سے محفوظ رہے۔ اگر نظر غور سے دیکھا جائے۔ اور تعصب کو تھوڑی دیر کے لئے علیحدہ رکھ دیا جائے۔ تو آنحضرت کے حالات اول سے آخر تک معجزات ہی نظر آتے ہیں۔ العظمتہ للہ +

تین یوم آنحضرت صلعم اس غار میں قیام پذیر رہے۔ چوتھے روز اس سے برآمد ہوئے۔ اور یثرب کی راہ لی۔ حسن اتفاق۔ بڑی شکل سے دو اونٹ لے گئے۔ جن پر آپ اور حضرت ابوبکر سوار ہو گئے۔ اور یثرب میں گئے۔ اور حضرت علیؓ نے اپنے جہاز سے اس سے کچھ دورے واقع ہوئے۔ اور یہاں چودہ روز قیام کیا۔ اس اثنا میں حضرت علیؓ بھی راتوں رات سفر کرتے آپ سے آئے۔ تب میں حضرت نے ایک مستحجم کرائی۔ آخر قبا سے روانہ ہو کر ۱۶ ربیع الاول مطابق ۲ جولائی ۶۲ء بروز جمعہ کو آنحضرت یثرب پہنچے۔ یہی دن تھا کہ جب سے یثرب نے مدینہ النبی (مغیر کا مقام) نام حاصل کیا۔ اور آج کسی قدر اختصار کیساتھ مدینہ مشہور ہے۔ حضرت کی آمد بالخصوص دلچسپ تھی۔ اہل مدینہ آپ کی خبریں پا کر مدینہ میں آمد قبا تک جا پہنچے تھے۔ جسوقت آنحضرت مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگوں کے جوش مسرت اور شوق زیارت کا یہ عالم تھا کہ کوٹھیل اور دیواروں پر چڑھ چڑھ کر آپ کو دیکھتے تھے۔ اور سلام کرتے تھے۔ جن کا آپ بخندہ پیشانی جواب دیتے تھے۔ اب ہر شخص کی یہ آمیزدہ تھی کہ آنحضرت اس کے ہاں بنیں۔ جب آنحضرت نے یہ دیکھا۔ تو آپ نے اونٹنی کی باگ چھوڑ دی۔ کہہ رہے وہ بیٹھ جائے گی۔ میں اتر چڑھ گا۔ آخر وہ ایک غریب مسلمان الیوب انصاری کے دروازہ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اور آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ اور اس خاندان نے

اپنے آپ کو ایسا خوش نصیب سمجھا کہ جس کی انتہاء تھی۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کا سنہ ہجری اسی وقت سے شمار ہوتا ہے۔

رشتہ انوث جب حضرت مدینہ پہنچ گئے تو خود آپ نے اور ان تمام مسلمانوں نے جو آپ سے پیشتر یہاں پہنچ چکے تھے۔ اطمینان کا اثر محسوس کیا۔ اور خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ فکرت و تشویش کی زندگی سے امن آزادی کی زندگی عطا فرمائی۔ اس کے بعد سب پہلے جس بات کی طرف آنحضرتؐ نے توجہ معطف کی وہ مہاجرین مکہ کی حالت تھی۔ آپؐ نے دیکھا کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ وہ ایسی مطمئن حالت میں نہیں بلکہ بعض لوگ تو بسبب اختلاف آب و ہوا امراض جہانی میں مبتلا ہو گئے۔ اور اہل مدینہ ان کی خاطر خواہ تیار داری اور غبر گیری نہیں کرتے تھے۔ اور کچھ لوگ دیگر تکالیف میں مبتلا تھے۔ پس آنحضرتؐ صلح نامہ نے مدینہ کے تمام انصار اور مکہ کے صحابہ کرام کو ایک مجمع میں جمع کر کے اسلامی اخوت کا موند غط فرمایا۔ اور فروا فروا انصار اور مہاجرین میں بھائی چارہ قائم کرا دیا جس کے بعد انصار مدینہ کے وہ لوگ جنہوں نے آنحضرتؐ کی رفاقت اختیار فرمائی۔ انصار کہلاتے ہیں۔ اور جو مسلمان مکہ سے نقل مکان کر کے مدینہ پہنچے وہ مہاجرین کے نام سے مشہور ہیں (تمام مہاجرین کو حقیقی معنوں میں بھائی سمجھنے لگے۔ بغیر ضائع مال و زر سے امداد کی۔ ان سے سلسلہ ازدواج قائم کیا۔ بعض نے تو یہاں تک ایثار نفس سے کام لیا۔ کہ اپنی بیویوں کو (اگر ایک سے زیادہ تھیں) طلاق دیکر مہاجرین سے نکاح کرایا۔ اور اس کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ غرض کہ مہاجرین کو جو ایک گودہ شکایات پیدا ہوئی تھیں وہ یک قلم جاتی رہیں۔ اور وہ بہ آرام تمام بسر کرنے لگے۔

تعمیر مسجد اس کے بعد حضرت نے ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اور اس کے لئے وہ زمین انتخاب کی جہاں آپ کے مدینہ تشریف لانے

کے وقت آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی یہ زمین دو میتیوں کی تھی۔ اور وہاں ایک پورا
 قبرستان بھی تھا۔ جب آپ نے اس ارادہ کا اظہار فرمایا۔ تو زمین کے
 مالکوں نے خانہ خدا کی تعمیر کے لئے یہ زمین مفت دینے کی خواہش ظاہر کی مگر
 حضرت کی تحریک سے چندہ ہو کر فوراً اس کی قیمت ادا کر دی گئی یہ کس طرح
 ممکن تھا کہ یتیموں اور بیکسوں کا حامی۔ امین لقب پانے والا۔ مالیتا علی
 کو یونہی تصرف میں لے آتا +

عرض تعمیر مسجد شروع ہوئی۔ تقریباً تمام مسلمان شریک کا رتھے۔ خود
 آنحضرت بنفس نفیس اینٹ اور گارا اٹھاتے تھے۔ یہ تعمیر خاتم تھی اور کچی اینٹوں
 اور گارے سے بنائی گئی تھی۔ طرز تعمیر نہایت سادہ تھا کجھروں کے پتوں کا
 چھپر ڈال لیا گیا تھا۔ جب یہ مختصر اور سادہ تعمیر ختم ہو گئی۔ تو آنحضرت یہاں وعظ
 و نصیحت فرمانے لگے۔ گاہے گاہے کھڑے ہو کر اور گاہے بیٹھ کر وعظ فرمایا
 کرتے تھے۔ چند روز بعد مسجد میں ممبر بھی بنا لیا گیا۔ جس کی تیسری میسرھی
 پر بیٹھ کر آپ وعظ کیا کرتے تھے۔ آپ مختلف مضامین پر وعظ فرماتے تھے۔
 مگر زیادہ تر توحید۔ اخوت اور خیرات آپ کے مطبوع مضامین تھے۔
 ایک روز خیرات کے متعلق فرمایا۔ ”جب خدا نے زمین پیدا کی تو وہ تھر تھر آگ
 اور لرزے لگی۔ اس کو ساکن کرنے کے لئے خدا نے آتھ لالے اس پر پہاڑ
 قائم کئے۔ اس وقت فرشتوں نے خدا سے سوال کیا کہ اے
 قادر مطلق! کیا دنیا میں پہاڑ سے زیادہ بھی گراں بار کوئی شے ہے۔ جواب
 ملا۔ ہاں لوہا۔ کیونکہ وہ پہاڑوں کے پتھروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر
 فرشتوں نے پوچھا کہ کیا لوہے سے بھی زیادہ کوئی مضبوط شے ہے؟
 ارشاد ہوا ہاں آگ۔ کیونکہ وہ لوہے کو گھلا دیتی ہے۔ پھر سوال ہوا کہ کیا
 اس سے بھی زبردست کوئی شے ہے۔ درگاہ خداوندی سے جواب ملا بیشک
 پانی اس سے بھی زبردست ہے۔ کیونکہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے۔ پھر سوال ہوا

تو بارگاہ الہی سے ارشاد ہوا کہ ہاں انسان کی خیرات اس سے زیادہ مستحکم اور مضبوط ہے۔ اگر اس طرح کی جائے کہ دینے والے سے دیوے تو باتیں کو خبر نہ ہو۔ حضرت نے خیرات کی تفصیل فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہر نیک کام خیرات ہے۔ انسان کا۔ دوسرے انسان سے خوش خلقی سے پیش آنا بھی خیرات ہے کسی نیک کام کی ہدایت دوسرے آدمی کو کرنا خیرات ہے۔ بھولے بھٹکے کو راستہ بتلانا۔ اندھے کی مدد کرنا۔ راستہ سے پتھر اور کانٹے اٹھا دینا بھی خیرات ہے۔ پیاسے کو پانی اور بھوکے کو کھانا کھلانا بھی خیرات ہی ہے۔ انسانی سہارے انسان کی سچی دولت ہے۔ جب آدمی مرجاتا ہے۔ تو لوگ دریافت کرتے ہیں کہ وہ کتنی دولت چھوڑا مگر فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تم نے دنیا میں کیا کیا نیکیاں اپنی یادگار میں چھوڑیں۔ وغیرہم؟

حضرت کے اس قسم کے پسند و ناصیح کا اہل مدینہ پر اچھا اثر پڑا۔ بکثرت لوگ مسلمان ہوئے۔ اور ایک غیر معمولی بات یہ ہوئی کہ کتنے ہی یہودی اور نصاریٰ (عیسائی) بھی اسلامی برادری میں شامل ہو گئے۔

اشاعت اسلام کی کئی کئی دریافت کرنے والے ان واقعات کے سہانے اس الزام پر جو اسلام پر لگایا جاتا ہے کہ وہ بزور شمشیر پھیلا گیا ہے غور فرمایا۔ وپر مذکور ہو چکا ہے کہ آنحضرت کی نسبت عائشہ بنت ابوبکر عائشہؓ سے ازدواج سے قرار پانے لگی تھی۔ اس واقعہ کو اب پورے دو سال ہو گئے تھے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ نکاح ہو جائے۔ چنانچہ نہایت سادہ طریق سے آنحضرت کا ازدواج ہو گیا۔

اسی وقت آنحضرت کی دختر فاطمہ زہرہؓ۔ حضرت علیؓ سے دختر رسول کا نکاح منسوب ہوئیں۔ اور کچھ عرصہ بعد جبکہ ان کی عمر پندرہ سال کی ہو گئی دن کا نکاح کر دیا گیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر بائیس سال کے قریب تھی۔ معتبر روایت میں آیا ہے کہ یہ شادیاں نہایت ہی سادہ طور پر کی گئیں۔

اینا طرز کے نکاح کے متعلق وارد ہے کہ اس میں نام کو بھی شان و شوکت نہ تھی
پیغمبر زادی کو جو جہیز ملا اس کی تفصیل یہ ہے۔ پانچ ماہ ۲ عدد۔ چکی ایک۔ مٹی کے
گھرے ۲ عدد۔ مٹی کا ٹوتا ایک۔ بستر ایک۔

اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں پر نہیں اسلام کو اپنے خون سے
سینچنے والوں پر اس قدر سادگی بھائی ہوئی تھی۔ یہ ایک ہمارا زمانہ ہے۔ کہ مسلمان
نام و نمود پر مرے جاتے ہیں۔ جائداد رہن ہو۔ گھر جائے۔ قرض ہو۔ غرض کچھ
میں بہت کیوں نہ آئے۔ بیٹی کو جہیز میں سو پچاس جوڑے اور ہزار دو ستر کی
پیس ضرور ہی ہوں۔ اور جب تک تمام اہل شہر کو نہیں تو تمام برادری کو پر تکلف
حسرت نہ دی جائے۔ تب تک گویا نکاح جائز ہی نہیں لگتے انھوں حضرت
علی کی دعوت کا بھی انتظام سن لیجئے۔ آپ کے پاس ایک بیکار بزرگھی آپ
نے اسے فروخت کر کے بھوکا دلیا۔ وہ بھی سادہ دوستوں کے سامنے لا
رکھا۔ جسے سب نے بخوشی قبول فرمایا۔

آنحضرت کی عام زندگی نہایت سادہ تھی حضرت
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سادہ معاشرت
ایک ماہ تک چلے میں آگ روشن ہونے کی نوبت نہ آتی حضرت ادب بی صرف
کھجوروں اور پانی پر بسر کرتے۔ اگر گوشت میسر آ جاتا تو وہ پک جاتا۔ بعض اوقات
آٹا نہ ہوتا۔ تو صرف اسی گوشت پر گزار کرتے حضرت بالعموم جو کی روٹی کھایا کرتے
تھے۔ کبھی کبھی اونٹنی کا دودھ بھی نوش فرمایا کرتے تھے۔ آپ خود گھر کی صفائی
کرتے۔ اور آگ سلگایا کرتے تھے۔ اور کسی کام سے عار نہ رکھتے تھے۔ حضرت
نے مسجد کے پاس ہی دو منقر سے گھر سوڈہ اور عایشہ کے لٹے عبادت باندھے
تھے۔ پس آپ ایک روز اس میں اور ایک روز اس میں آرام فرماتے۔
پیغمبرانہ حیثیت سے قطع نظر کہ آنحضرت کا عام ہتھ انداز لوگوں کے
ساتھ نہایت منصفانہ اور بااخلاق تھا۔ ہر معاملہ میں آپ کی صداقت اور راستی

کے متعرف تو اہل مکہ بھی تھے۔ اور وہ آپ کو صادق اور امین کے خطاب دے چکے تھے۔ آپ کے اس اخلاق حسنہ اور دعو و نصیحت نے بحیثیت محمدی اہل مدینہ پر غیر معمولی اثر ڈالا۔ تقریباً ہر طبقہ کے لوگوں میں آپ کی حقیقی عزت جاگزیں ہو گئی۔ آپ کی نیکی کے افسانے پڑھ جاتے تھے۔ آپ کی جانب خود بخود دلوں کو رجوعات ہو گئی۔ لوگ عام کاروبار میں بھی آپ کا اعتماد کرنے اور آپ کو منصف بنانے لگے۔ اس وقت آپ نے بنی نوع انسان کی خدمت کو دوسری حیثیتوں سے اٹھارنے کا بھی ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ نے ایک روز تمام اہل مدینہ کو جن میں آپ کے مہاجر اور انصار سے لیکر عیسائی اور یہودی تک شامل تھے جمع کر کے ایک بین الاقوامی معاہدہ کیا۔ مکہ میں تو ایک ہی قوم رہتی تھی۔ اور تقریباً ان کا مذہب بھی ایک ہی تھا۔ مگر شرب مختلف قوموں اور مختلف مذہبوں کا مجموعہ تھا۔ مزید براں ہر ایک قوم کے مقاصد اور فوائد جدا جدا تھے۔ یہاں یہودیوں کا بہت بڑا جتھا تھا۔ ان کے تین قبیلوں بنی نضیر۔ بنی قنیقلع اور بنی خزاعہ نے اپنے الگ الگ قلعے بنا رکھے تھے۔ تجارتی کاروبار اور سود و خوری کی وجہ سے جلد قبائل کی پیداوار ارضی و وسائل آمدنی پر ان کا قبضہ تھا۔ اوس اور خزرج کے دو قبیلے دجن میں کچھ عیسائی بت پرست بھی شامل تھے، بہت بڑے زبردست تھے۔ یہ یمن سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ اور باہم لڑنے جھگڑنے کے عادی تھے۔ یہودی بھی دونوں جانب حصہ لیا کرتے تھے۔ اب مسلمانوں کی آبادی ان میں خیرہ اضافہ تھی۔ معاہدہ مذکور میں ہر ایک قوم کے جدا جدا حقوق شہریت کی تفصیل کی گئی۔ اور انھیں تسلیم کیا گیا۔ اور ہر ایک قوم کو مذہبی آزادی دی گئی۔ معاملات خارجہ کے لئے سب لوگوں کو قوم واحد تسلیم کیا گیا۔ سب کو بتا دیا گیا۔ کہ وہ لوگ اپنے آپ کو ایک قوم سمجھیں اور جو ان میں سے کسی ایک کا بھی دشمن ہو۔ وہ سب اس کے دشمن ہو جائیں۔ اسی طرح ہر ایک فرد کو امن و صلح کا

خبردار بھیج دیا گیا۔ اگر ان کے حقوق کسی نے چھین لئے ہوں۔ تو انھیں مجموعی طور پر واپس لینے کی کوشش کریں۔ اسی طرح اگر احیانا کوئی ایسا معاملہ یا قضیہ درپیش آئے کہ آپس میں تصفیہ نہ ہو سکے۔ تو اس معاملہ میں پیچیدہ کو منصف بنائیں۔ اور ان کے فیصلہ کو یہ سب تسلیم کریں +

یہ انتظام سب نے پسند کیا۔ اور یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اس کی تائید کر کے۔ اس پر دستخط کر دیئے۔ اور اس طرح اہل مدینہ میں پیچیدہ کی بدولت ایک زبردست قومیت پیدا ہو گئی جس سے اگر خارجی معاملات کا مقابلہ کیا جاتا۔ تو نہایت طاقتور اور کارآمد ثابت ہوتی +

یہ انتظام ہو جانے کے بعد آپ نے ان قبائل کے شامل کر لینے کی بھی کوشش فرمائی جو مدینہ اور مکہ کے درمیان قیام پذیر تھے۔ چنانچہ جناب خود سفر کر کے ان سے ملے تاکہ دائرہ قومیت وسیع اور مضبوط ہو جائے۔ اب اگرچہ یہ اسباب ظاہری مسلمانوں کے حالات موافق تھے۔ لیکن جیسا کہ مکہ کی روانگی کے قبل آنحضرت نے فرمایا تھا کہ اہل مدینہ کو ہماری وجہ سے مصائب کا سخت مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اب وہ وقت آگیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ میں عبد اللہ بن ابی ایک بار سوخ شخص تھا۔ آنحضرت کے مدینہ تشریف لانے سے قبل اس نے لوگوں میں خاص اثر پیدا کر لیا تھا۔ اور اسے ابھی تک کہ چند روز میں سردار مدینہ بن جاؤنگا۔ مگر آنحضرت کے تشریف لانے پر لوگوں کا رجحان آپ کی طرف ہو گیا۔ اس واسطے یہ شخص آنحضرت کو اپنا حریف اور سردار سمجھ کر تلپی بغض رکھنے لگا۔ اور اس فکر میں رہنے لگا کہ یہ کیسی طرح آنحضرت کو نقصان پہنچا کر اپنا جی ٹھنڈا کرے۔ اور آپ کے اثر و رسوخ کو ہٹا کر اپنا راستہ صاف کرے۔ اسی غرض سے اس نے قریش مکہ کے ساتھ بذریعہ خط و کتابت ساز و باز شروع کی۔ اور مسلمانوں کی ہر ایک چھٹی موٹی کارروائی کی خبریں ان تک پہنچانے لگا۔ منجملہ ان کے معاہدہ مذکور کی

اطلاع بھی قریش کو دی گئی۔ کفار قریش یہ معلوم کر کے بہت گھبرائے۔ کہ مسلمانوں کے پاؤں جتے جاتے ہیں۔ انرا اصول نے عبداللہ سے تدبیر پوچھی۔ اس نے لکھ دیا۔ کہ مدینہ پر چڑھائی کرو۔ یہودی تمہارے مددگار ہوں گے۔ اور خودینہ کے یہودیوں کو گمانھٹنا شروع کر دیا۔

الغرض قریش مکہ نے مدینہ کے مسلمانوں پر چڑھائی کی تدبیریں مکمل کر کے ایک پُر زور حملہ سلسلہ میں کیا۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ لیکن اس سے پیشتر سلسلہ ہی میں قریش مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ یہ چھیڑ خانی کی۔ کہ ایک شخص کر بن جابر فہری نامی سرداران قریش میں سے

قریش کے مسلمانوں کے مویشی چیلے جانا

مدینہ پہنچا۔ اور مسلمانوں کے مویشی جو کھلے میدان میں چر رہے تھے گلہ بانوں سے چھین کر لے گیا۔ گویا اپنی طاقت کا اظہار کر گیا۔ کہ ہم تین سو میل کا دھوا کر کے بھی تمہارے مویشی تمہارے گھرؤں سے بیجا سکتے ہیں۔ اور تم ہمارا کچھ نہیں کر سکتے۔

اب تک مسلمان اس خیال سے خوش تھے۔ کہ ہم مکہ سے بہت دور چلے آئے ہیں۔ اور جب اپنی الماک و بائداد اور مال و متاع و ثمنوں کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ تو اب اہل مکہ کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔ اور وہ اپنے خیال کے مطابق خس تم جہاں پاک کہہ کر ہمارا خیال چھوڑ دیں گے۔ لیکن اہل مکہ کو مومنین اسلام للہی سخت عداوت ہو چکی تھی۔ کہ جس سے زیادہ ہونی نا ممکن ہے وہ آج سے آٹھ برس پہلے حبش تک ان کے پیچھے گئے تھے۔ اب تین سو سارے تین سو میل کی غٹگی کی مسافت کیا حقیقت رکھتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اسے ایسے ہی سمجھا۔ اور چاہا۔ کہ مسلمانوں کا مدینہ سے بھی نام و نشان مٹا دیں۔ لیکن جے خدا رکھے اُسے کون چکے۔ بقول باری تعالیٰ:

یریدون لیطفوا لور اللہ بانوا نھم واللہ متعہ نور ہ ولوا کسہ الکفرون ہ

باب ششم

وسط ماہ رجب سلسلہ (زیر ۱۳۶۲ء) میں مدینہ منورہ پہنچی کہ مکہ کے بت پرست مسلمانوں کی تباہی کے بڑے بڑے سامان کر رہے ہیں۔ اور جلد خوفناک حملہ کرنے والے ہیں۔

یہ بھی پتہ لگا کہ مکہ والوں نے یہ منصوبہ کیا ہے۔ کہ شمال کی جانب سے تو مسلمانوں پر وہ قافلہ حملہ کرے جو امر دوزخ و فرامین شام سے آنے والا ہے اور جنوب سے ہم خود حملہ کریں۔ اور یہ حملہ ایسا زبردست ہو کہ مسلمانوں کا صفو ہستی سے نام و نشان مٹ جائے۔

یہ خبر مسلمانوں کو خصوصاً اور اہل مدینہ کو عموماً جیسی پریشان کن تھی۔ وہ ظاہر ہے۔ وہ لوگ اپنے آپ کو عجب بیکسی اور مظلومیت کے عالم میں پاتے تھے۔ انھوں نے اپنا وطن چھوڑا۔ گھر بار چھوڑا۔ بچے اور عورتیں۔ اور تمام فوائد پر خاک ڈالی۔ مگر دشمن کے ہاتھوں سے اب سبھی انھیں رہائی نہ تھی۔ اگر ان کو بھروسہ تھا۔ تو محض خدا کے قائلے کی امداد کا۔ اور ایسی ایسی مایوسیوں کے دقت وہی ان کا دل قوی کرتا تھا۔ انسان ضعیف البیان ہے۔ اس کی کیا ہستی ہے۔ کہ ایک معمولی مصیبت کا بھی مقابلہ کرے۔ جب تک توفیق ایزدی اس کے شامل حال نہ ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ مسلمانوں! جس خدا کی ہم پناہ لے رہے ہیں۔ وہ دشمن سے بہت زیادہ قوی ہے۔ اس واسطے ہیں یونہی دل نہ چھوڑ دینا چاہئے۔ بلکہ جب تک ہماری جان میں جان ہے۔ امداد الہی کا منتظر رہنا چاہئے۔ دشمن سے ڈر کر بھاگ جانا جو ہر مردانگی کے خلاف ہے۔ اور قبیل اس کے کہ دشمن ہم پر حملہ کرے۔ ہم پہلے ہی اس کو کہیں نہ روکیں۔ اور دنیا کو صداقت کا سچوہ دکھائیں۔

الرض یہ تجویز قرار پائی۔ کہ مکہ والوں کے آنے سے پیشتر ہی شامی قافلہ کو آگے بڑھ کر روکا جائے۔ چنانچہ تین سو چودہ جانباز اور دل چاہے مسلمان سرکف شمال کی جانب بڑھے۔ ہر چند یہ کارروائی مسلمانوں کی جانب سے نہایت احتیاط سے عمل میں آئی۔ لیکن اس کی اطلاع کسی طرح شامی قافلہ کو بھی پہنچ گئی۔ اور اس کے سردار ابوسفیان نے جھٹ ساندٹی سولہ مکہ کو امداد طلب کرنے کے لئے دوڑا دئے۔ جہاں سے پورے ایک ہزار سوار بسر کردگی ابو جہل روانہ ہو گئے اور ابوسفیان مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی بجائے راستہ کاٹ کر اپنے قافلہ کو مکہ لے پہنچا۔ اور وہاں پہنچ کر ابو جہل کو پیغام بھیج دیا کہ ہم بغیر بیت مکہ پہنچ گئے۔ تم واپس چلے آؤ۔ مگر ابو جہل نے قاصد سے کہلا بھیجا کہ جب تک محمد کا نام منہ سے ہستی سے نہ نسا دوں گا واپس نہ آؤں گا۔ اور خود کوچ کرتا کرنا اس مقام پر پہنچا۔ جہاں مسلمان قافلہ کی آمد کے منتظر خیمہ زن تھے۔ یہ مقام بدہ کے نام سے مشہور ہے۔

جنگ بدر جب آنحضرت صلعم کو دشمن کی آمد کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے درگاہ نجیب الدعوات میں دعا مانگی کہ اے رب العالمین! اے نگہبان عالم! اب تیری امداد کا وقت ہے۔ اے شکستہ اور در ماندہ دلوں کو سہارا دینے والے! یہ وقت نازک ہے۔ اگر یہ ہتھی مجھ مسلمان ان بت پرستوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ تو پھر ملو صول سے تیری عبادت کرنے والا کوئی بھی نہیں رہے گا۔ الرض طرفین سے اعلان جنگ ہو گیا۔ اور پہلے پہل کفار کے لشکر میں سے تین بہاؤ شیر غزائ کی طرح نکلے۔ اور میدان میں آ کر لشکر اسلام کی طرف للکار کر بولے۔ "ہے کوئی مرد میدان جو ہمارے مقابلہ کو آئے" اس جبر کو سن کر مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ میدان میں آئے۔ اور تینوں غازی قریش کے بہادروں کے مقابل ہوئے۔ ہر ایک کا جدا جدا مقابلہ ہونے لگا۔ مقابلہ بڑا زبردست تھا۔ ہر ایک

حریف پوری بہادری اور جوش سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس زمانہ کے قواعد جنگ کے مطابق آؤ کوئی شخص مقابلہ کنندوں کو کسی قسم کی امداد دینے کا مجاز نہ تھا اس لئے دونوں فریق بڑی تشویش سے مقابلہ کو دیکھ رہے تھے۔ کہ مسلمانوں کے لشکر سے نعرہ مسرت بلند ہوا۔ اور تینوں شجاعان اسلام نے اپنے حریفوں کو مار ڈالا۔ بس اب کیا تھا۔ کفایت پریش اپنے عین بہادروں کے کام آتے ہی آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ایک دم سے سب کے سب مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور بڑے زور شور سے لڑائی شروع ہو گئی۔ لشکر کفار اول تو ایسے ہی مسلمانوں کے لشکر سے ٹگنا۔ دوسرے ہر طرح کے سامان حرب سے مسلح اور ہر کل تین سو بیس مسلمان جن کے جسم پر تن ڈانکے کو پورا کپڑا بھی نہ تھا۔ دوسرے مسافر شکستہ دل، مگر ان میں زور ایمان تھا۔ دین اسلام نے ان کا دل قوی کر دیا تھا۔ نہایت بے بگری سے مقابلہ کیا۔ اس روز سخت باڑہ تھا نیز تھان پر بادل گھر رہے تھے۔ چاروں طرف گھنگھور گھٹاؤ ڈی چلی آتی تھی۔ سخت آندھی چل رہی تھی۔ بجلی الگ کرک کرک کفار پر گری پڑتی تھی یا خربہت کچھ کشت و خون کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کو شکست ہوئی اور لشکر اسلام مظفر و منصور ہوا۔ کفار کو کاہ سالار آجہل میدان میں کام آیا۔ بہت سے فریش مارے گئے۔ اور بہت سے گرفتار کر لئے گئے۔ اسیران جنگ میں سے صرف دو آدمیوں کو جو نہایت معتمد سرغز تھے اس بلکے کے قواعد جنگ کے مطابق قتل کر دیا گیا۔ اور باقیوں کی جان بخشی کی گئی۔ اور انہیں مختلف شرائط پر آزاد کر دیا گیا۔ بعض سے آئندہ مسلمانوں کے مقابلہ جو د آنے کا عہد لیا گیا۔ اور بعض سے زرفدیہ وصول کیا گیا۔ اسیران جنگ میں بعض اہل علم بھی تھے۔ ان کو اس شرط پر رہائی دی گئی۔ کہ کچھ عرصہ تک مدینہ میں رہ کر مسلمانوں کے بچوں کو پڑھنا سکھائیں۔ اور پھر اپنے وطن کو چلے جائیں۔ الغرض قیدیوں کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کیا گیا۔ انہیں

بعض مکہ چین اور عیب جوان و وقیدیوں کے قتل پر آنحضرت کو الزام دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ یہ شان پیغمبری کے خلاف تھا۔ مگر انوس یہ کہتے وقت وہ مسلمانوں کی مشکلات سے غالی الذہن ہوتے ہیں۔ اور اہل عرب کی طبیعت کو سمجھنے سے قاصر نہ ان کو اس زمانہ کے قواعد جنگ کا علم ہوتا ہے۔ اگر آنحضرتؐ ان کو چھوڑ دیتے۔ تو یقیناً وہ بڑی خوزیری کا باعث ہوتے۔ مسلمانوں نے اپنے ان دشمنوں کے ساتھ جو ان کو ستانے کا کوئی پہلو نہ جانے دیتے تھے اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر مٹے ہوئے تھے ایسا سلوک کیا جس کی نظیر تاریخ عالم یقیناً نہیں پیش کر سکتی۔ جو لوگ ان میں سے قیدیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے پاس رہے۔ ان سے مسلمانوں نے برادرانہ سلوک کیا۔ ہرگز کسی قسم کی سختی نہیں کی گئی۔ ہر امر میں ان کی رضامندی اور عزت کا لحاظ کیا گیا۔ چنانچہ جب ان میں سے پہلا قیدی رہا ہو کر مکہ پہنچا۔ تو اس نے مسلمانوں کے اخلاق اور برتاؤ کا تذکرہ اہل مکہ سے ان الفاظ میں کیا: ”خدا کی رحمت ہو مسلمانوں پر۔ وہ ہم کو سواری دیتے تھے خود پیادہ پا چلتے تھے۔ ہم کو گھیسوں کی روٹی کھلاتے تھے۔ اور خر و جو کی کھانا تھے یا کھجوروں پر گزارہ کرتے تھے“

یہ تھا مسلمانوں کا برتاؤ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ۔ یہ تھا ان کا حسن اخلاق جس کا لوہا دشمنوں کو بھی ماننا پڑا۔

اس جنگ میں مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جس کی تقسیم پر مسلمانوں میں کچھ اختلاف سا پیدا ہو گیا تھا۔ مگر آنحضرتؐ نے باحسن وجہ اس کا تصفیہ فرما دیا۔ اور آئندہ کے لئے مال غنیمت کی تقسیم کا مستقل فیصلہ کر دیا۔ کہ پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہو۔ جو تیمامی اور محتاجوں کی امداد اور دوسرے رفاه عام کے کاموں میں صرف کیا جائے۔ اور باقی چار حصے مسلمان بہادروں کا حق ہے۔ وہ ان میں تقسیم کر دئے جائیں۔ آئندہ اسی

قاعدہ کے مطابق مال غنیمت کی تقسیم ہوئی رہی +

جنگ بدر میں مسلمانوں کو اپنی فتحیابی سے بے انتہا خوشی ہوئی اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ اور جب یہ خبر مدینہ پہنچی۔ تو خاص دلچسپی سے فہمی گئی مگر عین لڑائی کے دن آنحضرت کی دختر ننگ اختر رقیہ نے وفات پائی چنگا جو لوگ فتح کی خبر مدینہ لے جا رہے تھے۔ ان کو مرحومہ کا جنازہ رات میں ملا۔ یہ کچھ عرصہ سے بیمار تھیں +

آنحضرت مکہ کے دل پر اس حادثہ کا خاص اثر ہوا۔ اور مسلمانوں کی خوشی رنج سے بدل گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت رنج ہوا۔ آنحضرت نے صاحبزادی کی وفات کی خبر سن کر سوائے صبر و شکر کے اور کچھ نہ فرمایا آپ کو ان سے خاص محبت تھی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آنحضرت کی بڑی صاحبزادی زینب جواب تک مکہ میں تھیں آپ کے پاس مدینہ آگئیں۔ اور آپ کو ان کے آنے سے بہت خوشی ہوئی۔ اور رقیہ رضی اللہ عنہا کا خیال کسی قدر کم ہو گیا +

ادھر تو مسلمانوں کی یہ حالت تھی۔ اُدھر قریش اپنی شکست سے بہت نادم اور خجل ہو رہے تھے۔ بشر مندرگی کے مارے مرے جاتے تھے۔ اور جہل انتقام میں دانت پیستے تھے۔ کیونکہ حضورؐ سے مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست کھا کر علاوہ نقصان جان و مال کے اس قدر خفت نصیب ہوئی تھی کہ منہ دکھانے کے قابل نہ تھے +

اس غزوہ کے بعد ایک روز آنحضرت صلعم تن تنہا جنگل میں بنگھاس پر لیٹے ہوئے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بے خبر سو رہے تھے۔ کہ ایک قریش کا اس طرف گذر ہوا۔ اس نے آپ کو پہچان کر دل میں کہا۔ اوبھو! آج قتل کرنے کا بہت اچھا موقع ہے۔ پہلے تو وہ آپ کی تنہائی اور بیخبری سے بہت خوش ہوا۔ اور سوتے ہی میں تلووار مارنے کا قصد کیا۔ مگر پھر اس نے سچا کہ سوتے ہوئے کو مار ڈالنا کچھ جواخردی کا کام نہیں۔ اس لئے پہلے

اس غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں آنحضرت بذات خاص غازیوں اسلام کے ساتھ شریک ہوئے۔ دوسری تم کو سریہ کہتے ہیں + ۱۱

آنحضرت صلیم کو جگایا۔ اور جب آپ بیدار ہوئے۔ تو تلوار کھینچ کر کہنے لگا۔ کہ
 بولو۔ اب تمہارا بچا نے دالا کون ہے؟ آنحضرت نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر
 انگلی سے اشارہ کر کے کہا۔ وہ ذاتِ پاک۔ یہ سن کر قریش کا ہاتھ تھرتھرا گیا
 تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ جسے آنحضرت نے جھٹ اٹھالی۔ اور
 کھڑے ہو کر فرمایا۔ کہ اب تمہارا بچہ نوالا کون ہے؟ اس نے جواب دیا
 کوئی نہیں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ ارے کم بخت کیوں نہیں کہہ دیتا وہی اللہ
 اور آخر اس کی تلوار اس کو واپس دیدی۔ اور فرمایا۔ کہ ہمیشہ اس ذاتِ پاک پر
 بھروسہ اور یقین رکھو۔ اور یگناہ بندگانِ خدا کو بھول کر دستاؤ۔ یہ دیکھ کر
 قریش آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اور عمر بھر آپ
 کی خدمت میں رہا۔

حضرت عثمان اپنی بیوی (رقیہؓ) کی وفات کی وجہ سے بہت غمگین رہنے
 لگے۔ آپ کی علیگی اور پڑمردگی دیکھ کر صحابہ کے خیال پیدا ہوا۔ کہ کسی طرح آپ کا
 رنج ملکا کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ کا نکاح ان سے کرنا
 پایا مگر وہ مزاج کی کسی قدر تند و ترش تھیں۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے شکریہ
 کے ساتھ اس تجویز کو نا منظور کیا۔ اس سے حضرت عمرؓ کو بہت رنج پہنچا۔ اور
 سخت حیران تھے۔ کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ کس سے کروں۔ کوئی اسے قبول نہیں
 کرتا۔ انھوں نے اپنی پریشانی کا حال آنحضرت صلیم کے حضور میں عرض کیا۔
 آپ نے ان کو تسلی دی۔ اور فرمایا کہ رنجیدہ مت ہو۔ خدا تمہاری بیٹی کو اس سے چھا
 عاوند اور عثمان کو بہت اچھی بی بی دے گا۔ پھر کچھ روز بعد آنحضرت صلیم نے
 حفصہ کے ساتھ خود نکاح کر لیا۔ اور اپنی صاحبزادی اُمّ کلثومؓ کی شادی
 عثمانؓ کے ساتھ کر دی۔ جس سے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں بہت
 خوش ہوئے۔ بی بی حفصہ کے حرم میں داخل ہونے پر قرآن مجید کی حفاظت
 کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ جو آیتیں قرآن شریف کی نازل ہوتیں۔ وہ

لکھو اگر بی بی حفصہ کی حفاظت میں رکھی جاتی تھیں +
 اور تو یہ حالت تھی۔ اب اُو ہر مکہ والوں کی فتنے۔ وہ لوگ جس روز سے
 شکست کھا کر گئے تھے مسلمانوں کو بڑی طرح کو س رہے تھے۔ اگر ان کے
 اختیار میں ہوتا۔ تو دم بھر میں انھیں فنا کر دیتے۔ اپنی ناکامی پر سخت شرمندہ
 تھے۔ اور اس خجالت کی تلافی کی صورت اس کے سوا اور کوئی نہ سمجھتے تھے۔
 کہ جس طرح بن پڑے مسلمانوں سے بدلہ لیں۔ سب سے زیادہ مذمت ہزرت
 کی ابوسفیان کو تھی۔ وہ ہمسینوں خجالت کا مارا گھر سے نہ نکلا۔ اور ہر گھر میں
 اس کی بیوی ہندہ اُسے برا بھلا کہتی اور غیرت دلاتی۔ کیونکہ جنگ بدر میں اس کا
 باپ اور بھائی اور ایک چچا مارے گئے تھے۔ وہ یہ چاہتی تھی۔ کہ قاتلوں کو اپنی
 آنکھوں سے قتل ہوتا دیکھے۔ بلکہ خود ان کے قتل کرنے میں شریک ہو۔
 تب چین پڑے۔ الغرض اس کے طعن و تشنیع اور گریہ و زاری نے ابوسفیان
 کو پھیرا بھارا۔ اہل مکہ کی طرف سے تین ہزار کی جمعیت کیساتھ مسلمانوں پر حملہ
 کرنے کی تجویز قرار پائی۔ سرداران لشکر ابوسفیان۔ عمار بن ابوجہل اور خالد
 بن ولید مقرر ہوئے۔ ان تین ہزار میں سے سات سو نو ہزار سوار تھے اور باقی
 پیادہ فوج تھی جو سب کے سب بہادر جوانان قریش تھے۔ اور لڑنے مرنے پر بچھے
 ہوئے تھے +

دوسری طرف مدینہ میں عام طور سے مسلمان مطمئن تھے۔ کہ اہل مکہ کو خاصہ سبق
 مل گیا ہے۔ وہ بہت سے قتل ہوئے ہیں۔ بقیۃ السیف ہمارے بندہ احسان
 ہیں۔ اس واسطے اب وہ ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کریں گے مگر یہ صرف خیال
 ہی خیال ثابت ہوا۔ اور چند ہی روز میں اہل مکہ کی جنگی تیاریوں کی خبر مدینہ پہنچی
 جس سے پھر مسلمان مشوش ہو گئے۔ آنحضرت نے تمام لوگوں کو جمع کیا۔ اور
 مشورہ لیا کہ اب کیا کرنا چاہئے سب نے اپنی اپنی رائے پیش کی یہ آنحضرت
 کی یہ رائے تھی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے کی بجائے ہم شہر میں

مقیم رہ کر ہی دشمن کی مداخلت کریں۔ سمر ہندوگوں نے اس رائے کی تائید کی۔ مگر صحابہ کرام نے کہا کہ ہماری حیثیت سے یہ امر یوں ہے۔ ہم کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ بالآخر انہی نوجوانوں کی رائے قابل عمل درآمد بھی گئی۔ اور مسلمانوں نے باہر نکلنے کی مٹھان ملی۔

اہل قریش کی فوج اور سامان کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اب ذرا مسلمانوں کی جمیعت کا بھی شمار کر لیجئے کہ کل فوج جنگی میں ایک ہزار چوبیس میں تین سو یہودی بھی شامل تھے۔ اور چونکہ یہ قابل ہتھیار نہ تھے۔ اس وجہ سے قبل از جنگ ہی انھیں واپس کر دیا گیا۔ اور اہل قریش کے مقابلہ کے لئے صرف سات سو مسلمان رہ گئے۔ جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ اور باقی کل فوج پیادہ۔ سامان حرب میں چند تیر کمائیں اور بس باقی غذا کا نام۔ غرض یہ یوسنین کی بظاہر بے سرو سامان فوج مدینہ سے چھ میل چل کر احد کی پہاڑی تک آئی اور یہیں ڈیرے ڈال دیئے۔

قریش کا لشکر احد | غرض کہ جنگ پندرہ سے تقریباً ایک سال بعد یعنی ۶۰۰ھ میں کہ باجنگ آمد | والے اپنا تین ہزار جواد لشکر لے کر مدینہ کی جانب ایسے زور شور سے بڑھے کہ اگر احد پر لشکر اسلام ان کو نظر نہ آ جاتا۔ تو شرب کی دیواروں کے نیچے ہی جا کر دم لیتے مگر جب دیکھا کہ احد پر خود جانا بنا ز مسلمان پیش قدمی کر کے پہلے ہی آپڑے ہیں۔ تو اس پہاڑی کے دوسری جانب انھوں نے بھی اپنا لشکر اتارا اور بہادریوں نے کمریں کھولیں۔

رات گزر گئی صبح صادق کی روشنی پھیلی مسلمانوں نے فجر کی نماز ادا کر کے دشمن کی جمیعت پر نظر ڈالی۔ تو اپنے سے کئی گنا دیکھا۔ مگر آنحضرت نے ان کی تسکین کی اور کہا کہ خدا پر نظر رکھو اور دیکھو کہ پرہ غیب سے کیا ظہور میں آتے ہیں۔ آنحضرت نے اپنے سات سو بہادریوں کو کئی صفوں میں تقسیم کر کے موقع بہ موقع کھڑا کر دیا۔ تاکہ دشمن کسی جانب سے یغبری میں حملہ نہ کر سکے۔ اور

ایک درۂ کوہ کے قریب تیر اندازوں کو کھڑا کر کے حکم دیا کہ یہیں جے کھڑے رہو اور خواہ کچھ بھی اپنی جگہ سے نہ ہلو۔

پھر آپ نے تمام فوج کو حکم دیا کہ جب تک خود دشمن دھڑے۔ تم ہرگز پیش قدمی نہ کرنا۔ سورج نکلنے نکلنے قریش بھی کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان کی جانب بڑھے۔ اور آتے ہی نہایت زور و شور سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لشکر اسلام اس حملہ کے وقت نہایت ثابت قدمی سے جا رہا۔ اور دشمن کے حملہ استقلال سے روکا۔ لڑائی دست بدست ہونے لگی۔ اور جنگ کی تیزی خطبہ خطبہ بڑھتی گئی۔ نیزہ و تلوار بگی کی رفتار سے چلنے لگے۔ نہایت گھمسان کا رن پڑا۔ لشکر اسلام نے وہ تلوار چلائی کہ دشمن کا جی چھوٹ گیا قریش بدحواس ہو کر میدان سے بھاگنے لگے۔ جب تیر اندازان اسلام نے جنھیں آنحضرت نے ایک

پھاڑی کی جانب کھڑا کر کے حکم دیا تھا کہ یہاں سے نہ ہلنا دشمن کے پاؤں اکھڑے دیکھتے تو مال غنیمت کے شوق میں اپنا کام چھوڑ کر میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑے۔ تیر اندازوں کا وہاں سے ہٹنا غضب ہو گیا۔ دشمن نے مسلمانوں کے دونوں پہلو غالی و بیکھر اور ان کو غنیمت کے عشق میں پا کر بھاگتے بھاگتے پھر پلٹا کھایا۔ اور دونوں جانب سے حملہ کر کے مسلمانوں کو بیچ میں لے لیا۔

پھر اس تیزی سے تلوار چلائی کہ مسلمان اپنی جمیعت قائم نہ کر سکے۔ اب تیر اندازوں کو اپنی غلی کا پتہ لگا لگا بے سو۔ بہت سے مسلمان بہادر کام آئے۔ اور لشکر اسلام کا سخت نقصان ہوا۔ حضرت حمزہؓ شہید ہوئے خود آنحضرت صلعم کے چہرہ مبارک پر تیر لگا نیز ایک پتھر سے دندان مبارک شہید ہوا۔ مسلمانوں کا علم بڑا بھی میدان میں کام آیا۔ اور چونکہ علم بردار لشکر اسلام کی شکل و صورت آنحضرت صلعم سے کسی قدر مشابہ تھی لہذا لوگوں نے اس کو اپنے رب سمجھا کہ آنحضرت شہید ہو گئے۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ بغیر تحقیق میدان سے چلے گئے۔ اور پریشانی میں

آنحضرت صلعم کا بھی خیال نہ رہا۔ جو جتنی ہو کر گر پڑے تھے۔ اتفاق سے وہاں بہن مالک کی نظر آنحضرت صلعم پر پڑ گئی۔ اس نے دیکھا کہ آپ زخمی ہو کر لاشوں کے ڈھیر میں پڑے ہیں۔ اس نے مسلمانوں کو خبر دی کہ آنحضرت صلعم زندہ ہیں۔ ان کے اوسان درست ہوئے۔ اور وہ دوڑے ہوئے آئے۔ اور آنحضرت کو لاشوں میں سے اٹھا کر لے گئے۔ زخموں کو دھویا مہریم ٹپی کی۔ اور آپ کو دودھ پلایا گیا۔ تب ہوش آیا۔ غرض مکہ بحیثیت مجموعی کل جمعیت اسلامی۔ اور خود رسول اکرم کی جانب سے سخت خدشہ لاحق ہو گیا تھا۔ مگر اس پریشانی کا باعث وہ غفلت ہوئی۔ جو اسلامی لشکر کے ایک دستہ نے سرور کائنات کے حکم کی تعمیل میں جب بحیثیت سپہ سالار اس وقت کار فرما تھے سرزد ہوئی۔ اس طرح خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو سبق دیا۔ کہ جماعت کے قلیل ترین حصہ کی بے احتیاطی بھی کل جماعت کے حق میں بڑا اثر پیدا کر سکتی ہے۔ اس سے ہر مسلمان کو محترم زہر سنا چاہئے۔ غرض لشکر اسلام کو اس لڑائی میں بخت نقصان اٹھانا پڑا۔ وہ صرف تیر اندازوں کی بدولت تھاجھوں نے آنحضرت صلعم کی ہدایت پر عمل نہ کیا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد ہندہ زوجہ ابوسفیان میدان کارزار میں آئی۔ اور مسلمانوں کے لاشوں کی خوب بے توقیری کی۔ اپنے ہاتھ سے حضرت حمزہ کی لاش کے ٹکڑے کئے۔ ان کا کلیجہ نکالا اور اپنے دانتوں سے چبایا۔ اور ان کی نفش کے ناک کان کاٹ دئے۔ اور ایسا ہی دوسری لاشوں کے ساتھ سلوک کیا۔ رات کو آنحضرت اور صحابہ کرام میدان میں آئے۔ مسلمان شہداء کی نفشوں کو دیکھ کر مغموم ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے چچا کی نفش کی حالت دیکھ کر آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ روایت ہے کہ یہ حال دیکھ کر آپ سبھی طیش میں آکر حکم دینے لگے تھے۔ کہ قریش کے مردوں کے ساتھ بھی اسی قسم کا سلوک کیا جائے۔ مگر فوراً خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی۔ اور آپ کو اس

ارادہ سے روکا گیا کہ ایسا انتقام شان نبوت کے شایاں نہیں۔ آپ حجت اللعالمین ہیں +

جب ابوسفیان اور قریش کو معلوم ہوا کہ محمد مصطفیٰ زندہ ہیں۔ تو بہت ہی سٹے پٹے۔ کیونکہ اب وہ اپنے اندر تاب مقاومت نہ دیکھتے تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ مسلمان ضرور حملہ کریں گے۔ اس لئے یہ اتنی ہی فتح کو غنیمت سمجھ کر مکہ کو لوٹ گئے۔ اور مسلمانوں سے ایک سال کے لئے صلح کر لی۔ اس بار مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تھا تاہم مسلمان بھی خوش تھے۔ کہ انھوں نے حتی مدافعت خوب ادا کیا۔ اور دشمن بھی ان کا لوٹا مان گیا ہے۔ اور یا نہیں تو ایک سال کے لئے تو ہم اس سے محفوظ ہیں۔ لیکن اصلیت یہ ہے کہ اس شکست سے مسلمانوں کو کئی قسم کے نقصان پہنچے۔ ہمسایہ اقوام ان کی ایذا رسانی پر دلیر ہو گئیں۔ اور ان کے ساتھ کئی بار دھوکہ کیا۔ چنانچہ قبیلہ بنی عمر اور بنی سلیم نے تو شتر مسلمانوں کو دغا سے قتل ہی کر ڈالا۔ اور اسی طرح کئی دیگر عرب قبائل نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ ان سب پر مدینہ کے یہودیوں کی مخالفت طرہ مخفی جو پہلے ہی مسلمانوں سے سخت غامد کھائے ہوئے تھے اور جب سے مسلمان مدینہ میں آئے تھے۔ ان سے کچھ نہ کچھ چھڑخانی نکالتے رہتے تھے۔ اور جنگ بہر کی کامیابی دیکھ کر تو گویا ان کے آگ ہی لگ گئی تھی۔ اور رزمینہ شتر اتوں پر آگئے تھے چنانچہ ان میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں قصیدے لکھے۔ بعضوں نے قومی گیت تصنیف کئے جن کا مقصد مسلمانوں کے خلاف قریش کا ابھارنا تھا۔ آنحضرت وقتاً فوقتاً یہودیوں کی شرارت

ان کو ان یہودہ حرکات سے باز رہنے کی اور عام مسلمانوں کو صبر کرنے کی فہمائش کرتے رہے۔ مگر جب یہودی ذرائع سے مس نہ ہوئے۔ اور آئے دن نئی نئی شرارتیں تراشتے رہے۔ تو آنحضرتؐ نے بھی مجبور ہو کر کہہ دیا کہ اب میں ذمہ وار نہیں۔ مسلمان جو چاہیں کریں۔ وہ مختار ہیں۔ اور

اب مسلمانوں میں علانیہ اپنی گزشتہ خفتوں کا انتقام لینے کی خواہش پیدا ہونے سے یہ دونوں ایک دوسرے کے کھلے حریف ہو گئے۔ اور جھگڑے کے لئے بہادری ڈھونڈنے لگے۔

پرستی سے جلد ہی ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا۔ جس میں یہودیوں کی مہربانی زیادتی تھی۔ بات یہ ہوئی، کہ ایک روز اتفاق سے ایک عرب مسلمان نوجوان لڑکی دودھ پیتے پیتے یہودیوں کے بازار میں جا نکلی۔ شریر یہودی اسے دق کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ تو اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا دے عرب لڑکی نے بے نقاب ہونا پسند نہ کیا۔ اور کہا تم کو دودھ لینا ہے تو۔ ورنہ یہودہ کو اس نہ کرو۔ اس پر ایک یہودی سنا نے ہاتھ بڑھا کر اس کا نقاب اکٹا دیا۔ یہ کیفیت ایک مسلمان نے بھی دیکھ لی جو اتفاق سے اُس جا نکلا تھا۔ اس کی غیرت حمیت نے گوارا نہ کیا کہ یہ واردات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خاموش رہے۔ اُس نے فوراً تبلیغی اُن سے کھینچ لی۔ اور سنا پر دار کیا جس نے اپنی دکان پر لڑکی کو بٹھا کر یہی چیزتی کی تھی۔ یہودیوں کا تو عملہ ہی تھا بہت سے یہودی سنا کی مدد کو آ پہنچے۔ مگر اتنی دیر میں مسلمانوں کو بھی خبر لگ گئی۔ اور وہ بھی دوڑ پڑے۔ اور آٹا فانا میں سینکڑوں جمع ہو گئے۔ یہودی یہ حال دیکھ کر اور اپنی طاقت کو کم پا کر جھٹ قلعہ میں گھس گئے۔ اور اندر سے دروازے بند کر لئے۔ مسلمانوں نے چاروں طرف سے قلعہ کو گھیر دیا۔ اور محاصرہ کر کے بیٹھ گئے۔ اب نہ یہودی دروازہ کھولتے ہیں نہ قلعہ سے باہر نکلتے ہیں۔ اسی طرح کئی روز گزر گئے۔ اور مسلمان محاصرہ کئے پڑے رہے۔ آخر یہودیوں نے جھوک پیاس سے تنگ آ کر دروازہ کھول دیا۔ اور امان کے طالب ہوئے اب یہ بالکل مسلمانوں کے رحم پر تھے۔ اور ان کی گزشتہ شرارتوں پر خیال کہ کے مسلمانوں کا ارادہ تھا کہ انہیں قتل کر دیں۔ مگر عبد اللہ بن ابی نے ان کی سفارش کی اور کہا انہیں قتل کرنے کی بجائے جلا وطنی کی سزا دیدی

جائے۔ انکے لئے اتنی ہی سزا کافی ہوگی، غرض مسلمانوں نے اس علاقہ سے ان کے نکالنے پر ہی اکتفا کیا +

قبیلہ بنی نصیر کی دعوت کے پرہیزگرنی

اسی طرح قبیلہ بنو نصیر کے یہودیوں نے مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مگر اپنی بزدلی کی وجہ سے مسلمانوں

سے علانیہ مخالفت نہ کر سکے۔ اور انھیں دوستی کے پردہ میں تباہ کرنا چاہا۔

چنانچہ انھوں نے آنحضرت کی دعوت کی آپ مقررہ وقت پر معہ ابو بکرؓ و عمرؓ علیؓ اور دیگر صحابہ کے وہاں تشریف لے گئے۔ اور یہ دیکھ کر متعجب ہوئے کہ یہودیوں

نے ایک کھلے میدان میں پس دیوار فرش وغیرہ بچھا کر سامان دعوت کیا تھا جہاں مدعو مسلمانوں کو بٹھایا گیا۔ مگر آنحضرت یہاں آتے ہی سمجھ گئے کہ یہ دعوت کے

پردہ میں عداوت کرنے اور آپ کی جان لینے کے درپے ہیں۔ اس لئے آپ خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے۔ اور لوگوں نے سمجھا کہ آپ قضائے حاجت کو جا رہے

ہیں۔ تھوڑی دیر میں آجائیں گے مگر جب آپ عرصہ تک نہ آئے۔ تو مجبور ہو کر صحابہ بھی اٹھ کر چلے آئے اور اس طرح مسلمان آئینہ امی مصیبت پہنچ گئے

یہودیوں کو اس منافقانہ کارروائی کی سزا دینی ضروری تھی۔ اس واسطے مسلمانوں نے ان پر زور شور سے حملہ کیا جس کی یہودی ممانعت نہ کر سکے۔

اور کچھ تو شام کی جانب فرار ہو گئے۔ اور کچھ قلعہ خیبر میں جو ان کا مشہور مامن تھا پناہ گیر ہو گئے۔ اور اپنے مال و اسباب کو یونہی چھوڑ گئے یہ سب ملل غنیمت

شمار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ لیکن آنحضرت نے اس کو فوج میں تقسیم نہ کیا۔ اور فرمایا کہ بغیر لڑائی کے ہاتھ آیا ہوا مال سپاہ کا حق نہیں۔ بلکہ یہ مال

بیت المال میں داخل ہوگا جس سے مساکین محتاجوں اور یتیموں کی امداد کی جائے گی +

الغرض ایک طرف قریش مسلمانوں کے دشمن جان بنے ہوئے۔ تو دوسری طرف یہودی بھی ان بیچاروں کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ اور اب ان کو ایک چھوٹ

دو دھنوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اب تک تو یہودی و پرودہ جویش کرتے رہے تھے۔ مگر اب انھوں نے اب کھلم کھلا انہما رٹوئی کیا۔
 لیکن جن لوگوں کے سر پر خدائی ہاتھ ہو۔ وہ دو دھنیں کیا ہزار دھنوں سے نہیں ڈرتے۔ مسلمان اسباب ظاہری پر بہت کم بھروسہ کرتے تھے۔ کیونکہ واقعات نے انھیں بتا دیا تھا کہ غلبہ قلت و کثرت تعداد پر منحصر نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ ان کی ہمت کو بلند کرنے والا یہ خیال تھا۔ کہ خدا ہر وقت ان کی امداد پر ہے۔ اور یہی ایک خیال ہے۔ کہ جس کی بنا پر ہر ایک مسلمان ہر وقت مستقل مزاج رہ سکتا ہے۔ اور بڑے بڑے خطرہ کے موقع پر بھی خدائی مدد کا منتظر رہتا ہے۔ بنو نضیر کے قضیہ سے مسلمان نمٹے ہی تھے۔ کہ ان کو خبر ملی۔ کہ ان کا ایک اور نیا دھن ان پر سپاہ لے آ رہا ہے۔ یہ قبیلہ بنو المصطلق تھا۔ جو اپنے حاکم عارث کی ماتحتی میں چھپا ہوا مسلمانوں کی جانب آ رہا تھا۔ مسلمان فوراً مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اور قبل اس کے کہ قبیلہ مذکور یکایک پہنچ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ مسلمان جانبا زوں نے پہلے ہی اس کا راستہ جا روکا۔ خوب ہنگامہ کارزار گرم ہوا۔ معز و حملہ آور دھن نے شکست کھائی۔ اور ان کا سردار عارث بہ دشواری تمام بھاگنے کا موقع پا کر جان بچائے گیا۔ بچ بنو نضیر سردار کے کیا جتنی۔ اس نے بھی بھاگنے ہی میں بہتری دیکھی۔ تاہم ان میں سے دو سو آدمی مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ علاوہ ازیں مال غنیمت سے مسلمانوں کے ہاتھ پانچ ہزار بھیرٹیں۔ اور ایک ہزار اونٹ آئے۔
 قیدی مثل مال غنیمت کے بہادروں میں تقسیم کر دئے گئے۔ ان میں اکثر بڑے پایہ کے لوگ تھے۔ از انجملہ عارث کی بیٹی جویریہ بھی تھی جو وقت تقسیم ثابت ابن قیس کے قبضہ میں آئی۔ مگر معز و شہزادی کو یہ امر سخت ناگوار تھا۔ کہ وہ ایسی اونے مالت میں رہے۔ اس واسطے اس نے ثابت کو خوشامدرا سے نزدیکی لے کر چھوڑ دینے پر آمادہ کر لیا۔ اور ثابت نے بھی اقرار

کر لیا کہ اس قدر روپیہ لے کر میں تم کو آزاد کروں گا مگر اس بیچاری قید کے پاس روپیہ کہاں اور کون اسے دے بڑی پریشان ہوئی۔ سخت کوشش کے بعد بھی جب وہ کہیں سے روپیہ نہ بہم پہنچا سکی۔ تو مجبور ہو کر ایک روز آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور درودل سنایا کہ میں بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ اور قسمت کی غریبی سے اس حالت کو پہنچی ہوں کہ مجھے ایک سپاہی کی کنیز بن کر رہنا پڑا۔ یہ حالت میں کسی طرح پسند نہیں کرتی۔ کیا کر دل میرے سب عزیز و اقارب بھی سپاہیوں کی غلامی میں گرفتار ہیں میری حالت آپ پر روشن ہے۔ مگر چہ میرے اور آپ کے دین میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر آپ کی کریم النفسی سے مجھے امید ہے کہ جناب میرے حال زار پر رحم فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ کے سوا کوئی میرا فریاد رس نہیں ہے۔ صرف آپ ہی مجھے اس ذلیل زندگی سے آزادی دلوا سکتے ہیں +

جویریہ کی درد انگیز باتیں سن کر آنحضرتؐ ابدیدہ ہوئے۔ اور اسے اطمینان دلایا۔ لیکن منکر میں پڑ گئے کہ کس طریق سے اس کی امداد کی جائے کیونکہ جب وہ قیدیوں کے زمرہ میں ثابت کے حصے میں آچکی تھی۔ تو یہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ کہ حضورؐ ثابت کو جویریہ کے آزاد کرنے کا حکم دیدیتے۔ کیونکہ اگر آپؐ ایسا حکم دیتے۔ تو ثابت کی حق تلفی ہوتی۔ اس لئے آپؐ نے تنفیہ اپنے پاس سے ادا کر کے جویریہ کو آزاد کرادیا اور ایک معتبر شخص کے ہمراہ مہینے بھجوا دیا تاکہ وہ عزت و احترام سے اپنے والدین کے پاس پہنچا دی جائے +

اسی اثنا میں اس کا باپ حارث بہت سے بیش قیمت تحفے اور زرد جواہر لے کر مدینہ پہنچا کہ اگر ممکن ہو۔ تو بیٹی کے عوض زرد جواہر دے کر اسے آزاد کرالائے۔ آنحضرتؐ بھی مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ کہ حارث مدینہ پہنچا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعا بیان کیا۔ جب آپؐ نے اصل واقعہ سے

اس کو اطلاع دی۔ تو عمارت کے دل پر آنحضرت کے اس حسن سلوک کا بہت گہرا اثر ہوا۔ اور وہ اظہار شکر و احسان مندی کے لئے اپنا سہرا آنحضرت کے قدموں پر رکھ دیتا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو غلامی کی ذلت سے چھڑانے آیا تھا مگر یہ الفاظ جناب شروع پر کاش دیوہی اب اس نے خود حضرت کے قید غلامی میں آنے کو اپنی عزت بھرا اور نہایت خوشی و رضا و رغبت سے باپ اور بیٹی نے اسلام قبول کیا۔ عمارت نے درخواست کی کہ اگر میری بیٹی کو حضور اپنی کنیزی میں قبول فرمائیں تو میں اپنی بڑی عزت سمجھوں گا۔

ابھی حضرت نے اس کا کچھ جواب نہ دیا تھا۔ مگر عمارت کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہی تمام لشکر اسلام میں پھیل گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے ارادہ ظاہر کیا کہ اگر ایسا ہو گا۔ تو ہم شہزادی جویریہ کے تمام عزیز و اقارب کو فوراً آزاد کرویں گے۔ ورنہ آنحضرت کی شان میں نہایت سوءادبی ہوگی۔ کہ ان کے بحسral کے لوگ ہماری غلامی میں رہیں اس شہرت اور مسلمانوں کے ارادہ رملی غلامان کی نسبت آنحضرت کو بھی اطلاع پہنچ گئی۔ چونکہ آزادی غلامان بھی آنحضرت کی رسالت کا اہم مقصد تھا۔ اس لئے آنحضرت نے بھی اس نکاح پر رضامندی ظاہر فرمائی۔ اور اسی وقت عقد ہو گیا۔ اور نکاح ہوا۔ اور ہر عمارت کے تمام رشتہ دار جو جنگی قیدی اور مسلمانوں کے غلام و لونڈی بنے ہوئے تھے یک قلم آزاد کر دئے گئے۔ یہ عجیب نظارہ تھا۔ اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کو مل میں آنحضرت کی کس قدر محبت تھی۔ اور کس درجہ عظمت۔۔۔۔۔ تاہم اسلام میں یہ نکاح اس لئے خاص طور پر قابل وقعت اور سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہ کسی اور مسلمان بی بی کا نکاح اس قدر خیر و برکت کا موجب نہ ہوا۔ کیونکہ سو سے زیادہ ان کے عزیز و اقارب غلامی سے آزاد ہوئے۔ اور رب نے مذہب عیسوی کو چھوڑ کر اور تثلیث سے منہ موڑ کر ایک خدا کی پرستش اختیار کی۔

مہم مذکور کے ساتھ واقعہ قصۂ افک پیش آیا جس کی تفصیل ہم ایک غیر مسلم مصنف مشرورے پرکاش کے الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:-

”اس مہم میں حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کے ہمراہ تھیں۔ ایک روز جب منزل سے قافلہ روانہ ہونے لگا۔ تو حضرت عائشہؓ کی سواری کے لئے اُن کا اونٹ آیا۔ حضرت عائشہؓ کو سوار ہوتے وقت یاد آیا کہ جہاں میں ٹھہری تھی وہاں اپنا مار بھول آئی ہوں۔ یہ سوچ کر وہ دبی بی عائشہؓ (مار لینے والی) چلی گئیں۔ شتر بان نے انھیں واپس ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ اونٹ کے پاس انھیں نہ دیکھ کر یہ سمجھا کہ وہ سوار ہو چکی ہیں۔ وہ اونٹ کو کھڑا کر کے قافلہ کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ اور کسی کو یہ نہ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ پیچھے رہ گئیں۔ حضرت عائشہؓ کو مار کی تلاش میں کچھ دیر لگ گئی۔ اور جب وہ واپس آئیں۔ تو اونٹ کو دوہاں نہ پایا کہ بہت گھبراہٹیں کیونکہ سب قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ لاچار وہ وہاں سر راہ بیٹھ گئیں۔ اور نہایت پریشان تھیں کہ کیا کریں۔ اتنے میں انھوں نے دیکھا کہ صفوان جو حضرت کے صحابیوں میں سے تھا۔ اونٹ پر چلا آتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اُسے ٹھہرایا اور اپنا تمام ماجرا سنایا۔ وہ جھٹ اونٹ پر سے اتر پڑا۔ اور حضرت عائشہؓ کو اونٹ پر سوار کر کے آپ پیادہ مہار پڑ کر روانہ ہوا۔ اور قافلہ سے جا ملا۔

جب یہ خبر قافلے اور قافلے سے مدینہ میں پہنچی۔ تو بد باطن اور غیبت شناس لوگوں نے جن کے دل ہمیشہ ناپاکی سے بھرے رہتے ہیں۔ طرح طرح کی ناپاک باتیں گھڑیں۔ اور حضرت عائشہؓ پر بہتان باندھے۔ حضرت کو ان باتوں کے سننے سے بہت رنج ہوا۔ اور بے اقتضا نے بشریت تشویش پیدا ہوئی۔ اور تمام مہینہ پریشانی میں گزرا۔ مگر چونکہ دشمنوں کے بہتان کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اور حضرت عائشہؓ کی ذات ستودہ صفات ایسے خیالات سے پاک تھی۔ خدا نے تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت کی پریشانی کو دور کر کے

آپ کو اطمینان بخشا۔ جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر طوفان کھڑا کیا تھا۔ اُن کو قانون شرعی کے بموجب اتنی اتنی ضرب تازیانہ کی سزا دی گئی کہ (سورہ بقرہ) اس حضرتؓ سے مولفہ شروع ہو کر پکاش

قریش کا چوتھا حملہ اہل مکہ نے تیسرے حملہ کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کا اقتدار جتنا یا جنگ خندق دیکھ کر یہ رائے قائم کی کہ مسلمانوں کے استیصال کے لئے سخت سے سخت کوشش کی ضرورت ہے۔ ابوسفیان جو ایک سال کے لئے مسلمانوں سے صلح کر کے گیا تھا۔ اس نے ایک دم بیکار نہ کھویا۔ وہ بذات خود عرب کے تمام قبیلوں کے پاس گیا۔ اور ان میں مسلمانوں کی دشمنی کی روح پھونکی۔ نیز اہل مکہ نے اپنی ہر قسم کی طاقت و اثر کو کام میں لا کر تمام عرب میں قاصد دوڑائے۔ اور ملک بھر کے جنگ جو قبیلوں کو آمادہ پیکار کیا۔ اہل مکہ اور ابوسفیان نے اعراب کے علاوہ یہودیوں کو بھی دعوت بھیجی مدینہ کے علاوہ خیبر کے یہودیوں کو بھی آمادہ کیا۔ اور سب سامان لیس کر کے سال کے پورا ہونے کے منتظر ہو بیٹھے۔

اوپر سال ختم ہوا۔ اور ابوسفیان دس ہزار ٹڈی دل لشکر اپنے ہمراہ لے کر مدینہ کی جانب بڑھا۔ یہ سپاہ ہر قسم کے اسلحہ جنگ اور ساز و سامان سے درست تھی۔ اس کا ہر ایک فرد اپنی اشجاعت کا آپ مداح تھا۔ اس کے علاوہ کھلی ہر قیمت کی ندامت، جوش انتقام، خود مسلمانوں کے ساتھ نہی مخالفت ان کے دلوں کو اور بھی ابھار رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ قریش بھی بھر مسلمانوں کو جاتے ہی پیس ڈالیں گے۔ مگر قدرت کو اپنی معجز نائی دکھانی منظور تھی۔ اور ثابت کرنا تھا کہ جس کو خدا رکھے اُسے کون چکھے۔ یہ خبر مسلمانوں کے لئے کم خوفناک نہ تھی چنانچہ اول اول انھیں بڑا تر و پیدا ہوا مگر آخر رضا بہ قضا ہو کر آمادہ مقابلہ اور بہ تن ہذا میں مشغول ہو گئے۔ اس مرتبہ دشمن نے پورے سامان سے مقابلہ کی ٹھانی تھی۔ پورے دس ہزار

نبرد آزما آرہے تھے۔ اور یہاں چند گنتی کے مسلمان اور وہ بھی بے سرو سامان
 مسلم جنگ کا تو ذکر ہی کیا۔ تن ڈٹا نکلنے کو پورا کپڑا بیس نہ تھا۔ ایسی حالت
 میں یہ کسی طرح مناسب نہ معلوم ہوا کہ آگے بڑھ کر دشمن کو روکا جائے، کیونکہ
 لشکر قریش کے علاوہ مسلمانوں کو ایک کھٹکا یہ بھی لگا ہوا تھا کہ عبداللہ
 ابن ابی اور مدینہ کے یہودی بھی موقع پا کر حملہ نہ کریں۔

الغرض قراریہ پایا کہ مدینہ ہی میں محصور ہو کر صرف مدافعت پر قناعت
 کی جائے۔ حضرت سلمان فارسی نے جو ایرانی الاصل صحابی تھے صلح دی
 کہ مدینہ کے گرد اگر وہ ایک خندق کھدوا لی جائے اس سے دشمن کی روک
 ہوگی۔ اور وہ دفعتاً حملہ نہ کر سکیں گے۔ حضرت نے اس رائے کو بہت پسند
 فرمایا۔ اور مسلمان خندق کی کھدائی میں مصروف ہوئے۔ خود آنحضرت سب
 کے ساتھ کھدائی میں شریک تھے۔ اور کسی کو تن بدن کی ہوش نہ تھی۔ اگر خیال
 تھا۔ تو صرف یہی کہ دشمن کے آنے تک کسی دیکسی طرح یہ کام پورا ہو جائے۔
 کیونکہ دشمن کے آنے کی خبر اب دم اب دم ہو رہی تھی۔ جب وقت سے کھدائی
 شروع کی تھی کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لئے نہ تھکا تھا۔ نہ روٹی کھائی نہ پانی
 پیا۔ سب بھوکے پیاسے کام میں مشغول تھے۔ خیال یہ تھا کہ کام چھوڑ کر
 روٹی کھانے کوں جائے۔ اتفاق سے ایک خادم ایک ٹوکری بھر کر کھجوروں
 کی لے آیا۔ خدا نے اسی میں اتنی برکت دی کہ سب مسلمانوں نے شکم سیر ہو کر
 کھجوریں کھالیں۔ اور پھر بھی بچ رہیں۔ غیر مسلم مورخوں نے اس روایت کو
 مسلمانوں کی غرض اعتقادی پر محمول کیا ہے۔ غیر اگر ان کے خیال کے
 مطابق یہی صحیح سمجھا جائے کہ مسلمانوں کی بھوک پیاس غنیم کے خوف
 اور خندق کی کھدائی کی فکر دشمنیت سے اڑ گئی تھی۔ اس لئے وہ کھجوریں
 بچ رہیں تو بھی اس سے مسلمانوں کے تفکرات و مشکلات اور مستعدی و جفا
 کشی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

اور خندق تیار ہوئی اور سامنے سے دشمن نمودار ہوا۔ تقریباً تین ہزار کے قریب مسلمانوں کی جمعیت بھی ہو گئی۔ اور حسب الامر وہ شہر سے نکل کر دشمنوں کے سامنے خندق کی آڑ میں آڈٹے۔ گو مسلمان قہدا میں کم اور بے سرو سامان تھے۔ مگر ان کے دل تائیدِ نبی کے یقین نے قوی کر رکھے تھے۔ دشمن نے کثرتِ قہداو کے غرور میں چاہا کہ ایک دم ہلہ کر کے مسلمانوں کو پیس ڈالے۔ مگر خندق نے ان کا راستہ روکا۔ تو باہر ہی سے تیر برسا نے شروع کئے۔ مسلمان اس کے دوسری طرف محصور تھے۔ اپنی حفاظت کرتے اور حسب ضرورت جواب دیتے رہے۔ لیکن ابھی سوائے دور کے مقابلہ کے کوئی نہ نتیجہ نکلا تھا۔ کہ لشکر اسلام میں خبر پہنچی۔ کہ قبیلہ بنو قریظہ جس نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور صلح کا پیمانہ کر رکھا تھا معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر قریش سے جاملایا ہے اس خبر کے سننے ہی مسلمان بہت ہی متفکر اور پریشان ہو گئے۔ مگر صرف تھوڑی دیر کے لئے۔ جس کے بعد ایک جماعت کو دشمن کے مقابلہ پر چھوڑ کر آنحضرتؐ اور صحابہ کرام مشورہ کے لئے ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور آئندہ کے متعلق تدبیر سوچنے لگے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر اس وقت قبیلہ بنی غطفان کو محال مدینہ کی ایک تہائی آمدنی دینا کر کے اپنا طرفدار بنالیں تو بہتر ہے۔ اس پر سعد بن معاذ نے جو قبیلہ بنی اوس کا ایک شجاع جوان تھا۔ کہا کہ اگر جناب ایسا از روئے وحی فرماتے ہیں۔ تو ہمیں اس میں کچھ بھی حذر نہیں۔ لیکن اگر آپ کی یہ ذاتی رائے ہو۔ تو میں کچھ عرض کچھ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے وحی نہیں۔ اگر وحی ہوتی۔ تو مجھے کسی سے مشورہ کی کیا ضرورت تھی۔ اس پر معاذ نے جوش و لاوری میں اگر کہا۔ یا حضرت جب ہم بت پرست تھے۔ تو ہم نے اس وقت بنی غطفان کو کبھی خیاب کے طور پر ایک کوڑی نہیں دی۔ اور اب تو خدا کے فضل سے اللہ نے ہمیں اسلام کی دولت اور حضورؐ کی حلقہ بگوشی کا اعزاز بخشا ہے

پھر ہم ایسی ذلت کیسے گوارا کر سکتے ہیں۔ ہمارے اور دشمن کے درمیان تلوار فیصلہ ہے۔ اگر اس کی تلوار میں طاقت ہے۔ تو ایک ثلث کیا۔ ہم سے کل حاصل لے۔ لیکن جب تک ہمارے بازو میں طاقت ہے ہم سے یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی۔ ہمیں گوتے ہیں سیدان ہم بھی سرکھن ہیں۔ اور ہر طرح لڑنے مرنے کے لئے مستعد اور تقدیری فیصلہ کے منتظر۔ آنحضرتؐ یہ تویر سن کر خاموش ہو گئے۔

تیرا اندازی اور دود کا مقابلہ دو تین روز تک جاری رہا۔ جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا دیکھ کر قریش کے من چلے نوجوانوں سے صبر نہ ہو سکا۔ اور آخر کار چوتھے روز لشکر قریش میں سے عکرمہ بن ابوجہل۔ اور عمر عبدودؓ اور چند اور نوجوان خندق سے گزر کر میدان میں آئے۔ اور لشکر اسلام کو لٹکار کر بولے کہ کوئی مرد میدان ہو۔ تو ہمارے مقابلہ کو آئے؟ یہ سن کر مسلمانوں میں سے فوراً حضرت علیؓ۔ صحابین معاذؓ اور دواہدؓ اور بہادران کے مقابلہ میں آئے۔ اور ہر ایک بہادر اپنے حریف سے مشغول ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ دلیرانہ جنگ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے نعرہ اللہ اکبر کے ساتھ اپنے بنت پرست حریف عبدودؓ کو واصل جہنم کیا۔ اس کے بعد لڑائی عام ہو گئی۔ خدا پرست و بت پرست مخلوط ہو گئے۔ دوست دشمن کا امتیاز شکل ہو گیا خوب لوہے سے لوہا بجا۔ طرفین کے بہادر کام آئے۔ مسلمانوں میں سے سعد بن معاذؓ زیادہ زخمی ہوئے۔ مگر اس سخت لڑائی کے بعد لشکر قریش کے قدم اکھڑ گئے۔ اور چنانچہ قریش بھاگتے نظر آئے۔ اس بھاگڑ میں قریش کے ایک بہادر نوفل بن عبد اللہؓ کا گھوڑا خندق میں گر پڑا۔ مسلمانوں نے اس پر سنگباری کی تو اس نے کہا

مرے کو مارنا پیدروی سے + ہے بہت دور جو انحروری سے

اگر تم میں کوئی مرد میدان ہے۔ تو میرے مقابلہ میں آئے۔ دو دو ہاتھ ہو جائیں +

حضرت علی کو یسین کرتاب کہاں۔ فوراً آنحضرت سے اجازت لے کر نوافل کو خندق میں جاؤ انطا کہ لے علی تیرے مقابلہ میں ہے۔ کچھ جو انفرادی کے جوہر دکھا۔ نوافل یہ ٹوانٹ سنکر سنبھلا۔ اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ دونوں بہادر برابر کی چوٹ تھے۔ دیکھنے والے بیہوشی سے نتیجہ کے منتظر تھے۔ کہ حضرت علی اپنے حریف کا سر ہاتھ میں لئے ہوئے خندق سے باہر آئے۔ اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے لشکر سے نعرہ اللہ اکبر اٹھا۔ جس نے قریش کے رہے سے حوصلے بھی ہست کر دیئے۔ قریش میں سے عکرمہ بن ابوجہل بھی جو سپہ سالار کی حیثیت رکھتا تھا حضرت علیؑ کے ہاتھ سے سخت زخمی ہوا۔ اور بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ اور اپنے لشکر میں جا کر دم لیا۔ اور اس طرح آج کا میدان قریش کی ناکامی کا ویسا چٹا ثابت ہوا۔ باوجودیکہ قریش پورے دس ہزار جوان لے کر آئے تھے۔ اتنی بڑی تعداد کہ جنگل اور میدان ان سے بھر سوانظر آتا تھا۔ اور سامان حرب سے ہر طرح درست۔ مگر ان خفیف ناکامیوں ہی سے ایسے رچ ہوئے۔ کہ خندق پار ہو کر حملہ کر سکی جرأت نہ تھی۔ کیونکہ ان میں سوائے کثرت تعداد اور آہنی ہتھیاروں کے وہ قوت کہاں جو مسلمانوں کے پاس تھی۔ یعنی قوت ایمان اور خدائی مدد۔ یہ دین اسلام ہی کو شرف حاصل ہے کہ اس کی تھوڑی جمیعت زیادہ پر غالب آئے۔ یہ مبھان اللہ

یہ سب کچھ تھا۔ مگر سچا حال موجودہ مسلمان بھی کچھ کم مشوش نہ تھے۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی کامیابیاں ان کو اپنی قلت تعداد کی وجہ سے خندق سے محکم کر دیتی تھیں۔ اور لڑائی کے فیصلہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی تھی۔ کہ وقتاً مسلمانوں کو خیال آیا۔ کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اور اینٹ کا جواب پتھر ہی سے دینا مناسب ہے۔ انھوں نے بنی قریظہ کی دغا بازی کا جواب ”الحرب خدعتہ“ (لڑائی کمر ہے) سے دیا۔ اور ان میں سے ایک مقبر شخص بنو قریظہ کے پاس گیا۔ اور معمولی گفت و شنید کے بعد

اُن سے کہا کہ تم مسلمانوں کا مقابلہ کر کے سخت غلطی کر رہے ہو۔ اِطالی کا رنگ دیکھ ہی چکے ہو کہ آج نہیں کل۔ کل نہیں پر سو قریش شکست کھا کر مکہ کو چلے ہی جائیں گے۔ اُن کا کیا نقصان ہوگا مغزے سے اپنے گھر میں بیٹھ کر دین کریں گے۔ مگر تمہیں ہر وقت مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے۔ ہرم کا مقابلہ ہے۔ تم اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگنے سے رہے۔ بس تمہاری مشکل آج بائٹکی۔ ہاں اگر اہل مکہ تمہارا اس بات سے اطمینان کر دیں کہ وہ بغیر فتح کے ہرگز مکہ نہ جائیں گے اور تمہارا ساتھ دیں گے۔ تو بیشک درست ہے۔ مگر زبانی باتوں کا کیا اعتبار دینا کہ تم ان کے چند سردار بطور زیرِ عمل اپنے پاس نہ رکھو؟

اس کے بعد یہی شخص اہل قریش کے پاس پہنچا۔ اور ادھر ادھر کی گپ شپ کے بعد کہنے لگا۔ کہ بنو قریظہ بڑے چالاک ہیں۔ ادھر آپ سے دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ ادھر مسلمانوں سے ملے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں سے اقرار کر لیا ہے۔ کہ اہل قریش کے چند زیرِ عمل ان کے حوالہ کریں۔ یہ ایک حکمتِ علی تھی۔ جس کا مقصد دشمن میں نا اتفاقی ڈالنا تھا۔ اور وہ اپنا کام کر گئی۔ چنانچہ جب ابوسفیان نے بنی قریظہ کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ کہ کل مسلمانوں پر حملہ ہوگا۔ آپ بھی تیار رہیں۔ اس نے نہایت رکھائی سے کہلا بھیجا۔ کہ کل ہمارا تعطیل کا دن ہے۔ اس واسطے ہم حملہ میں شریک نہ ہونگے۔ اور اگر اس کے بعد تم لوگوں کو ہماری مدد کی ضرورت ہو تو آؤں تک ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرو۔ اور اپنے چند سردار بطور زیرِ عمل ہمارے پاس بھیج دو؟

یہ جواب ہا کر ابوسفیان اور اہل قریش نے بہت ہیچ و تاب کھایا۔ اور دل میں خیال کیا کہ وہ شخص ہیچ کہتا تھا۔ واقعی بنی قریظہ شریر ہیں۔ اور اب وہو کا دونا چاہتے ہیں؟

اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اہل قریش نے صلح کا خیال چھوڑ دیا۔ اتفاقاً اس کے بعد ہی نہایت زور و شور سے آنہ جی آئی۔ جس نے بڑے بڑے تناؤ و درخیزوں کو سرنگوں کر دیا۔ اور قریش کے ڈیرے غصے اٹھا کر پھینک دئے۔ بے انتہا بارش ہوئی۔ اور اس قدر سیلاب آیا کہ اس سے قریش کا سب مال و اسباب اور سامان حرب تک بہ گیا۔ اب لشکر قریش میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ سب آفت اسخضر کی لائی ہوئی ہے۔ اور جادو کے زور سے یہ بلا نازل کر کے مسلمان غمگین ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ بیدلی تو پہلے ہی سے پھیلی ہوئی تھی۔ یہ خیال سمند ناظر یہ ایک اور نازیانہ ہوا۔ اور اب اہل قریش نے بالکل ہمت مار دی۔ سب سے پہلے ابوسفیان سانڈنی پر سوار ہو میدان چھوڑ کر بھاگا۔ اور سب سے کہا گیا کہ خیر چاہتے ہو۔ تو بھاگ آؤ یوں بھی سردار لشکر کی پیروی سب پر واجب تھی۔ مگر اس بدحواسی آمیز تاکید نے سونے پر سیاہ کا کام دیا۔ اور لشکر قریش میدان سے اس قدر سرانیمہ اور بدحواس ہو کر بھاگا کہ مکہ سے ورے پیٹھے پھیر کر نہ بچا۔ اور اس طرح خدائے مطلق نے جس کے قبضہ میں فتح و شکست ہے۔ اور جس کی ذات پر مسلمانوں کو ہر دم بھروسہ تھا۔ اپنے بیکس غلص بندوں کو سخت دشمن سے رہائی دی۔ سبحان اللہ وہ العوی العظیم۔

حکم آور ملک پچیس دن تک محاصرہ کئے رہے۔ اور وقتاً فوقتاً حملے بھی کرتے رہے۔ مسلمان محصورانہ دینہ کے اندر سے خندق اور دودھ کے عقب سے حملہ آور فوج کی ممانعت کرتے رہے۔ مگر قریش ایک مورچہ بھی مسلمانوں سے نہ بے سکے۔ اور طویل محاصرہ کی وجہ سے غالباً اتنے بھاری لشکر کے لئے رسد رسانی بھی دشوار ہو گئی۔ اس لئے آخر انہیں فرار ہوتے ہی بنی۔ مسلمانوں نے اس عرصہ میں سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ بیرونی حملہ آور فوج کے علاوہ شہر کے اندر یہودیوں نے بھی آنکھیں دکھائیں۔ جیسا کہ بالتفصیل اوپر گزرا۔ لیکن اب بفضل خدا مسلمانوں کی تقریباً تمام تکالیف کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

بنو قریظہ نے ایسے وقت میں وہو کہ دیکر اپنی واپست میں مسلمانوں کے
 تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا۔ اور حقیقت یہ ایسا
 سنگین جرم تھا کہ مسلمان کسی طرح اسے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ
 اگر خدا خواستہ دشمن ان کی مدد سے فتحیاب ہو جاتا۔ تو مسلمانوں کا ایک بچہ تک
 سلامت نہ رہنے پاتا۔ ایسے وقت میں جبکہ دشمن شہر کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا
 مہا اہل شہر کے ایک فرقہ کا اس سے بچنا جیسا کچھ تباہی انگیز اور بلاخیز تھا۔
 اسے الفاظ کافی طور پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان لشکر قریش
 سے فراغت پاتے ہی یہودیوں کی بد ذاتی کی سزا دی کی طرف متوجہ ہوئے
 اور تو گفار بدحواس ہو کر کہ کی طرف بھاگے۔ اور مسلمانوں نے بنو قریظہ کو
 عہد شکنی کا جواب طلب کرنے اور اس دعا بازی کا بدلہ لینے کی غرض سے سنا گھیرا
 ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی کچھ دن تک تو قلعہ بند رہے۔ مگر اس طرح
 کب تک کام چلتا۔ جب قلعہ میں سامان خورد و نوش نہ رہا۔ تو مجبور ہو کر قلعہ
 مسلمانوں کے حوالے کرنا اور خود کو مسلمانوں کے فیصلہ پر چھوڑنا پڑا۔ مگر قبیلہ
 بنی اوس کو درمیان میں دسے کر (جوان کا دوست تھا) سفارش چاہی اور
 یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ خود مسلمان اس بارہ میں کچھ نہ کہیں۔ بلکہ اس کا
 فیصلہ قبیلہ اوس کے سردار کے سپرد کر دیں۔ ان دنوں اس قبیلہ کا سردار
 سعد ابن معاذ تھا۔

اگرچہ مسلمان سعد کو منصف قرار دینے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے کہ وہ
 بنی قریظہ کا دوست تھا۔ اور اس کے فیصلہ سے ان مسلمانوں کا اطمینان
 مہر تا نظر نہ آتا تھا۔ جوان لوگوں کی عین موقعہ پر دعا بازی سے سخت جلے
 ہوئے تھے مگر پھر بھی اللہ کے بھروسہ پر سعد ہی کو فیصلہ صادر کرنے کے
 لئے مسلمانوں نے حکم مان لیا۔ جب فریقین اس کے فیصلہ کو بے چون و
 چرا ماننے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو سعد نے یہ حکم سنایا کہ واقعی بنی قریظہ

نے دوستی کا عہد کر کے سخت دغا بازی سے کام لیا۔ اور ایسی بناوت کا ارتکاب کیا ہے جس کی سزا کسی طرح موت سے کم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں حکم دیتا ہوں کہ اہل قلعہ میں سے جتنے آدمی مسلح ہیں۔ وہ قتل کئے جائیں۔ اور عورتیں اور بچے غلام بنائے جائیں۔ ان کا مال و اسباب ضبط کر کے مسلمان سپاہیوں کو بانٹ دیا جائے۔

اس فیصلہ کا صادر ہونا متحجرا کہ فوراً تعمیل شروع ہو گئی۔ کیونکہ سپاہ اسلام ان کی جانب سے اس درجہ بھری بیٹھی تھی کہ اسے کسی مزید تاخیر کی تاب نہ تھی۔ اس سلسلہ میں ڈٹائی سو کے قریب باغیوں کو نرے موت دی گئی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر آنحضرت پر اس واقعہ کا فیصلہ چھوڑا جاتا۔ تو آپ بہت کچھ زخمی کرتے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ آپ خود معذور تھے۔ کیونکہ اول تو متحدہ کو خود بنی قریظہ نے ہی ثالثت مقرر کیا تھا۔ دوم سپاہ اسلام نے اس کی مہلت ہی نہ دی۔ کہ آپ کوئی کارروائی کر سکیں۔ سوم خود مسلمان اتنے بگڑے ہوئے تھے۔ کہ شاید وہ ایسے وقت میں آنحضرت کے گریباں اور رعبانہ کارروائی کو بھی ٹھنڈے کلچر سے نہ دیکھتے۔ قلعہ نظر ان سب باتوں کے بنی قریظہ کا جرم اتنا سنگین اور خوفناک تھا کہ ان کے ساتھ جری کا برتاؤ فی الحقیقت انصاف کا خون اور ایک بُری مثال ہوتا ہے

نکوئی بابتوں میں چسپاں ست

کہ بدکردن بجائے نیک مردوں

اس واسطے گو یہ ظاہر یہ سزا سخت نظر آتی ہے۔ لیکن کوئی اسے نامنصفانہ نہ سمجھتا نہیں کر سکتا۔ وہ تو زمانہ ہی اور تھا۔ اس زمانہ میں زبردستی کی زبان ہی قانون تھا۔ لیکن آج بھی جب کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسا موقع پیش آتا تو وہ بھی یہی کرتی ہے پھر اگر وہ ڈٹائی سو منصفہ دل کی سزایابی سے عام ملک میں امن قائم ہو سکے۔ تو آئین ملکی اسے جائز بلکہ ضروری سمجھتا ہے۔

اس بارے میں اکثر لوگوں نے مسلمانوں کو اور خود آنحضرت کی ذات کو نشانہ ملاست بنایا ہے۔ لیکن اس کی وجہ محض تعصب ہے۔ نہ کہ منصفانہ رائے زنی۔ کیونکہ واقعات اس امر کے خود شاہد ہیں کہ جو کچھ کیا گیا بالکل درست کیا گیا۔ اور اس فیصلہ میں ناروا و بیجا سختی کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ گو دفعتاً کسی کو یہ کارروائی سخت معلوم ہو مگر تمام پہلوؤں پر غور کرنے سے لامحالہ انسان اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ جو عمل میں آیا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں کے حق میں بہت ہی مضر نتیجہ نکلتا۔ ہم اس کے متعلق خود کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتے۔ بلکہ شروع پر کاش کی رائے نقل کرتے ہیں۔ چونکہ ہم خود مسلمان ہیں۔ اس واسطے ایک غیر مسلم کی شہادت زیادہ موثر ہوگی۔ وہ لکھتے ہیں: ”جو لوگ ایسے موقوفوں پر حضرت (مجر صلعم) کا مقابلہ مسیح یا آذر پیشوایان دین سے کرتے ہیں۔ وہ غلطی کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کو ایسے حالات پیش آئے کہ اپنے تابینوں کی حفاظت کے لئے انھیں حکومت بھی ہاتھ میں لینی پڑی۔ وہ یوں بھی محافظ کعبہ ہونے کی حیثیت سے عرب میں ایسا اعزاز رکھتے تھے کہ ان کے خاندان کے آگے تمام ملک کی گردنیں جھکتی تھیں۔ اور اب تو خدائے تعالیٰ نے خاصی بادشاہت دیدی تھی۔ ایسی حالت میں ان کے احکام کا مقابلہ اگر کیا جاسکتا ہے۔ تو دنیا کے اور بادشاہوں اور فرمانرواؤں سے ہو سکتا ہے۔ نہ کہ کسی تارک الدنیا درویش سے۔ ان دونوں کے طریق میں بے انتہا فرق ہے۔ شیخ سعدی نے کس لطیف چیراہ میں اس نکتہ کو حل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

گفت او کلیم غولش بدرے برد ز موج

دیں جہدے کند کہ بگیر و غسریق را“

مذکورہ بالا واقعات کو شکل سے ایک سال گزرا تھا کہ کعبہ کے حج کے ایام آ گئے۔ اس زمانہ میں اقوام عرب عام طور سے کعبہ کا حج کیا کرتی تھیں۔ اور مہاجرین کو اگرچہ وہاں سے نکلے چھ سال ہو گئے تھے۔

مسلمانوں کا شوق حج اور مکہ کا سفر

اور قریش کی عداوت سے جو سختیاں اٹھا کر وہاں سے نکلنا پڑا تھا۔ وہ ابھی فراموش نہ ہوئی تھیں۔ نہ وہ عداوت ہی ابھی دور ہوئی تھی۔ مگر جب وطن جو مصر کی بادشاہی سے کسنان کی گدائی کو بہتر بناتی ہے غالب آئی اور انھوں نے بھی عرب کی اور اقوام کی طرح حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ اور تقریباً ڈیڑھ ہزار مسلمانوں نے جن میں انصار و مہاجرین دونوں شامل تھے مدینہ سے حرکت کی۔ اور اسلحہ جنگ یا اس قسم کی کوئی چیز اپنے ہمراہ نہیں لی جس سے مکہ والے سمجھیں کہ مسلمان لڑنے کی نیت سے آئے ہیں۔

ہمیشہ سے دستور تھا کہ اہل مکہ ایام حج میں کسی دشمن کو بھی وہاں آنے سے نہ روکتے تھے۔ اس لئے مومنین اسلام کو بھی یقین تھا۔ کہ وہ بھی زیارت کعبہ اور طواف بیت اللہ سے نہ روکے جائیں گے۔ مگر بائیں ہمہ جب قریش کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ فوج لے کر راستہ میں آپڑے۔ کہ مسلمانوں کو کعبہ کی طرف قدم نہ بڑھانے دیں۔ الغرض جب مسلمان وہاں پہنچے۔ تو راستہ کو رکا ہوا اور قریش کو برسرِ پیکار پایا۔ مسلمانوں نے یہ حال دیکھ کر قریش کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ کہ ہم لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے۔ بلکہ ہمارا مقصد صرف زیارت کعبہ ہے۔ قریش نے اس بات کی کچھ پروا نہ کی۔ اور نہایت بری طرح پیش آئے۔ سپاہیوں کو حکم دیدیا۔ کہ جو مسلمان ذرا بھی کعبہ کی طرف بڑھے فوراً تلوار کے گھاٹ اتار دو۔ اور مسلمانوں سے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم تم کو ہرگز مکہ کی حد و دیں نہ گھسنے دیں گے۔ جوش مخالفت میں نوجوانان مکہ نے نہ صرف مسلمانوں پر تیر برسائے بلکہ بعض گستاخوں نے آنحضرت پر پتھر پھینکے۔ قریش کی ان حرکات پر مسلمانوں کو غصہ آنا یقینی تھا۔ چنانچہ وہ ایسے کئی شریروں کو جو تیر پلاتے اور پتھر پھینکتے تھے گرفتار کر کے حضرت کی خدمت میں لے گئے۔ کہ اجازت حاصل کر کے ان کو شہر کا فرہ چکھائیں۔ مگر آپ نے اُن کا قصور معاف کر کے بلا کسی تنبیہ کے چھوڑ دیا۔ اور قریش کے پاس ایک

مستعد یہ پیام دے کر بھیجا کہ تم لوگ خواہ مخواہ لڑائی بھڑائی کا خیال کر کے اور ہم پر سختی کرتے ہو ہم جنگ و جدل کرنے نہیں آئے۔ بلکہ صرف حج کی غرض سے آئے ہیں۔ اسی واسطے ہتھیار بھی نہیں لائے۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ ہمارا آنا دشمنی کی نیت سے ہے یا دوستی کی غرض سے۔ تم بے خوف ہو کر ہم مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دو۔ اور صلح کے لئے جو کچھ تم کہو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کس قدر صلح پسند تھے۔ اور کس درجہ اخلاق کا برتاؤ کرنا چاہتے تھے۔ مگر قریش ان کے مقابلہ میں ایسے سنگدل بن رہے تھے۔ کہ اس پیام صلح کو انھوں نے بڑی عہت سے سنا۔ اور بشکل تمام چند سربراہ اور وہ قریش مسلمانوں کے پاس آئے مسلمانوں نے ان کے ساتھ نہایت اعلیٰ اخلاق کا برتاؤ کیا۔ اور بہت کچھ گفت و شنید کے بعد ایک صلحنامہ مرتب کیا گیا۔ اور اس میں حسب ذیل شرائط قریش نے منظور کیں۔

۱۔ اب سے دس برس تک زمانہ امن سمجھا جائے۔ اور کوئی فریق ایک دوسرے پر حملہ نہ کرے۔

۲۔ اگر کوئی قریش اپنے سردار قبیلہ کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو وہ واپس دیدیا جائے۔

۳۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس آجائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ عرب کے دیگر قبائل اپنی مرضی کے مطابق کسی فریق کے شامل ہو سکتے ہیں۔ مگر فریق مزاحم نہ ہوگا۔

۵۔ اس دور مسلمان آگے نہ بڑھیں۔ اور واپس چلے جائیں۔ مگر اگلے برس ان کو خانہ کعبہ کا حادف کرنے اور مکہ میں صرف تین روز ٹھہرنے کی اجازت

ہوگی۔ لیکن اُس وقت ان کو مکہ میں بغیر ہتھیار آنا ہوگا۔
 ان شرائط پر سر سری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے شرائط
 اپنے مفید مطلب طے کرائیں۔ اور مسلمانوں کے فوائد کو پامال کیا۔ دوسری
 اور تیسری شرط پر نظر ڈالو کیا انصاف یہی ہے کہ مسلمان تو قریش کے آدمی
 واپس کرویں۔ مگر قریش ان کے آدمی واپس نہ دیں۔

پھر مسلمانوں کے لئے یہ بات کس قدر صدمہ پہنچانے والی تھی کہ وہ
 اس سال طواف و زیارت کعبہ سے روک دئے گئے تھے۔ حالانکہ اس میں
 قریش کا کچھ ہرج نہ تھا۔ یہ صرف ان کی ضد اور ہٹ دہرمی اور اپنی بات کو
 بلند رکھنا تھا۔ انھوں نے دانت ایسی شرائط پیش کی تھیں کہ مسلمان
 انھیں تسلیم نہ کریں۔ اور اس طرح جنگ چھڑے۔ مگر مسلمانوں کی امن پسندی
 کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے فوائد کا
 خون ہوتے دیکھا۔ مگر شرائط صلح کو مان لیا۔ اور خاموش واپس چلے گئے۔
 واپسی کی جو شرط تھی۔ اگرچہ وہ بظاہر مسلمانوں کے لئے بہت مضر معلوم ہوتی
 ہے۔ مگر درحقیقت اُسے نگاہ غور سے دیکھنے پر اس کی سختی بہت کم ہو جاتی ہے۔
 قریش کا آدمی اگر مسلمانوں کے پاس بلا اجازت سرور آجائے۔ تو وہ
 واپس دیا جائے گا۔ اس پر مسلمانوں نے رضامندی ظاہر کی۔

ایسے شخص کا مسلمانوں کے پاس آنا و وجہ سے خالی نہ ہوگا۔
 یا تو وہ مسلمان اور کلمہ توحید کا بندہ ہو کر آئے گا۔ یا منافق پہلی صورت
 میں جب وہ مسلمانوں میں رہ چکا ہے۔ اور توحید پر رست ہو گیا۔ اب وہ خواہ
 کہیں رہے۔ اس کا ایمان مضبوط ہے۔ قریش پھر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔
 اور اس بات کا خاص مکہ میں امتحان ہو چکا تھا۔ جب کہ مکہ والے نو مسلموں
 کو ایذا میں دیتے تھے۔ اور وہ صد اذیت کے عاشق مضبوطی سے توحید پر
 جمے ہوئے تھے۔ یہی دوسری صورت منافقانہ سیویہ بہر حال مسلمانوں

کے لئے بدینہ جو مضر تھی۔ کہ اگر ایسا شخص ان کے پاس رہتا تو اس سے سوائے اس کے کیا امید ہو سکتی تھی کہ ان کی اندرونی خبریں ان کے دشمن قریش کے پاس پہنچنے۔ پس اس صورت میں یہ شرائط مسلمانوں کو زیادہ نقصان دہ نہ تھیں۔ البتہ سب سے زیادہ تکلیف وہ جو بات تھی وہ اس سال زیارت و طواف کعبہ سے روکا جانا تھا۔ مگر ہر حال انھوں نے ایک امن پسند جماعت کی مانند اپنے دل پر جبر کر کے صبر سے کام لیا۔ اور آئندہ سال کا انتظار کرنے لگے۔

آنحضرت کی فضیلت بقول جناب شروہی پر کاش دیوبند: حضرت محمد صاحب دوسرے نبیوں پر سے پیشتر دنیا میں بہت سے نبی گذر چکے تھے۔ ان میں سے

بعض جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ نہایت اولوالعزم پیغمبر تھے۔ لیکن ان کی رسالت اور آنحضرت کی رسالت میں یہ بڑا فرق تھا کہ وہ نبی صرف اپنے بھائی یعنی بنی اسرائیل کی ہدایت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی نبوت لودان کی گل دندگی بنی اسرائیل اور ان کے ہی مساطات میں صرف ہوئی۔ حضرت مسیحؑ بھی ہمیشہ یہی فرماتے رہے۔ کہ میں بنی اسرائیل کی بھولی بھٹکی بھیریل کو راستہ دکھانے آیا ہوں۔ چنانچہ انھیں کی ہدایت میں لگے رہے لیکن آنحضرت نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں بنی اسمعیل کی ہدایت کے لئے آیا ہوں۔ انھوں نے بنی اسمعیل اور بنی اسرائیل کو ایک آنکھ سے دیکھا۔ بلکہ انھیں اور تمام دنیا کے بنی آدم کو اپنا بھائی جانا۔ اور سب کو یکساں محبت اور دروہ مندی سے پیغام الہی سنایا۔ بادشاہوں کے شان و شکوہ کا رعب بھی انھیں پیغام الہی کے پہنچانے سے مانع نہیں ہوتا تھا۔ وہ جس آزادی سے ایک اور نے غریب آدمی کو صدر اقصیٰ کی جانب بلاتے تھے۔ اسی آزادی سے بے دھڑک عظیم الشان بادشاہوں اور شہنشاہوں کو پیغام حق بھیجتے تھے۔

بادشاہوں کو باوجود ہر قسم کے مصائب سے مقابلہ کرنے کے آنحضرت صلعم اپنے دعوے حق فریق سے غافل نہ تھے۔ بلکہ اب جبکہ کہ دلوں سے صلعم ہو گئی۔ تو اپنے

تبلیغ حق کا قدم آگے بڑھایا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ہم عصر بادشاہوں اور ہنشاہوں کی خدمت میں اپنے سفیر بھیج کر ان کو دین حق کی جانب بلایا۔ منہلہ ان کے آپنے ایک خط کسری شاہ ایران کے پاس بھی بدست عبدالمدین عذیقہ بھیجا۔

جب یہ خط دربار ایران میں پہنچا۔ تو شاہ کسری اس وقت اہل روم پر عظیم الشان فتح یابی کی خوشی میں شامانہ جشن منانے میں مصروف تھا۔ آنحضرت کا خط وزیر نے پڑھ کر سنایا۔ کسری نے اپنا نام حضرت کے نام کے بعد سنا۔ تو سخت برا فروختہ ہوا۔ اور اسے اپنی سخت توہین سمجھا کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ جب قاصد نے واپس جا کر آنحضرت کو یہ ماجرا سنایا۔ تو آپ نے فرمایا قرآن اللہ مملکہ یعنی خدا اس کی بادشاہت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

اب اسے خواہ پیشین گوئی کہو یا دعا۔ لیکن اس میں شک نہیں اور تاریخ صاف بتا رہی ہے۔ کہ چند روز میں ہی سلطنت ایران ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ اور برباد ہو گئی۔ اس طرح آنحضرت کے الفاظ کا اثر پورا ہوا۔

شاہ ایران صرف خط ہی کو پھاڑ کر خاموش نہیں ہو گیا تھا بلکہ اس نے یمن کے ایرانی حاکم کو حکم بھیجا کہ اس نبی کو گرفتار کر کے ہمارے دربار میں جلد حاضر کرے۔ اس غریب کو یہ کیا معلوم تھا۔ کہ جس شخص کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ کل اسی کے جانشین ایرانی تخت کے مالک ہوں گے۔ اور جس تخت سے وہ بڑے غرور کے ساتھ گرفتاری کا حکم نافذ کر رہا ہے۔ کل وہی اس نبی کے خادموں کے قدموں کے نیچے ہو گا۔

حاکم یمن کسری عظیم الشان بادشاہ کے احکام کی مخالفت کیسے کر سکتا تھا۔ اس نے دو آدمی آنحضرت کی گرفتاری کے لئے روانہ کئے جو طائف پہنچ کر قریش سے ملے۔ تو قریش بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ ان کے زعم میں کسری شاہ فارس کا اس نئی تحریک کی بیج کنی پرستعد ہونا بڑی نیک فال تھی۔ چنانچہ ابوسفیان نے بڑے فخر سے کہا۔ کہ دیکھو اب شاہ فارس نے اسلام کی بیج کنی

پیکر باندھی ہے۔ اب محمد کا زندہ بچنا محال ہے۔ مگر اُسے تقدیری معاملات کی کیا خبر تھی؟

عالم یمن کے سپاہی طائف سے مدینہ گئے۔ لیکن جب وہ نبی کریم کے حضور میں آئے۔ تو ان پر اس قدر عجب چھایا کہ بید کی مانند تھر تھرا کا پنہ لگے۔
تھر بڑی شکل سے اپنا مافی الضمیر اس طرح بیان کیا کہ وہیں باؤ ان عالم یمن نے آپ کو مگر فتار کر کے شاہ ایران کے پاس لیجا نیکا حکم دے کر بھیجا ہے۔ پس اگر آپ برضا و رغبت ہمارے ساتھ چلے چلیں تو ممکن ہے کہ عالم یمن کی سفارش سے آپ کو کوئی لمبا ملے۔ اور یہی مناسب بھی ہے۔ ورنہ آپ کسری کی قوت سے واقف ہی ہیں۔ وہ نہ صرف آپ کی جماعت کا دشمن ہو جائے گا۔ بلکہ کل عرب پر آفت لاگے گا۔
یہ سن کر آنحضرت نے زیر لب تبسم فرمایا۔ اور حکم دیا ٹھیرو ہم کل اس بات کا جواب دیں گے۔ اسی شب آنحضرت نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی۔ اس کے جواب میں درگاہ ایزدی سے ارشاد ہوا کہ آج کی رات اس ظالم شاہ کو اس کے بیٹے نے تہ تیغ کیا۔

صبح کو حضرت نے یمن کے سپاہیوں کو اپنے روبرو بلا کر فرمایا کہ جس کے پاس تم مجھے لیجانا چاہتے ہو۔ وہ خود اب دنیا میں نہیں ہے۔ کیونکہ آج ہی رات کو میرے خدانے اس کو اسی کے بیٹے کے ہاتھوں قتل کر دیا ہے۔ یہ عجیب خبر سن کر وہ سپاہی یمن کو واپس چلے گئے۔ اور حاکم یمن سے ہمارے تمام قصہ بیان کر دیا۔ وہاں ابھی کسری کے قتل کی کوئی خبر نہ پہنچی تھی۔ اس لئے خود باؤ ان حاکم یمن اس کو سن کر نقش بدیوار رہ گیا۔ اور اس نے فیصلہ کیا کہ اگر یہ بات سچ ثابت ہو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ موائے خدا کے اتنے دور کے واقعوں کی خبر آنحضرت کو ایک ہی رات میں کون دے سکتا ہے؟

اس خبر کے سچ ثابت ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگی۔ اور چند روز بعد ہی

الٹیر ویہ سپر خسر و پوینہ کا خطا مکمل بین کے نام پہنچا۔ جس میں وہی خبر درج تھی۔ جو آنحضرت نے بیان فرمائی تھی اس کی تصدیق ہوتے ہی اہل بین کو آنحضرت کی صداقت کا یقین آ گیا۔ اور عالم کین تو فرار صدق دل سے ایمان لے آیا۔ اگرچہ اس زمانہ میں کوئی تار برقی نہ تھی۔ کہ ایران کے دار السلطنت کی خبریں حضرت کو وسبدم پہنچتی رہتیں۔ اور اس لئے اس امر کے ماننے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے کہ یہ خبر آنحضرت نے روحانی الہام سے حاصل کر کے بیان فرمائی تھی۔ مگر سرولیم میور صاحب نے حسب معمول اس سے انکار کیا ہے۔ مگر یہ نئی بات نہیں۔ ان کی عادت ہے۔ اور اس واسطے محل شکایت نہیں صاحب موصوف نے اس سچائی کے نشان ملانے کے لئے غیر معمولی طور پر کوشش کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ ”حضرت کو کسریٰ کی بیماری اور موت کی خبر پہلے پہنچ چکی ہوگی“ (اور جبکہ وہ بیمار رہ کر مرنے نہ ہو۔ بلکہ قتل ہوا ہو۔ تو پھر محترمین کا کیا علاج) مگر صاحب موصوف دیدہ و دانستہ اس امر کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اور مطلقاً غور نہیں کرتے کہ حضرت نبی کریم نے تو اسی رات جبکہ یہ ایلمپی مرینہ ہی میں تھے۔ فرمایا تھا کہ آج ہی کی رات ”میرے مولیٰ نے تمہارے آقا کو مار ڈالا ہے۔ اور یہ سہ شنبہ ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۱ھ کی رات تھی۔ جب اس امر کی تصدیق ہوئی۔ تو گورنر اور اس کے بعض متعلقین مسلمان ہو گئے۔

ہم محترم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کے مسلمان ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت کی پیش گوئی نے پورا ہو کر ان کے دلوں کو تسخیر کیا تھا۔ اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ اگر بقرض محال نیا شہنشاہ پہلے ہی اورنگ نشیں ہو چکا تھا تو اس کا پہلا کام یہ تھا کہ سرکاری طور پر عالین کو اپنی مسند نشینی سے آگاہ کرتا جیسا کہ عام قاعدہ ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ پروانہ سرکاری بود میں پہنچا۔ پس مقام غور ہے کہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ مرینہ میں تو خبر پہنچ جاتی۔ اور عامل بین اور اس کے انسوز خبر رہتے۔ کیا یہ مہٹ دہرمی

نہیں۔ کہ جن لوگوں کو ایرانی معاملات سے براہ راست تعلق تھا۔ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ان کو اس واقعہ کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ پھر غیر متعلق لوگوں کو کس طرح پہنچ گئی؟

دوسری بات قابل غور یہ ہے۔ کہ عاملین کو خط پہنچا کہ حضرت کو گرفتار کر کے بھیجے۔ اس کی بلاتا خیر تمیل کی گئی مدینہ کو آدمی گئے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس مختصر سے زمانہ میں کسریٰ کی موت کی خبر شہرت پا کر مدینہ تک پہنچ جاتی۔ خیر بغرض محال اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے۔ کہ یہ خبر عرب کے وسیع ریگستان کو عبور کر کے بلاتا برتنی مدینہ میں پہنچ گئی تھی۔ اور وہاں خاص و عام میں مشہور بھی ہو گئی تھی۔ تو پھر اس کا کیا جواب ہے۔ کہ آنحضرت کے سوا کسی اور کو اس واقعہ کی اطلاع کیوں نہ ہوئی۔ پس یہ بھی غور کر دو کہ ایلمی مین سے چل کر مدینہ آ پہنچے۔ مگر ان کے کان میں یہ خبر نہ پڑی۔ باوجود مشہور ہو جانیکے (بقول متحرر) کہ شاہ کسریٰ جس کی وہ رعایا تھے موت کا شکار ہو چکا ہے۔ پھر یہ لوگ مدینہ میں ایک روز ٹھہراٹے گئے۔ اگر وہاں یہ خبر مشہور تھی۔ تو اور لوگوں کی نوابی انھیں معلوم ہو جانی چاہیے تھی۔ پھر جب یہ واپس ہوئے۔ تو جس طرح جاتے وقت ان کو اس حادثہ عظیم کا علم نہ تھا۔ اسی طرح دلہی پر بھی انھیں اس کی اطلاع نہیں ملی۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ ان دونوں ایرانی شخصوں کی شکل و شبابت عربوں سے جدا لگا نہ تھی۔ کیونکہ ایرانیوں کے دستور کے مطابق ان کی داڑھی صاف تھی۔ اور مونچھیں دم سگ کی مثل۔ یہ سنہری پٹیاں باندھے ہوئے تھے چنانچہ ان کے لباس کا احادیث میں ذکر ہے۔ لکھا ہے۔ کہ حضرت نبی کریم نے ان کی اس ہیئت کو ناپسند فرمایا۔ غرض کہ ان کی صورت ہی کہے دیتی تھی کہ وہ دربار کسریٰ کے لوگ ہیں۔ پس اگر ان کے بادشاہ کے متعلق کوئی ایسی خبر مشہور ہوتی۔ تو ضرور تھا لوگ راستہ میں اس خبر کے متعلق کچھ نہ کچھ دریافت کرتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پس میسر صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ خبر پہلے

ہی شہرت پا چکی تھی کہ کس حد تک قابل یقین ہے۔ اس پر ناظرین کتاب ہذا غور فرمائیں۔ حق یہ ہے کہ تعصب اور دشمنی اور ہٹ دھرمی دانشمند آدمی کو بھی اندھا بنا دیا کرتی ہے۔

مقام حیرت ہے۔ کہ ایسی اہم خبر، پھر سرکاری، مدینہ تو پہنچ جائے۔ مگر عامل یمن۔ اور اس کی رعایا اور خود اس کے ایلیچی اس سے یہ خبر رہیں پھر جب وہ لوگ یمن واپس آئے تو انھوں نے گورنر اور رعایا سب کو اس حادثہ سے ایسا ہی لاعلم پایا۔ جیسا کہ ردانگی سے پیشتر تھے۔

ان تمام امور پر غور کرنے سے صاف کھل جاتا ہے۔ کہ مہر صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت کے کانوں تک یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ کہ کسری قتل کر دیا گیا۔ اور کہ ”ان کو کوئی اہم نہیں ہوا“ صریحاً غلط بیانی اور صداقت کو جھٹلانا ہے۔ لیکن آفتاب پر بھی جاگ پڑی ہے۔

غور کرو اگر حضرت افواہ کی بنا پر ایلیچیوں کو یہ خبر سنائے۔ تو یہ نہ کہتے کہ آج کی رات میرے خداوند نے تمہارے بادشاہ کو قتل کر دیا ہے اور اسے پیشین گوئی کے رنگ میں پیش نہ کرتے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ بازاری خبریں ہمیشہ سچی نہیں ہوتیں۔ اس واسطے نبی کریم ایسی افواہ سن کر وثوق اور مضبوطی کے ساتھ کیونکر فرما سکتے تھے۔ کہ میرے خدا نے تمہارے آقا کو مار ڈالا۔ اور ایسی ہی مشکوک خبر عامل یمن کے پاس بھیجتے۔ اور ان لوگوں کی معرفت جو آنحضرت کی گرفتاری پر مامور کئے گئے تھے۔ مزید براں حضور نے تو یہ ظاہر کیا کہ اس خبر کی صداقت میری سہائی کا ثبوت ہوگی۔

پس کون شخص اور کر سکتا ہے کہ آنحضرت جیسے مکمل انسان جن کی عقل و فراست کا اس کے مخالفین بھی لوٹا مانتے ہیں۔ کسی غیر معتبر اور نامعلوم الاسم شخص کے کہنے پر اتنی بڑی بات مشہور کرنا اور اس کی صحت پر اپنی رست

کے دعوے کی صداقت کا انحصار کر دیتا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دربار فارس کے ایلچی کو دیکھ کر ایسی افواہ سنی بھی ہوتی۔ تو اس پر یقین نہ کیا جاتا کیونکہ ایلچی اس واقعہ سے بالکل بے خبر تھے۔ پس ان تمام وجوہات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے افواہ کی بنا پر یہ خبر ایلچیموں کو نہیں سنائی تھی بلکہ خدا نے قائلے سے خبر پاکر اس کا اعلان فرمایا تھا۔

پھر عامل ین اور اس کے رفقاء حضرت نبی کریم کی اس پیشینگوئی کا حال میور صاحب کی نسبت بہتر سمجھ سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے بجائے میور صاحب کے ہنجیال ہونے کے اس امر کو حضرت نبی کریم کی صداقت کا ایک نشان مانا اور برضا و رغبت اسلام کو قبول کیا۔ ایسی بین شہادت کی موجودگی میں ایک عقلمند آدمی کو بشرطیکہ وہ متعصبانہ دل و دماغ نہ رکھتا ہو اس امر کے ماننے سے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ کہ یہ آنحضرت کا ایک معجزہ تھا۔ مگر بائیم میور صاحب اس کے معجزہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اور گورنر ین کی تبدیلی مذہب کو ذاتی اغراض سے منسوب کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ ”ایمان کا چراغ اب گل ہو چکا تھا۔ اور عرصہ سے ایرانیوں کا عرب پر پورا تسلط نہیں رہا تھا۔ اور ین کا گورنر بلاروک ٹوک ایسی حفاظت میں جاسکتا تھا جو اس کی رعایا کے لئے زیادہ موزوں ہوتی۔ اس لئے باذان گورنر یمین نے اسلام کی دن دونی رات چو گنی ترقی دیکھ کر خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ اور نبی سے اپنا تعلق ظاہر کر دیا“ (لائف آف محمد صفحہ ۲۵۹)

اس طرح میور کی رائے میں یہ اسلام کی دن دونی رات چو گنی ترقی تھی جس کی تحریص سے وہ مسلمان ہو گیا لیکن اس سے چند صفحہ قبل خود میور ہی اس کی تردید کرتا ہے چنانچہ آنحضرت کے مختلف بادشاہوں اور رؤسا کے پاس دعوت اسلام کے لئے سفیر بھیجنے کے لئے لکھتا ہے۔ کہ اس مدنی نبی کی یہ تجویز اس وقت محض مہوم اور بید از قیاس تھی۔ کیونکہ وہ

اس وقت بمشکل تمام اپنا آسنا بچانے کے قابل تھے۔ اور اس سے بارہ ماہ قبل وہ نہایت ہی بے بسی سے محصور تھے۔ اور حال ہی میں مکہ سے عمرہ کرنے کے بغیر واپس ہونے پر مجبور ہوئے تھے۔ پھر وہ کیونکر متصر۔ جتیں اور شام کے بادشاہوں بلکہ قیصر و کسریٰ کو دعوت (سلام) کر سکتے تھے۔ مگر انھوں نے ایسا کیا۔

بقول میور یا تو وہ ایسے مجبور تھے۔ کہ اپنی حفاظت خود بمشکل کر سکتے تھے اور بلا ج کرنے کے دلہی پر مجبور ہوئے تھے۔ یا ان کی اس قدر پویشکل قوت بڑھ گئی۔ کہ گورنر میں نے مسلمانوں کی حفاظت میں آنے کی غرض سے اپنے آبائی مذہب کو خیر باد کہا۔ غور کرو کہ جو شخص خود اپنی حفاظت کا اہل نہ ہو۔ اس کی حالت کیونکر ایک دور دراز صوبہ کے ایرانی عامل کو اس بات کی ترغیب دے سکتی ہے۔ کہ وہ شاہ ایران کی ماتحتی کو چھوڑ کر نبی عرب (جو خود اپنی حفاظت بمشکل کر سکتا ہے۔ بقول میور) کی ماتحتی قبول کرے۔ اور وہ جو حال ہی میں بالفاظ میور ”عمرہ کے بغیر مکہ سے واپس آیا تھا“ وہ کیونکر خسر و اعظم کا مقابلہ کر سکتا تھا اس پر ہم میور صاحب کی اس سے زیادہ کیا تعریف کر سکتے ہیں۔ کہ ”دروغ گوراء فقط نہ باشد“

یہ ایک حد تک درست ہے۔ کہ آنحضرت نے مدینہ کے قبائل سے اتحاد و مراسم قائم کر کے بناء امن ڈالی تھی۔ اور اہل مدینہ کے ہر طبقہ کے لوگ آپ کو حکم سمجھتے تھے۔ لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ اس مختصر۔ محدود۔ اور کمزور جماعت کے زیر سایہ دور دراز صوبوں کے شاہزادے۔ اور گورنر آجائے۔ کیا دنیا میں صرف ایک یہی بڑی سلطنت تھی۔ جس کی حفاظت کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تھا کیا سلطنت فارس کی ہر صرف مدینہ کی اسلامی جمعیت رہ گئی تھی۔ جو بقول میور ”بارہ ماہ قبل نہایت بے بسی سے محصور ہو چکے تھے۔ پس یہ کیونکر ممکن تھا۔ کہ گورنر میں خود بخود مو اپنی رعایا کے مسلمانان مدینہ کا مطیع ہو جاتا۔

منہسی آتی ہے میسر صاحب کی باتوں پر جس حکومت کے زیر سایہ آنے کی نیت بڑے وثوق کے ساتھ دعویٰ کیا جاتا ہے، اس کی طاقت کی نسبت خود تو متعزض صاحب یہ کہتے ہیں کہ ”بمشکل اپنا آپا سنبھالنے کے قابل تھے۔“ اور گورنرین نے اس حکومت کی طاقت کا یہ اندازہ کیا کہ اس کے بادشاہ کی گرفتاری کے لئے صرف دو آدمیوں کا بھیج دینا کافی سمجھا۔ پھر کیا وہ ایسی حکومت کی حفاظت کا طلبگار ہو سکتا تھا عقل تو اسے باد نہیں کر سکتی، فرض کر دو کہ حکومت فارس کا مین پر پورا قبضہ نہیں رہا تھا۔ اور عامل مین بھی کسریٰ کی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اتارنا چاہتا تھا مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس کا سر پھرا تھا کہ وہ کنوئیں سے پچ کر کھائی میں گرتا۔ ایک جوئے کے نیچے سے نکل کر دوسرے کے نیچے بلا وجہ اپنی گردن دیتا ہ

ایک اور پہلو سے غور کرو۔ اس وقت مسلمانوں کا مذہب نیا تھا۔ اس لئے اسلامی اثر عامل مین کی رعایا کے لئے جو سب کے سب بت پرست تھے، کس طرح موزوں اور ان کے حسب دلخواہ ہو سکتا تھا۔

اگر بغرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ باذان عامل مین نے ایرانی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اتارنے کے لئے مسلمانوں سے تعلق پیدا کیا تھا۔ اور صرف یہ تعلق ہی ضروری تھا۔ تو یہ بغیر قبول اسلام بھی ممکن تھا۔ کیونکہ عرب کی بہت سی قوموں نے اس سے قبل بلا مسلمان ہونے کے رسول کریم سے عہد و پیمان کیا تھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک یہ بھی شرط تھی۔ جو کوئی قبیلہ حضرت نبی کریم سے باہمی امداد کا معاہدہ کرنا چاہے اسے اجانت ہے اور اس میں اس کے مسلمان ہونے کی شرط مشروط نہ تھی۔

اس واسطے عامل مین اسلام قبول کرنے کے بغیر بھی بہولت تمام مسلمانوں کے ساتھ دوستی کر سکتا تھا۔ انرض میور صاحب کا یہ کہنا کہ باذان حاکم مین نے محض اس وجہ سے اسلام قبول کیا کہ وہ شاہ فارس کی

الاعت سے بے نیاز ہو گا۔ اور مسلمانوں سے امداد لینا چاہتا تھا عرصہ بجا غلط ہے۔ اور واقعات اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ اور سوائے میور صاحب کی قوت متخیلہ کے اور کسی جگہ اس کی اصلیت کا ذرا بھی پتہ نہیں لگتا +

واقعہ یہ ہے کہ جس کشش نے باذان کو کھینچا۔ وہ اسلام کی صداقت اور آنحضرت کا معجزہ تھا۔ اس نے آنحضرت کے الفاظ کو سچا پایا۔ اور ایک نہیں دو نشان دیکھے۔ یعنی اول تو آنحضرت کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ دوم جس شخص نے حضور کے نام مبارک کو چاک کیا تھا۔ وہ خود ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اور کس قدر جلد۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم نے دعا فرمائی تھی کہ فرق اللہ ملکہ (خدا اس کے ملک کو بچھاڑے گا) اور اس طرح دنیا نے ایک دوسرا معجزہ مشاہدہ کیا۔ ایک تو خدا نے رسول کے دشمن کو ہلاک کیا۔ دوم اس کی ہلاکت کی خبر خود حضور نے ایسے وقت میں لوگوں کو دی۔ جبکہ تمام عرب اس سے ناواقف تھا۔ اور لطف یہ کہ واقعہ کی صبح کو رات کو ایران میں واقعہ ہوتا ہے۔ اور صبح کو یمن مدینہ میں بیٹھا ہوا اس کی اطلاع کرتا ہے۔ یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے۔ پھر یہ بھی نہ بھول جانا چاہئے کہ اس صداقت سے نہ صرف باذان متاثر ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے فتنہ بھی اسلام قبول کرتے ہیں +

میور صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کسریٰ نے نبی کریم کے مذہب کی تحقیقات کرانی چاہی تھی۔ اور اسی وجہ سے اُس نے عاملین کے نام حکم بھیجا تھا کہ مدینہ میں سفیر بھیج کر اس نئے مذہب کے متعلق صحیح صحیح اطلاع بہم پہنچائی جائے۔

ایسا خیال کرنا عرصہ بجا دروغ بانی ہے۔ اور نہایت ہیودگی۔ کہ سفروشا فارس نے اسلام کی تحقیقات کے لئے سفیر بھیجے تھے۔ کیونکہ جس شخص نے حضور کے خط کے پہلے ہی پرزے پرزے اڑا دیے تھے۔ اور سفیر کو غضب و غصہ کے ساتھ حضرت کیا تھا۔ کیا اس سے توقع ہو سکتی تھی کہ وہ تحقیقات اسلام

کی جانب متوجہ ہوتا ہوں

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معتبر کتب تواریخ کی رو سے آنحضرت نے جس بادشاہ کو خط لکھا تھا وہ خسرو سپر وینر تھا۔ مگر میور کہتا ہے کہ نہیں مشیر وہ یہ تھا۔ یہ بھی غلط ہے

ان ایلمچیوں کے آنے پر اہل قریش کا خوش ہونا۔ ایرانی سپاہیوں کا خوف کے مارے کا پنپنا۔ آنحضرت کا رات بھر ٹھہرانے کے بعد صبح کو جواب دینا تمام باتیں ایسی ہیں جن سے میور کے اس بیان کی تردید ہوتی ہے کہ کسریٰ نے یہ ایلمچی اسلام کی تحقیقات کے لئے بھیجے تھے

میور صاحب کے مذکورہ بیان کی تائید کوئی تاریخ نہیں کرتی۔ صرف ان خیالات کا ماخذ ان کا تاریخ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ صاحب موصوف واقعات کو توڑنے مروڑنے کے علاوہ تاریخی واقعات خود گھڑنے بھی لگتے ہیں۔ لیکن اس وقت ترائی کی قدر قیمت جب قدر ایک واقف شخص کے نزدیک ہو سکتی ہے۔ انسوہ کہ وہ میور صاحب کے لئے مایہ ناز نش نہ ہوگی

دوسری سفارت لہو
خط بنام شاہ مصر
عاطب بن ابی بلتعہ نامی سفیر مقوقش شاہ مصر کے پاس آنحضرت کا نام مبارک لے کر گیا۔ اور شاہ مصر نے بڑی عزت کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اس سفیر نے دربار شاہی میں حاضر ہو کر ایک نہایت دلچسپ اور موثر تقریر کی جس سے پایا جاتا ہے کہ جو شخص اس خدمت کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ وہ نہ صرف سفیر کی حیثیت رکھتا تھا۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا واعظ بھی ہوتا تھا۔ اس کو مجلس کے رنگ کے مطابق تقریر بھی کرنی ہوتی تھی۔ اور وہ مضبوط دلائل سے اپنے سامعین پر خاص اثر ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ سفیر مذکور (حضرت عاطب) نے وہ سماں دکھلایا جو اب سے سینکڑوں برس پیشتر اس ملک کے دربار شاہی میں مشاہدہ کیا گیا تھا جس طرح مومن علیہ السلام ایک زمانہ پہلے فرعون بادشاہ مصر کے روپر دکھڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ

اسلم کا قیام مقام اسی ملک کے ایک اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہے۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ موسیٰ فرعون کے سامنے خود کھڑے تھے۔ لیکن اب پیغمبر عرب کا قیام مقام تھا جس نے نہایت مناسب الفاظ میں بڑی جرأت مگر نہایت ادب سے موجودہ بادشاہ کو فرعون کا انجام یاد دلایا اور کہا

اِنَّهٗ كَانَ قَبْلَكَ رَجُلٌ مِّنْ عَمَلِ الْاَسْفٰلِۙ
اَلَا عِلٰۤیؕ فَاَخَذَہٗ اللّٰہُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِۙ
وَالْاٰدِیٰیؕ فَاَسْقَمَ بَہٗ ثُمَّ اَنْتَقِمَ مِنْہٗ فَاَعْتَبٰۤی
بِغَیْرِكَ وَلَا یَحْکِبُ غَیْرُكَ بَلٰکَ

کی ہزار میں گزرتا رہا۔ پس آپ دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ ایسا نہ ہونے دیں کہ اور لوگ آپ کے حال سے سبق لیں۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں کا خیال اس جانب رجوع ہو سکتا ہے کہ یہ بادیہ نشین اور صحرائی مسلمان کیسے دلیر اور قوی دل تھے کہ شاہانِ شان و شوکت ان پر ذرا اثر نہ کرتی تھی۔ یہ سچ ہے کہ وہ ڈرانے میں دلیر تھے۔ کیونکہ ایک بڑے مذہب کے قیام مقام تھے۔ تاہم ان کے الفاظ نرم و شیریں ہوتے تھے۔ مقوقس نے مذکورہ بالا تقریر کا یہ مبلغ جواب دیا کہ ”ہم (میں اور میری قوم) ایک مذہب کے پیرو ہیں۔ پس جب تک کوئی بہتر مذہب نہ مل جائے۔ اسے نہیں چھوڑیں گے“ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا معاملہ فرعون کے برعکس ہے۔ فرعون غلطی پر تھا۔ اور اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا۔ لیکن میں ایک مذہب پر قیام ہوں۔ الہامی کتابوں کو مانتا ہوں۔ اس لئے اگر میں اپنے پہلے ہی مذہب پر قیام رہوں اور پیغمبر عرب کی پیروی نہ کروں۔ تو میں فرعون کی مثل خدا کے نزدیک گنہگار نہیں۔

اس پر حضرت عاظمؑ نے اول آنحضرت کے دعادی اور آپ کی رسالت کی عرض بیان کی۔ پھر فرمایا کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے تو یہودیوں کے لئے ضروری تھا کہ ان پر ایمان لائیں پس یہی طرح جب پیغمبر عرب

نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ہر دو کی پیغمبریوں کے عین مطابق ظہور فرمایا ہے۔
 تو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کا فرض ہے۔ کہ اس پر ایمان لائیں۔ اس لئے
 ہم آپ کو اسی طرح قرآن کریم کی طرف بلا رہے ہیں جس طرح آپ اہل توریت کو
 انجیل کی طرف بلا رہے ہیں۔ جن لوگوں کے درمیان نبی مبعوث ہوتا ہے۔ وہ اس
 کی قوم ہو جاتے ہیں۔ اور ان پر فرض ہوتا ہے۔ کہ اُسے مانیں۔ چونکہ آپ اس
 نبی کے زمانہ میں ہیں۔ اس لئے آپ کا فرض ہے۔ کہ اس پر ایمان لائیں۔
 اس مدلل تقریر نے شاہِ مصر کو لا جواب کر دیا۔ اور اس نے کچھ دیر خاموش
 رہنے کے بعد آنحضرت کا خط دوبارہ پڑھا اور اسلامی پیغمبر سے مخاطب ہو کر کہا میں
 نہیں دیکھتا کہ آپ کے پیغمبر کوئی ایسی تعلیم دیتے ہیں جس سے مجھ کو پرہیز کرنا
 چاہئے۔ یا ایسی چیز سے منع فرماتے ہیں۔ کہ جس کی مجھے خواہش ہو۔ نہ وہ پیغمبر
 ساحر ہیں۔ نہ فریبہ۔ نہ دغا باز ہیں۔ نہ کاذب ہیں۔ ان میں نبوت کی
 علامات پاتا ہوں۔

اس کے بعد بادشاہ نے آنحضرت کے نامہ کو ایک ہاتھی دانت کی
 نفیس ڈیسے یا کبس میں رکھ کر اور اس پر مہر لگا کر اپنے خزانچی کے سپرد کر دیا۔ اور خود
 آنحضرت کے نامہ عالی کا مناسب آداب و انقباض اور سوزوں الفاظ میں مودبانہ
 جواب لکھا۔ اور اس میں ظاہر کیا۔ کہ مجھے معلوم ہے۔ کہ ایک پیغمبر مبعوث ہونے
 والے ہیں۔ لیکن میرا خیال تھا۔ کہ وہ مقدس سرزمینِ شام میں پیدا ہونگے۔
 یہاں پر یاد رکھنا چاہئے۔ کہ شاہِ مقدس کو جو نبی کا انتظار تھا۔ اس کی

بنیاد ان پیغمبرین گوئیوں پر تھی جو استغاثہ ۱۸۱۸ء یوحنا ۱۰-۲۱-۲۵-۲۰۳۰ اعمال ۲۰۳۰
 ۲۳-۲۴-۲۵-۲۶ اور دیگر عہدِ غلبت و جدیدی کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اس خط کے ساتھ شاہِ مصر نے چند تحائف بھی حضرت کی خدمت میں
 روانہ کئے۔ اور پیغمبر کو نہایت احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ سرورِ عالم پر ان خطوط
 کی ترسیل سے بھی عادتِ قدیم انکار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی

زمانہ کی نئی تحقیقات نے ان کو دناں شکن جواب دیدیا ہے۔ اور ان کی ہٹ و ہری کو بخوبی غلط ثابت کر دیا ہے۔

احادیث میں مقوقس کے نام کے خط کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ عیاج کے کبس میں محفوظ رکھا گیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پس یہی خط سہ ماہی میں ایک انیسویں سیاح نے شمالی مصر کے ایک عیسائی خالقہ میں پایا۔ چنانچہ اب وہ مسطظنین میں محفوظ ہے۔ اس خط کا معائنہ ڈاکٹری۔ سیجر نے کیا۔ اور کامل تحقیقات اور پوری جانچ پرتال کے بعد اس کو اصل تحریر قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس تحریر کا جو مطلب نکالا ہے۔ وہ بلفظ وہی ہے۔ جو احادیث میں مذکور ہے۔ اس پر آنحضرت کی مہر کا نشان بھی ہے۔ اور اس مہر پر بجینہ وہی الفاظ کندہ ہیں جو حدیثوں میں مذکور ہیں *

اس خط کے دستیاب ہو جانے سے حدیثوں کی صحت یقینی اور ان کا اعتبار زبردست ہو گیا ہے۔ اگرچہ معتبر احادیث کو مسلمان پہلے ہی سے سچا اور درست مانتے تھے۔ مگر اب مخالفین کو بھی انھیں صحیح اور درست ماننا پڑا ہے۔ اور میور کے اس اعتراف کی کہ خطوط کی عبارت جعلی ہے کامل طور پر تردید ہو گئی ہے۔ آنحضرت کے اس خط کا عکس رسالہ ریویو آف ریلیجنس فاویان اگست ۱۸۷۷ء میں چھپا ہے۔ جو حرف بحرف احادیث کے مضمون کے مطابق ہے *

حضرت نبی کریمؐ نے شاہ ابی سینا کی خدمت میں جہاں ابتدائے اسلام سفرات حبش کو پناہ ملی تھی۔ اور شاہ نے سب سے پہلے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا تھا۔ یکے بعد دیگرے دو خط عمر بن امیہ کے ہاتھوں روانہ کئے۔ پہلے خط کا تو وہی مضمون تھا جو دوسرے بادشاہوں اور رؤسا کے نام بھیجے گئے یعنی نبی و دعوت اسلام تھا۔ لیکن دوسرا خط اس سے مختلف تھا۔ شاہ حبش کو اسلام کا بخوبی علم تھا نیز اسے مسلمانوں کے افلاق و عادات کے مطالعہ کا بھی موقع ملا تھا۔ کیونکہ بہت سے صحابہ و ماں عرصہ تک رہے تھے۔ پس پہلے خط کا جواب

شاہ نجاشی نے نہایت ادب و انکسار سے دیا اور اسلام قبول کیا۔ اور ساتھ ہی اس بات کا افسوس کیا کہ حکومت کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے کے باعث پیغمبر عرب کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا نیز اس نے سفیر اسلام کا نہایت احترام کیا۔ اور آپ کی نبوت کی تائید و تصدیق فرمائی۔ علاوہ ازیں چند تحائف آپ کو بھیجے بغیر نامہ پیچہ کے بھیجے۔ جن میں ایک خاصہ کا صبار رفتار گھوڑا۔ ایک اعلیٰ قسم کا خچر موسیٰ بہ و دلدل اور ایک کنیر بریرہ نامی تھی۔

دوسرا خط جو آنحضرت نے نجاشی کو بھیجا۔ وہ مہاجرین حبش کی واپسی کے متعلق تھا چنانچہ شاہ نجاشی نے اسے دیکھتے ہی دو جہاز تیار کر لائے۔ اور ان میں مہاجرین صحابہ کو سوار کر کے بحری راستہ سے مدینہ روانہ کر دیا۔ اور وہ بخیریت تمام منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

آنحضرت نے الحارث بن عبید اللہ بن عصبی کو بحیثیت سفیر ایک سفیر کی شہادت ایک عیسائی سلطنت کے حاکم کے پاس بصرہ کی جانب روانہ کیا۔ مگر اسے دمشق کے نزدیک شرجیل بن عمر نامی ایک عیسائی سردار نے گرفتار کیا۔ اور رستوں سے باندھ کر شہید کر دیا۔ یہ واقعہ اسلامی سفارت کی سخت توہین تھا۔ مسلمانوں کو اس حادثہ سے سخت صدمہ ہوا۔ غالباً فی الفور تو اس کا کچھ تذراک نہ ہو سکا۔ مگر بعد میں اس سنگدلی کا پورا پورا انتقام لیا گیا اسی واقعہ کے ذریعہ فتوحات روم و شام کا دروازہ کھلا۔ اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جو عظیم الشان جنگوں کا سلسلہ چھڑا وہ اسی کا نتیجہ تھا۔

سفارت ہرقل
شاہ قسطنطنیہ

جب ہرقل اعظم کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر پہنچا۔ تو شاہ نے اس کے ساتھ نہایت دوستانہ سلوک کیا۔ اور رصدہ تعظیم و تکریم اس پیام کو دربار خاص میں سفیر کی زبانی سنا۔ اگرچہ وہ اپنی تمام قوم کے اثر سے دفعتاً اسلام قبول کرنے سے مجبور تھا۔ مگر اس نے سفیر کی عزت و احترام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اور اس کو نہایت اغزاز کیساتھ تحفہ تحائف دیکر رخصت کیا۔ اس خط کا مضمون

ابھی وہی تھا جو آدموں کا تھا۔ یعنی یہ کہ

از جانب محمد رسول اللہ سجدت شاہ قسطنطنیہ۔ ظاہر ہو کہ جس نے
توحید الہی کے دین کو اپنا شعار بنایا۔ وہ ہمیشہ کی سلامتی میں آیا۔ میں آپ کو اسی دین
حق کی جانب بلاتا ہوں۔ پس اگر تم اسے قبول کرو گے۔ تو سلامتی پاؤ گے۔ ورنہ کل
قوم کی جانب سے جوابدہ ہو گے؟

سرولیم سید نے مذکورہ بالا تمام مراسلات کو فرضی بتاتے اور کل واقعات
سے انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”جو خط ہر قل کو لکھا گیا تھا اس میں قرآن مجید
کی ایک آیت بھی درج ہے۔ مگر اس آیت کو ویل نے ثابت کیا ہے کہ وہ سہ
مک نازل نہیں ہوئی تھی“

چونکہ یہ خطوط سہ میں لکھے گئے تھے اس واسطے میوراس نتیجے پر پہنچتا
ہے کہ خطوط کی جو عبارت احادیث میں مذکور ہے۔ وہ جعلی ہے۔ لیکن سہ
میں آنحضرت صلعم کا وہ خط مل جانے سے جو آپ نے مقوقس کے پاس بھیجا تھا اور
جس کا محفوظ رکھا جانا احادیث میں مروی ہے میوراد ویل دونوں کی غلطی
ثابت ہو گئی۔ کیونکہ اس میں وہ آیت موجود ہے جس کو ویل کی تحقیق سہ میں
نازل ہونا ثابت کرتی ہے۔ چونکہ مقوقس اور ہر قل کو ایک ہی سال میں خط لکھے
گئے تھے۔ اور اب جو ڈاکٹر پیر نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر مقوقس کے خط کی عبادت
درج کی ہے۔ اس میں بھی وہ آیت درج ہے۔ جب مقوقس کے خط میں آیت
مذکور موجود ہے۔ تو ہر قل کے خط میں بھی ضرور ہوگی۔ پس احادیث صحیح اور ویل
اور میور کی غلطی اظہار من اٹھس ہو گئی؟

ہر چند کہ جو واقعہ بنی النضیر اور بنی قریظہ کے ساتھ گذرا تھا۔
یہودیوں کا پھر سر اٹھانا اور ان کی شرارت کی جو عبرت انگریز انہیں ملی تھی۔ وہ

ایسا تھا کہ باقی یہودی قبائل اس سے سبق حاصل کرتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔
بلکہ جب مذکورہ بالا قبائل کے بعض جلاوطن افراد خیبر و قلمہ القموص کے یہودیوں

کے پاس چلے گئے۔ اور مسلمانوں کی شکایت کی۔ تو تمام یہودی بھڑک اُٹھے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کے استیصال اور بیخ کنی کے لئے ایک بار آور سر توڑ کوشش کر دیا۔ ارادہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے نہ صرف تمام یہودی قبائل کو ہی اپنی مدد پر آمادہ کر لیا بلکہ ایسی چالیں چلیں کہ اکثر عرب قبائل بھی ان کی مدد پر آمادہ ہو گئے۔ مگر قبل اس کے کہ یہ مددین کی جانب روانہ ہوں مسلمان پیش قدمی کر کے ان پر آپڑے۔ کیونکہ نبی کریم پر بذریعہ الہام یہودیوں کا منصوبہ منکشف ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی جمعیت جو چودہ سو کے قریب تھی۔ اور قطعی فیصلہ کرنے پر تلی ہوئی تھی ماحرم شہر کے ابتدا میں خیبر جا پہنچی تھی۔ یہودی اس وقت تک نہ تو خود ہی تیار ہونے پائے تھے۔ اور نہ ابھی ان کے دوست قبائل ان کی مدد کو پہنچ سکے تھے۔ اس لئے مقابلہ میرا نہ آ سکے۔ اور قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ گو اس محاصرہ نے جڑا طول کھینچا۔ مگر اس اثنا میں مسلمان خاموش نہ بیٹھے اور دوسرے چھوٹے موٹے قلعوں کو فتح کرتے رہے۔ حتیٰ کہ قلعہ القفوص کو بھی جس کے استحکام اور مضبوطی پر یہودیوں کو بڑا ناز تھا اور درحقیقت وہ تھا بھی نہایت مستحکم تسخیر کر لیا۔ اب تو یہودیوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور ان سب کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور سوائے مسلمانوں کی اطاعت کے اور کچھ بن نہ آیا۔ چنانچہ تمام یہودی قبائل نے اپنے اپنے سردار آنحضرت کی خدمت میں بھیجا کہ اپنے قصد کی معافی چاہی۔ اور رحم کی درخواست کی۔

باوجودیکہ یہودی اس شرارت کے باعث سخت سے سخت سزا کے مستوجب تھے۔ مگر آنحضرت نے جو درحقیقت رحمۃ للعالمین تھے۔ ان کے ساتھ نہایت مروت کا سلوک کیا۔ ان کی کل جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ اصال و اسباب جو قانون جنگ کے بموجب مال غنیمت ہو چکا تھا انھیں کو بخش دیا۔ ان کے مذہب سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ بلکہ پوری پوری آزاد دی دی گئی۔ اس کے عوض میں انھوں نے اقرار کیا کہ ہم سب میں سے کوئی مسلمانوں کے خلاف

ابھی کوئی حرکت نہ کرے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہود نے نصف حاصل دینے کا بھی اصرار کیا تھا۔

روایت میں آیا ہے کہ بعد فتح خیبر جبکہ مسلمان واپس جانے والے تھے۔ تو ایک یہود نے حضرت کی دعوت کی۔ اور آپ نے دعوت سے انکار غلاف اخلاق سمجھکر قبول کیا۔ مگر اس کم بخت نے کھانے میں نہر ملا دیا جس کے کھانے سے ایک صحابی تو جاں بحق تسلیم ہو گئے مگر آنحضرت نے بوجہ اس کے بغیر ہونے کے ایک دو لقمہ کھانے کے بعد ہاتھ کھینچ لیا۔ مگر اس ایک دو لقمہ کے نہر نے بھی آپ کو زندگی بھر تکلیف دی اور آپ نے وصال کے وقت بھی اس کی شکایت کی۔

یہ شرات بالآخر ظاہر ہو گئی۔ مگر آنحضرت نے اس شریر اور دشمن جان دعوت کر نیوالی کو کچھ بھی نہ کہا۔ کیونکہ عورت کو سزا دینا آپ کی شان سے ہمیشہ آنحضرت کا علاج اس مہم کی داپسی کے ہی۔ ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ جس کا خاوند بنت ابوسفیان کو ابی سینا میں فوت ہو گیا تھا۔ مدینہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور اپنے شوہر کے انتقال کی خبر بیان کر کے اپنے ظالم باپ کے ڈر سے مکہ واپس جانے سے بھی مجبوری ظاہر کی۔ اور آنحضرت سے درخواست کی کہ وہ اسے اپنی پناہ زوجیت میں لیں۔ ام حبیبہ نہایت راسخ الاعتقاد مومنہ تھیں۔ ان کی عمر تیس چالیس کے درمیان تھی۔ اس وقت ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی جس کا نام حبیبہ تھا۔ اور اسی کے نام پر آپ کا نام ام حبیبہ مشہور تھا۔ جیسا کہ عرب میں عام رواج ہے۔ کہ اولاد کو والدین کے نام سے موسوم کرنے کے علاوہ جیسے ابن عمر (عمر کا بیٹا) خود والدین کو بھی بعض وقت اولاد سے منسوب کرتے ہیں مثلاً ابو القاسم (قاسم کا باپ) ام کلثوم (والدہ کلثوم) وغیرہ۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ ام حبیبہ کا باپ ابوسفیان مسلمانوں اور خصوصاً آنحضرت کا جانی دشمن تھا۔ پس آنحضرت نے ایسی ایماندار اور یکس بی بی کی سرپرستی

اس لئے بھی ضروری سمجھی کہ ابوسفیان کے ساتھ ایک قریبی رشتہ قائم ہو جائے اور ممکن ہے کہ اس سے آئندہ زمانہ میں کوئی خوشگوار نتیجہ نکلے۔ پس آپ نے اُم حبیبہ کی درخواست قبول فرما کر ان کو شرف زوجیت بخشا۔

مسلمانوں کی حج کے لئے روانگی کے لئے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ کیونکہ وہ وقت پورا ہو چکا تھا۔ جو معاہدہ قریش میں قرار پایا تھا۔ زیارت کعبہ کے شوق کے علاوہ حب وطن کا جوش بھی مسلمانوں کے دلوں میں کچھ کم نہ تھا۔ الغرض مسلمان نہایت امن پسندی اور خلوص کیساتھ ہنستے کہ پیچھے عمرۃ القضا ادا کیا۔ اور طواف کعبہ کی رسم سجا لائے۔ پورے تین دن قیام کیا۔ اب آنحضرت کا ارادہ ہوا کہ روانگی سے پیشتر اہل مکہ کی دعوت اور ایفائے عہد کے لئے ان کا شکریہ ادا کریں۔ مگر قریش نے ٹھہرنے کی مہلت نہ دی۔ اور کہا بھجھا کہ تین دن گزر چکے۔ یہی ہمارا آپ کا اقرار تھا۔ اب ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ لہذا آپ لوگوں کو شہر سے باہر چلا جانا چاہئے۔ مسلمان اس پر کمزوری کی آبادی سے نکل آئے۔ اور چند میل کے نامصلہ پر جنگل میں آٹھیرے معاہدہ کی اس بلاحت پابندی اور امن پسندی کا اہل قریش کے دل پر بہت اثر پڑا۔ اور خلق محمدیؐ کو دیکھ کر ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ عرب کے مشہور شجاع خالہ ابن ولید نے جو ابتدا سے مسلمانوں کا جانی دشمن تھا اور جس نے جنگ اُحد میں مسلمانوں کا نہ صرف پورے جوش سے مقابلہ کیا تھا بلکہ اپنی جنگی قابلیت اور موقع شناسی کی وجہ سے اس جنگ میں مسلمانوں کی شکست کا خاص باعث ہوا تھا۔ اخلاق محمدیؐ سے متاثر ہو کر اسی وقت اسلام قبول کیا۔ علاوہ ازیں عرب کا مشہور معروف شاعر عمر بن العاص جس نے آنحضرتؐ کی ہجو میں کئی نقیبہ لے کر تھے۔ ایمان لایا۔ اور اپنے سچیلے قصور وں کی معافی چاہی۔ اور ایسا جاں نثار اسلام ثابت ہوا کہ ہمیشہ اپنی فصاحت و بلاغت آنحضرتؐ صلعم کی مدحت طرازی میں صرف کرتا رہا۔ اور اکثر لشکر اسلام

ہلکی سپہ سالاری کر کے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ اور فاتح مصر کا لقب حاصل کیا۔ سچ ہے۔ سب کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔

بی بی میمونہ سے نکاح بی بی میمونہ ایک معمر خاتون تھیں۔ شاید ان کا سن پچاس سال کے قریب تھا۔ انھوں نے بھی آنحضرت کے عقد نکاح میں آنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ درخواست بھی دیسی ہی تھی۔ عیسیٰ بی بی سوودہ کی جس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اس واسطے آنحضرت ان کی درخواست بھی رد نہ کر سکے اور چونکہ یہ خالد ابن ولید کی ایک قریبی رشتہ دار تھیں۔ اس واسطے آنحضرت نے اس رشتہ اتحاد کو بھی منظور کر لیا۔ اور نکاح ہو گیا۔

قتل سفیر کا انتقام اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ اسلامی سفیر حارث کو عیسائی بادشاہ بنی غسان نے گرفتار کر کے بید روی کے ساتھ قتل کر ڈالا تھا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں نے ارادہ کیا اور تین ہزار اسلامی جانبازاں اس غرض کے لئے روانہ ہوئے۔ شاہ غسان عیسائی اور شہنشاہ ہرقل اعظم کا باجگذا رہا تھا۔ اس واسطے اس نے شہنشاہ مذکور سے امداد طلب کی۔ اور ہرقل نے ایک جرار فوج اس کی مدد کے لئے روانہ کی۔ جس کا شہر موتہ کے قریب مسلمانوں سے نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ طرفین کے بہت سے بہادری کام آئے۔ مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اور یہ پہلا موقع تھا۔ کہ لشکر اسلام نے ہرقل اعظم جیسے شہنشاہ کی باقاعدہ اور سامان جنگ سے آراستہ فوج کو شکست دی۔ مگر اس کے ساتھ ہی سپاہ اسلام کو بھی بوجہ قلت سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اور وہ فتح سے کوئی فائدہ حاصل کئے بغیر مدینہ کو واپس چلی آئی۔

قریش کی عہد شکنی صلحناہ مدینہ (معاہدہ قریش) کے دوسرے سال مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنی خزاعہ اور قریش کے معہد قبیلہ بنی مکرہ میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ اور نہایت لڑائی تک پہنچی۔ بنی خزاعہ نے جو مسلمانوں کے دوست

تھے۔ آنحضرتؐ سے امداد طلب کی۔ مگر آنحضرتؐ نے معاہدہ کی خلاف ورزی منظور نہ کی۔ اور ان کو صاف جواب دیدیا۔ لیکن جب بنی بکر نے قریش سے امداد طلب کی۔ تو وہ معاہدہ کی شرائط کو بالائے طاق رکھکر ان کی امداد پر کمر بستہ ہو گئے حتیٰ کہ بعض سردار قریش بہ تبدیل لباس شریک جنگ ہوئے۔ اور اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کے دوستوں کو اور اس واسطے سے خود مسلمانوں کو ضعف پہنچائیں۔ افسوس اہل قریش نے اپنی اس شرط کو کہ قریش مکہ اہل اسلام کے طرفداروں اور ہمہ جہدوں سے قرض نہ کریں گے۔ ذرا پرواہ نہ کی۔ حالانکہ مسلمان اس شرط پر کاربند رہے۔ کہ اہل اسلام قریش کے طرفداروں کے خلاف شریک جنگ نہ ہوں۔ بنی بکر اور قریش مکہ نے نہایت بے دردی سے بنی خزاعہ کو پامال کیا۔ آخر اس قبیلہ نے مجبور ہو کر حرم محترم میں پناہ لی۔ باوجود جہالت اور بت پرستی کے اس وقت بھی اس قاعدہ پر برابر عمل ہوتا تھا۔ جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے جاری تھا کہ کوئی شخص ملگین سے سنگین سے جرم کر کے بھی حرم کعبہ میں پناہ گیر ہو جاتا۔ تو اس سے کوئی باز پرس نہ کر سکتا تھا۔ اس پرانے دستور کے مطابق حرم مکہ میں داخل ہونے کے بعد بنی خزاعہ سے قطعاً مواخذہ نہ کیا جانا چاہئے تھا۔ مگر بنی بکر اور قریش فتح کے نشہ میں ایسے ہیہوش تھے کہ ان ہیکسوں نے لاکھ لاکھ فریاد کی کہ خدا سے ڈرو۔ حرم محترم کے اندر غوریزی کر کے بے ادبی نہ کرو۔ یہاں قاتلوں اور مجرموں کو بھی امان دی جاتی ہے۔ مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ اور یہ غضب ڈلایا کہ خاص کعبہ کی چار دیواری میں تقریباً بیس آدمیوں کو قتل کیا۔

بنی خزاعہ میں سے جو لوگ جان بچا سکے وہ عمر بن خزاعی کو ساتھ لیکر مدینہ آئے۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تباہی و مظلومی اور قریش کی سفاکی و غوریزی کی دردناک داستان بیان کی۔ آنحضرتؐ کو قریش کی عہد شکنی سے بہت رنج ہوا۔ اور بنی خزاعہ پر نہایت رحم آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر اب میں

نہاری مدد نہ کر دیں تو خدا میری مدد نہ کرے، آپ کا یہ فرمان تھا کہ مسلمانوں میں جوش کی حد نہ رہی۔ ہر مسلمان کو بنی خزاعہ کے ساتھ ہمدردی تھی۔ قریش کی عہد شکنی کا رنج تو راجہ ایک طرف محض حرم محترم کی بے حرمتی اور پرانے دستور سے بے اعتنائی کا غصہ مہمان وطن و شیدایان ملت ابراہیمی کے لئے سوا ہاں روح تھا اور انھوں نے تو اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر خود حرم کے اندر خونی زری کی تھی۔ جہاں کہ کسی جانور یہاں تک کہ جوں تک کو مارنے کی بھی ممانعت ہے۔ الغرض مظلوم فریق کی وادری۔ دوستانہ قبائل کی نگہداشت، مداوہ۔ سادہ کی پابندی و حرم کعبہ کے احترام نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ قریش سے انتقام لیں۔ اور قریش کو عہد شکنی اور سفاکی کا مزہ چکھائیں۔

اب مسلمانوں نے مظلوم کی وادری کے لئے کمر باندھ لیا۔ چنانچہ ار
 مکہ پر مسلمانوں کی پوریش
 رمضان المبارک ۱۱۰۰ھ کو طیاری کا اعلان کیا گیا۔ اور اس کے تیسرے روز ہی دس ہزار سپاہ آنحضرت کی سرکردگی میں مکہ کی طرف روانہ ہوئی اور اس طرح وہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ جس میں انہی لئے سابقین نے حضرت موسیٰ سے حضرت عیسیٰ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی تھی۔ چنانچہ کتاب استننا باب ۳۳ میں یہ پیشگوئی حسب ذیل عبارت میں درج ہے۔

”خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیب سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران کی چوٹیوں سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسی اس کے ساتھ ہیں۔ اس کے واسطے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہے۔“

اس پیشین گوئی میں کوہ سینا سے آنے والا موسیٰ نبی ہے۔ اور شعیب سے طلوع ہونے والا حضرت عیسیٰ اور فاران پر جلوہ گر ہونے والے نبی حضرت محمد ہیں۔ کیونکہ فاران مکہ کے پہاڑ کا نام ہے۔

لشکر اسلام مدینہ سے چل کر بلا کسی قابل ذکر واقعہ کے مکہ کے قریب پہنچ گیا۔

قریش مکہ کو بھی شاید کچھ خبر مل گئی تھی۔ انھوں نے مقابلہ کی تیاریوں کا امداد کیا۔ مگر اہل اسلام کی اب ایسی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ کہ اب کسی میں مسلمانوں کے مقابلہ کی جرأت نہ پائی جاتی تھی۔ قریش اسی پس دپیش میں تھے۔ کہ کیا جاوے۔ ابوسفیان سرگرم رہا۔ کفار قریش تھا۔ لشکر اسلام کی دیکھ بھال اور جانچ پرتال کے لئے نکلا۔ اور ایک روز شام کو وہ اس مقام پر پہنچا جہاں مسلمان خیمہ انداز تھے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ مسلمانوں کی فوج ہی فوج نظر آتی ہے۔ اور جنگل میں دور دور تک آگ روشن ہے۔ لشکر اسلام کا یہ نظارہ ابوسفیان کے لئے سخت دلشکن اور مایوسی بخش تھا۔ اتنے میں اُس نے مسلمانوں کے لشکر میں کسی کو دوسرے سے یہ کہتے سنا کہ ”اگر اس دفعہ قریش نے مقابلہ کیا۔ تو ان کا نام و نشان باقی نہ رہے گا“ اُس نے فوراً پہچان لیا۔ کہ یہ حضرت عباس (عم رسول اکرم) کی آواز ہے۔ کیونکہ ان کی آواز بوجہ فطرتاً تیز اور بلند ہونے کے دور سے سُنی اور پہچانی جاتی تھی۔ اب تو ابوسفیان کے پاؤں تلے سے گویا زمین نکل گئی۔ وہ بالکل ناامید ہو کر لشکر اسلام کی نظروں سے بچتا بچتا۔ حضرت عباس کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ کہ چھراپ ہی ہمیں کوئی مفید مشورہ دیکر ہموطنی و بزرگی کا حق ادا کریں +

حضرت عباس نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ تم چلے آئے۔ تمہاری خیر اور دین دنیا کی بھلائی اسی میں ہے۔ کہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ توحید پڑھ لو“ یہ دونو ابھی یہ باتیں ہی کر رہے تھے۔ کہ کہیں حضرت عمرؓ کی نظر ابوسفیان پر پڑ گئی۔ انھیں کہاں تا ب کہ ایسے محنت کا فر کو یوں بیباکانہ لشکر اسلام میں کھڑے دیکھیں۔ فوراً تلواریں کھینچ کر لپکے۔ کہ ابوسفیان کا مرتق سے جا کر دیں۔ مگر وہاں پہنچ کر جب حضرت عباس کو دیکھا۔ تو کہنے لگے۔ اس کافر کو آپ یہاں کیوں لے آئے ہیں! حضرت عباس نے انھیں سمجھایا۔ اور خود دوڑے ہوئے آنحضرت کے حیلے میں گئے۔ اور ابوسفیان

لے قتل کی ممانعت کا حکم لے آئے۔ اور خود ان کو ہمراہ لیکر آنحضرت کی خدمت میں گئے۔ آپ ابوسفیان کے ساتھ۔ ہاں اپنے اس دشمن کے ساتھ جو برسوں آپ کی جان کا خزانہ رہا تھا۔ ایسے اخلاق سے پیش آئے جیسے وہ برسوں کا دوست ہو ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھایا۔ اور نہایت شفقت سے فرمایا۔ کہ رکھیں بھائی ابوسفیان اللہ پاک کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔ بس وہی معبود حقیقی قابل پرستش ہے۔ اور اسی کا دین سچا ہے۔ جن چیزوں کی تم پرستش کرتے رہے ہو۔ وہ تمہیں نہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان۔ اور میں جو یہ کہتا ہوں صرف تمہارے ہی بچھلے کے لئے کہتا ہوں۔“

ابوسفیان نے متاسفانہ لہجہ میں کہا۔ کہ اے پیغمبر خدا۔ آپ کے رحم اور حکم کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ ہماری قوم نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ ہمارا دل اس سے حزب واقف ہے۔ مگر اس کے عوض میں جو شفقت اور الطاف آپ فرما رہے ہیں۔ وہ بس آپ ہی کی شان کے شایاں ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ دراصل وہ چیزیں جن کی ہم پرستش کرتے رہے ہیں کچھ نہیں کر سکتیں۔ نہ ان میں کچھ طاقت ہے در نہ وہ ضرور ہماری امداد کرتیں۔ اور ہم اس طرح ذلت پر ذلت اور ذلت پر ذلت نہ اٹھاتے۔ پس میں صدق دل سے بت پرستی سے توبہ کر کے خدا کے واحد کا دین اختیار کرتا ہوں۔“

ابوسفیان کے اسلام لانے کی خبر بجلی کی طرح تمام لشکر اسلام میں پھیل گئی۔ اور مسلمانوں کو اس سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ تمام مسلمان جو اب تک ابوسفیان کے نام سے نفرت کرتے تھے۔ اور اس کے جانی دشمن تھے۔ اب اس سے معانقہ و مصافحہ کرتے تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اب وہ ایک خدا کی پرستش کرنے والا ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ جو ابھی ابھی اس کے سر پر تلوار کھینچ کر آئے تھے۔ انھیں بھائی جان کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ کیونکہ ابوسفیان اسلام لاکر دائرہ اخوت اسلامی میں آ گیا تھا۔

فتح مکہ

رات بھر لشکر اسلام نے آرام کیا۔ اور علی الصبح نماز فجر پڑھنے کے بعد ہر طرح سے آراستہ ہو کر اپنے مقام سے حرکت کی۔ اور دریائی سیلاب کی مانند مکہ کی جانب بڑھا۔ اسوقت کچھ لوگ اہل مکہ میں سے لشکر اسلام کی کیفیت دیکھنے کے لئے پہاڑیوں پر جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ لشکر اسلام بڑی شان و شوکت سے آ رہا ہے۔ اول قبیلہ بنی سلیم کا فوجی دستہ آیا۔ جس کا ہر ایک سپاہی شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے ہوئے۔ نیزوں کو جنبش دیتا ہوا۔ اور باواز بلند فرخہ المد اکبر اور تکبیر تحریمہ پڑھتا ہوا بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ان کے آگے مشہور شجاع حضرت خالد ابن ولید بحیثیت سپہ سالار تھے۔ اور ان کے ہاتھ میں نشان تھا۔ دوسرے نمبر پر ایک فوج زبیر ابن عوام کی زیرِ کمان تھی۔ اور بحیثیت مجموعی اس سے ایک خاص جوش نمایاں تھا۔ اس کے بعد بنو کعب بن عامر پھر قبیلہ مزینہ کی فوجی جمعیت مع نشان افواج خاص شان و شوکت سے نمایاں ہوئی۔ اس جمعیت کے پیچھے خود آنحضرت قصداً اونٹنی پر سوار خاص جاہ و جلال سے تشریف لائے۔ آپ اسوقت سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اور آپ کے دائیں بائیں پانچہزار کی جمعیت تھی۔ اسوقت آنحضرت سورہ انفعا باواز بلند پڑھتے جاتے تھے۔ مہاجرین و انصار جو آپ کے گرد تھے پر دانوار تصدق ہونے کو ہمہ تن طیار نظر آتے تھے۔

اس باجاہ و جلال و پر شوکت پر ہیبت نظارہ نے جیسا اثر اہل مکہ کی تماشائی جماعت پر کیا۔ اس کے بیان کی چنداں حاجت نہیں۔ یہ لشکر بلا کسی رک رک ٹوک اور بلا کسی مہموی فراحت کے مکہ کے قریب جا پہنچا۔ اور اب شہر میں داخل ہونا ہی چاہتا تھا کہ ابوسفیان آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس امر کی اجازت چاہی کہ وہ آگے جا کر جلدی سے اپنی قوم کے لوگوں کو منع کر دے۔ کہ کہیں وہ یہ قوف مقابلہ کی حاجت میں نہ پر جمائیں۔ عرض آنحضرت سے اجازت لیکر ابوسفیان مکہ میں پہنچا۔ اور لوگوں کو بلا کر کہا: اے عزیزو اور

کہ دستِ اہم کو معلوم ہو کہ میں خدا کے واحد پر ایمان لے آیا۔ بت پرستی سے توبہ کر چکا۔
 کیونکہ ہمارے جھوٹے اور باطل مذہب نے اب تک ہمیں جو کچھ نقصان پہنچایا
 ہے۔ وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔ پس اب صلاح و توبہ ہی ہے۔ اور ملک کا
 اس واماں ہماری سلامتی جان و مال اور دنیا و آخرت کی بہبودی اسی میں ہے۔
 کہ تم سب بت پرستی سے توبہ کرو۔ ایک خدا کے سامنے سر جھکاؤ۔ پیغمبر کی اطاعت
 کرو۔ ورنہ سوائے پشیمانی اور نقصان کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لشکر اسلام جس جوش
 اور شان کیساتھ آ رہا ہے۔ اس سے خدائی طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور کون
 ہے جو اس طاقت کا مقابلہ کر سکے۔ پس بھائیو امن کی قدر کرو۔ مسلمانوں
 اور ان کے مقابلہ کا خیال چھوڑ دو۔ کیونکہ اب کہ میں اپنے خون کی ندیاں بہانا
 بیفائدہ ہے۔ میری شجاعت سے بھی تم خوف و ایقاف ہو۔ آخر اس کی بھی کوئی
 وجہ ہے کہ میری حالت میں یہ تبدیلی ہو گئی۔ میرے خیال میں تو اس کی وجہ قدرت
 کی زبردست تائید ہے۔ جو مسلمانوں کو حاصل ہے۔ پس یہ قدرتی بات ہے۔ خبر
 میرا کام سمجھا دینا ہے ماننا ماننا تمہارا اختیار ہے ۴

ابوسفیان کا سلسلہ کلام ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ اس کی بیوی دوڑی
 ہوئی آئی۔ یہ سن چکی تھی کہ ابوسفیان مسلمان ہو گیا۔ اور اس لئے سخت غصہ اور
 طیش میں بھری ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی ابوسفیان کی داڑھی نوچ لی۔
 اور مارنا پٹنا شروع کر دیا۔ اور لوگوں سے کہا۔ اے عرب کے بہادر و اے
 آل غالب! کیا تم اس بوڑھے بیوقوف کی بیہودہ باتیں سنو گے۔ اور اسے سزا
 نہ دو گے۔ کیا تم میں غیرت و حمیت نہیں رہی۔ پھر کہیں اس کا منہ نہیں توڑ دیتے
 یہ بات ہمیں تک رہی کہ لشکر اسلام آ پہنچا۔ اور اس کا لانا ہی سلسلہ دور تک
 چلا گیا۔ قریش دیکھتے تھے۔ اور ان پر شکستہ کی سی کیفیت طاری تھی۔ ہدیت اور
 جلال سے ان کے دل لرزے جاتے تھے۔ کس کی طاقت تھی کہ اس وقت لشکر اسلام
 سے برسرِ پناش ہو۔ تاہم عکرم بن ابوجہل نے کچھ شرارت کی۔ اور حضورؐ سے آمیز

کو ساتھ لیکر قبیلہ بنی سلیم پر جس کی کمان خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی پیچھے سے حملہ کر دیا۔ دو مسلمان شہید ہوئے۔ مگر خالد نے اس کا جواب تلوار سے نہ دیا۔ بلکہ اطلاق اور نرمی سے انھیں سمجھایا۔ کہ کیوں نادانی کر کے اپنی جانیں مفت گنوائے ہو۔ ابھی تیرے وبالاً کر دئے جاؤ گے۔ ہم صرف آنحضرتؐ کے حکم کے منتظر ہیں۔ ورنہ تم مٹھی بھر لوگوں کی بساط ہی کیا ہے۔ اس جالانہ جوش سے باز آؤ۔ اور گھر کو لوٹ جاؤ۔ الغرض معاملہ یہیں تک رہا۔ اور زیادہ فساد نہ بڑھا۔ تاہم اس خفیف سی چھیڑ چھاڑ میں ان کے اٹھائیس آدمی کام آئے۔ اور ان کو یقین ہو گیا۔ کہ اب ہم مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لشکر اسلام بنجٹ مستقیم خانہ کعبہ پہنچا۔ بنی کریم اس وقت اوشنی پر سوار تھے۔

آپؐ نے سواری کی حالت میں ہی خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ بعد ازاں آپؐ اس کے اندر داخل ہوئے۔ اور وہاں جو تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ ان سے اس مقدس گھر کو پاک کیا۔ اس وقت عجیب نظارہ تھا۔ آپؐ کے دست مبارک میں ایک چھری تھی۔ اور آپؐ ہر ایک بت کے سامنے جا کر اور یہ آیت کریمہ پڑھ کر ”جاہل الحق وزہق الباطل الہ“ (حق آیا اور باطل گیا) اس بت کے سر پر راتے تھے۔ اور وہ بت اوندھے منہ گر پڑتا تھا۔ کعبہ کے بڑے بتوں میں سے بڑا بت بٹل تھا۔ جس پر شرکوں کا بڑا اعتقاد تھا۔ اور ہر شکل و مصیبت کے وقت اس کو پکارتے اور اس کے آگے سر جھکاتے تھے۔ یہی قدر اونچی جگہ نصب تھا۔ آپؐ کی چھری وہاں تک نہ پہنچ سکی۔ اس واسطے حسب اشارہ پیغمبرؐ حضرت علیؑ نے اوپر چڑھ کر اسے گرایا۔

علاوہ ازیں خانہ کعبہ کی دیواروں پر بھی بتوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے ان کو بھی پانی سے دُبلوا کر مٹوایا۔ اور اس طرح بیت اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا۔ بیشتر کین مکہ کو جو بتوں کی برائی سننا تک عواراذ کرتے تھے آج اٹھکے فنا ہونے پر بھی کان ہلانے کی جرأت نہ تھی۔ آنحضرتؐ جب کعبہ کو بتوں سے پاک کر چکے۔ تو آپؐ نے دو گاہ ایزدی میں شکر ادا کیا۔ کہ مجھے اس فرض کے ادا کرنے کی توفیق بخشی۔ سبحان اللہ

اس کے بعد آنحضرت حرم کعبہ سے باہر تشریف لائے۔ اور شہر کی جانب
 متوجہ ہوئے۔ اس وقت قریش کی عجیب حالت تھی۔ ان کے اوسان خطا ہو رہے
 تھے۔ اور لرزے جا رہے تھے۔ کہ دیکھئے اب کیا حکم ہوتا ہے۔ ان کو یقین تھا کہ
 آج ہمارے کرتوتوں کی سخت سزا دی جائے گی۔ کوئی کہتا تھا۔ شاید پیغمبر صاحب
 قتل عام کا حکم دیں۔ اور اگر ایسا کریں۔ تو کوئی تجبہ کی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ ہم لوگوں
 نے بھی تو انھیں تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا کوئی کہتا تھا۔ ہاں
 آج ان کے انتقام کا وقت ہے۔ جو کچھ کریں کم ہے۔ پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

شہر چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ تو شاید جان بچ جائے۔ کوئی کہتا۔ مگر وہ ہمیں بھاگنے
 بھی کہاں دیں گے۔ الغرض لوگ سمجھ جاتے تھے۔ اور کچھ شہر چھوڑ کر بھاگنے
 شروع ہو گئے۔ کم آپ نے فوراً سنا دی کرادی۔ کہ کوئی مسلمان تلوار نہ اٹھائے۔
 اور مکہ کا کوئی آدمی شہر چھوڑ کر نہ بھاگے۔ اس سے کوئی بدسلوکی نہ کی جائے گی۔
 آج انتقام اور بدلہ کا دن نہیں ہے۔ بلکہ شفقت اور رحمت کا دن ہے۔ میں تمہارا
 دشمن ہو کر نہیں آیا ہوں۔ نہ میں کسی قسم کا انتقام لوں گا۔ بلکہ تم لوگوں سے وہ سلوک
 کروں گا جو حضرت یوسفؑ نے مصر میں اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ اگرچہ وہ براہِ
 یوسف تھے۔ مگر میں تم کو سخت لفظ کہنا بھی پسند نہ کروں گا۔

اس کے بعد آپ نے عکرمہ بن ابوجہل کو اس سزا کے جرم میں گرفتار کر لیا
 حکم دیا جو لشکر اسلام کے داخلہ کے وقت اس نے مسلمانوں پر حملہ کر کے دو مسلمانوں
 کو شہید کر کے ان کے گھر اس خوشی کے وقت ماتم ڈال دیا تھا۔ انصاف اسی امر کا
 مقتضی تھا کہ قاتل کو سزا دی جائے۔ مگر عکرمہ اپنی گرفتاری کی خبر سنکر مکہ سے
 فرار ہو گیا۔ اس موقع پر ایک غیر مسلم مصنف بھی اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے
 یوں ظاہر کرتا ہے۔ جس سے ہماری مراد شروع پہ کاش دروہی سے ہے۔ وہ لکھتے ہیں
 ”انصاف بھی آخر کوئی چیز ہے عکرمہ نے جو بے موجب حملہ کر کے دو بے گناہ مسلمانوں
 کو قتل کر دیا۔ اور اس خوشی کے وقت ان دو بے گناہوں کے گھر میں ماتم بپا ہوا۔

اس کا انصاف بھی آخر خدا کی شریعت میں کچھ تھا یا نہیں۔

اب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرسی انصاف پر جلوہ فرما تھے۔ اور وہ خاص خاص قریش جنہوں نے مسلمانوں کی تباہی میں جان توڑ توڑ کر کشتنیں کی تھیں پیش کئے جا رہے تھے۔ جن میں سے چند کے حالات حوالہ قلم ہیں۔

اول ہمسار آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اسے ضرور قتل کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ اس شخص نے آنحضرت کی صاحبزادی زینب کو جو حاملہ تھیں کتے سے دینے جاتے ہوئے بڑی بیدروی سے پتھر مارے تھے۔ جس سے ان کو ایسی سخت چوٹیں آئی تھیں کہ بیہوش ہو کر ان صدمات کی وجہ سے انتقال فرما گئیں۔ بدینوجہ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ شخص حضرت زینب کے خون کے قصاص میں ضرور قتل کیا جائے گا۔ مگر حضرت نے اپنی شان رحمۃ اللہ علیہ اس طرح دکھائی کہ اپنے جگر گوشہ کے قاتل کی جاں بخشی کی۔

اس کے بعد وحشی عدالت رسالت میں پیش ہوا۔ یہ حضرت کے چچا جناب امیر حمزہ کا قاتل تھا۔ خاندان پیغمبر کو اس موت کا خاص قلق تھا۔ خصوصاً آنحضرت کی پھوپھی جناب صفیہ کو اپنے بھائی کی موت کا بہت قلق تھا۔ عرض کہ قرینہ سے یہی پایا جاتا تھا کہ وحشی کی جاں بخشی نہ کی جائے گی۔ خود آنحضرت بھی اس سخت ناراض تھے۔ اس نے آتے ہی سب سے اول یہ بات کہی کہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ آنحضرت نے فوراً خون مصاف کر دیا۔ اتنے میں ایک عورت نے حضرت کی خدمت میں پیش ہونے کی اجازت چاہی۔ یہ عکرمہ کی بیوی تھی۔ جس نے حاضر ہو کر اپنی پریشانی و سرگردانی کی داستان رو کر حضور نبوی میں بیان کی۔ اور نہایت عاجزی سے عکرمہ کے خون کی معافی چاہی۔ اس نے کہا کہ میرا شوہر خوف سے بھاگ گیا ہے۔ میں تنہا دلاوارشا رہ گئی۔ بچے باپ کے لئے رو کر دعا میری جان کھائے جاتے ہیں۔ آپ خدا کے لئے میری اور بچوں کی حالت پر رحم فرما کر اس کی جاں بخشی کیجئے۔ آپ کے رحم

دوام سے مجھے امید ہے۔ کہ مجھ عاجزہ کی عرض قبول فرما کر اس کو معافی دیں گے۔

آنحضرت کو اس کی گریہ و زاری اور درد و بیقراری پر رحم آیا۔ اور مسلمان مقتولوں کے وارثوں کو خون کی معافی پر رضا مند کیا۔ جب وہ خونِ معاف کرنے پر راضی ہو گئے۔ تو آپ نے عکرمہ کی بیوی کو اس کی جان بخشی کی اطلاع دیدی۔ اب وہ اپنے شوہر کی تلاش کو نکلی۔ اور جنگل در جنگل بڑی مشکل سے اسے تلاش کر کے گھر واپس لائی۔ جبوقت عکرمہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو خوف کے مارے تنہا آیا۔ بلکہ اپنی بیوی کو بطور سفارشی ساتھ لایا۔ اس شخص کا باپ ابو جہل حضرت کا جانی دشمن تھا۔ جسقدر آنحضرت نے اُس کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی اسی قدر وہ دشمنی اور عداوت میں ترقی کرتا گیا۔ اسی جانی دشمن اور سخت دل شخص کا بیٹا یہ عکرمہ تھا جس نے آنحضرت کیساتھ عداوت اپنے باپ سے ورثہ میں پائی تھی۔ اور جو دشمنی میں ایسا اندام ہو رہا تھا۔ کہ جب تمام کفار قریش اپنے میں مقابلہ کی تاب و جرات نہ دیکھ کر خاموش ہو چکے تھے۔ تو یہ اس روز بھی نہ چوکا۔ اور پیچھے سے حملہ کر کے دو مسلمانوں کو شہید کر ہی ڈالا۔ اسے اشد کافر کا ایمان لانا واقعی مقامِ مسرت تھا۔ چنانچہ جب عکرمہ اپنی بیوی کو ہمراہ لیکر حضور نبوی میں طلبِ معافی کی غرض سے پہنچا۔ اسوقت حضور ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ عکرمہ نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آنحضرت اسوقت اچھی طرح لباس پہنے ہوئے نہ تھے۔ آپ نے ویسے ہی چادر کندھوں پر ڈال کر عکرمہ کو اندر بلا لیا۔ اور اسے دیکھ کر آپ ایسے خوش ہوئے۔ کہ جلدی سے اُٹھ کر بغلیں گیر ہوتے وقت روٹے مبارک آپ کے کندھوں سے سرک گئی۔ آپ ایسے تپاک و مسرت سے ملے کہ گویا برسوں کے بچھڑے ہوئے حقیقی بھائی ہیں۔ عکرمہ نے نہایت صدق و دل سے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور زمرہٴ خدام میں داخل ہو کر سعادت و اربابِ حاصل کی ہمدردی بھی آپ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ ناظرین کو واضح ہو کہ یہ وہی سنگدل عورت تھی جس نے جنگِ امد میں حضرت امیر حمزہؓ کی لاش کو چیر کر کلیجہ نکال کر

وانتوں سے چاہا تھا۔ ایسی سنگدلی کی نظیر شاید دنیا کم پیش کر سکے گی جو اس عورت نے کی تھی۔ یہی وہ دلیر اور پر جوش دشمن اسلام عورت تھی جس نے اپنے شوہر ابوسفیان کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر بھرے مجمع میں آکر اس کی وارڈھی فوجی اور جتیلوں سے پیٹا تھا۔ یہی وہ خونخوار ظالم عورت تھی جس نے قریش کو اور اپنے شوہر کو جوش دلا دلا کر مسلمانوں کی خونریزی پر ابھارا تھا۔ اسے خود اپنے کر توت کی وجہ سے یقین ماں بخشی نہ تھا۔ اور سمجھتی تھی کہ ضرور قتل کر دی جاؤں گی۔ اسی واسطے وہ نہایت شرمندہ سرا لگندہ منہ چھپائے دوسری عورتوں میں مل جل کر اکھڑی ہوئی آنحضرتؐ اُسے پہچان لیا۔ اور اس کے تمام قصوروں سے درگزر کر کے اُسے بھی معاف کر دیا اللہ اللہ شان فیاضی و رحیمی ایسے ایسے سنگین جرموں کے ساتھ بھی آپؐ نے کیسی مہربانی کا سلوک کیا۔ جب آپؐ سہدہ کا قصور معاف کر چکے تو فرمایا کہ تے سہدہ جا اچھا ہوا کہ تو مسلمان ہو گئی۔ نیک کرداریوں اور نیک اعمال میں زندگی بسر نہ خدا کو ایک باننا اور اسی کی پرستش کرنا۔ جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ ہر قسم کی برائی اور بد اعمالی سے بچنا۔ خدا کے سوا کسی دوسری شے کو معبود نہ بنانا۔“

الغرض خدائی مہربانی کا یہ نظارہ عجیب و غریب تھا کہ جناب رسول اکرمؐ کوہ صفا پر جلوہ فرماتے۔ اور قریش مکہ گر وہ درگروہ ہو کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور اپنی حاققوں۔ غلطیوں اور شرارتوں کا اعتراف کرتے ہوئے آکر معافی کے خواستگار ہوتے تھے۔ اور آنحضرتؐ دریا دلی سے معاف فرما رہے تھے۔ اور بنیہر کسی جبر واکراہ کے وہ لوگ اسلام قبول کر رہے تھے انھوں نے چند گھنٹوں میں تمام قریش مکہ بخوشی خاطر مسلمان ہو گئے۔ اور بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو کر اپنے سر مالک حقیقی کے سامنے جھکاؤئے۔

غرض کہ آنحضرتؐ کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دے سر جھکا ان کے مالک کے آگے

وہ فخر عرب زیب محراب دمنبر تمام اہل مکہ کو ہمراہ لے کر

گیا ایک دن حسب فرمان دار سوئے دشت، اور چڑھ کے کو بھغا پر

یہ نہر مایا سب سے کہ اے آل غالب

سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

کہا سب نے قول سچ تک کوئی تیرا کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا

کہا اگر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا تو باد کر دو گے۔ اگر میں کہوں گا

کہ فوج گلن پشت کو وصفیہ

پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پاگر

کہا تیری ہر بات کا یاں یقین ہے کہ بچن سے صادق ہے تو اور امیں

کہا اگر میری بات یہ دلنشیں ہے تو سن لو خلاف اس میں اصلاً نہیں ہے

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جاہلہ والا

ڈرو اس سے جو وقت ہے آئین والا

وہ بجلی کا کڑ کا تھا۔ یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہادی

نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی اک آواز میں سوتی بستی جگلاوی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے

کہ گونج اٹھے دشت جہل نام حق سے

سبق سمجھ شریعت کا ان کو پڑ یا حقیقت کا اگر ان کو اک اک بتایا

زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بتایا بہت دن کے سونے ہوں کو جگایا

کھلے تھے نہ جوارز اب تک جہاں پر

وہ دکھلا دئے ایک پردہ اٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد مہیاں بھلائے تھے بند دل مالک کے فرماں

زمانہ میں تھا دور صہبائے بطلاں سنے حق سے محروم تھی بزم دوراں

اچھوتا تھا توحید کا جام است تک

ختم معرفت کا تھا منہ خام است تک

ذوات تھے انسان قضا و جزا سے نہ آگاہ تھے مبتدا۔ سنتے سے
لگائی تھی اک اک نے لو اسوائے پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے

یہ سنتے ہی تھر گیا گلہ سارا

یہ راعی نے لٹکار کر جب پکارا

کہ بے ذات واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو تو اس سے اپنی لگاؤ

جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسہ کر دو تم اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گڑو تم اسی کی طلب میں مرو جب مرد تم

مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی

نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں مد و مہر اونے سے غرور ہیں واں

جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں بنی اور صدیق مجبور ہیں واں

نہ پرستش ہے ہر زبان و اخبار کی واں

نہ پرواہ ہے ابرار و احرار کی واں

نصارے نے جس طرح کھایا ہے دھوکا کہ سمجھے وہ عیسے کو بیٹا خدا کا

مجھے تم سمجھنا نہ زہن ہمارا ایسا مری حد سے رتبہ بڑا مانا نہ میرا

سب انسان ہیں ج طرح واں سر فلندہ

اُسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم نہ کرنا میری قبر پر سر کو خم تم

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم کہ بچا لگی میں برابر میں ہم تم

مجھے دی ہے بس حق نے اتنی بڑائی

کہ بندہ بھی اس کا ہوں اور اپنی بھی

باب ہفتم

مراجعت مدینہ

فتح مکہ کا موقع مسلمانوں کے لئے نہایت مبارک تھا کہ کعبہ کے بت سرنگوں ہو چکے تھے۔ تمام مکہ کے بت پرست بلکہ تمام عرب قبائل خدا نے واحد کا کلمہ پڑھنے لگے تھے۔ اور مکہ والوں میں سے کسی کو اتنی طاقت نہ تھی کہ مسلمانوں کی مخالفت کا دم بھرے۔ اس واسطے اگر آنحضرت اور مسلمان چاہتے تو اب یہیں قیام فرماتے۔ لیکن اہل مدینہ کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ پیغمبر خدا ان کی آنکھوں سے او جھل نہ ہو۔ اسی واسطے انھوں نے اس مبارک موقع کے آنے سے پیشتر ہی جس کا شاید انھیں خواب و خیال بھی نہ ہو حضورؐ سے عرض کر دیا تھا کہ اگر جناب کو کبھی کامیابی ہو۔ تو ہم غریب جان نثاروں کو دل سے نہ بھلا دیں۔ اور اپنے قدم مہینت لڑوم سے مدینہ کو محروم نہ فرمائیں۔ اس لئے جناب سرور کائنات نے مکہ میں چند روز قیام فرمانے کے بعد مدینہ تشریف لانے کا عزم کیا۔

روایتی ہے قبل مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قبیل بنی ہوازن اور بنی ثقیف ان پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ انھیں اور بنو سعد کے قبائل بھی ان کے شامل حال تھے۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ مسلمانوں کو بہت شکنجی کی سزا دیں۔ مگر مسلمانوں نے ان کا ارادہ معلوم کر کے ان سے نبٹ لینا ہی مناسب سمجھا۔ اور قبل اس کے کہ وہ حملہ کریں۔ مسلمان پیش قدمی کر کے ان پر جا پڑے۔ یہ بات خاص طور پر دلچسپ ہے کہ اب ان حملہ آوروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سرگرمی دکھانے والے قریش مکہ تھے۔ کیا یہ معجزہ نہیں۔ اور کیا اس کا اثر قیامت تک نہ رہے گا۔ کہ کل جو

قبیلہ بنی ہوازن و
بنی ثقیف کی شرارت

لوگ مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ آج وہ جاں نثار دوست بن گئے ہیں۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور طاقت ہے۔ جو انسانی جذبات میں اس قدر جلد ایسا انقلاب پیدا کر دے؟ سبحان اللہ

الغرض مکہ سے دس میل درے دونوں گروہوں کی ایک کوہی درہ میں ٹھہر چھڑ ہوئی۔ حملہ آور بت پرست اعلیٰ درجہ کے نیر انداز تھے۔ اور اول اول جنگ کارنگ ان کی کامیابی کا یقین دلاتا رہا۔ لیکن زورِ صداقت کا مقابلہ اسباب ظاہری کب تک کر سکتے ہیں۔ آخر انہیں شکست ہوئی۔ اور ان کے دو حصے ہو گئے۔ چنانچہ بنی ثقیف جو جنگجو حصہ تھا طائف کی جانب فرار ہو گیا۔ اور وہاں کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔

دوسرا قبیلہ بنی سہازین جس کے ساتھ عورتیں۔ بچے اور مویشی اور دیگر سامان تھا۔ ایک پہاڑ کے دامن تک جا کر رک گیا۔ مسلمان تاقب کرتے ہوئے یہاں پہنچے۔ اور ان سب پر قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی میں علاوہ اور مال غنیمت کے چھ ہزار زن و مرد اور بچہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ جو حسب قاعدہ سپاہ میں تقسیم کر دیے گئے۔ مگر آنحضرت ان لوگوں کی گرفتاری پر سخت متاسف ہوئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام فرمایا۔ جس کا منشا یہ تھا کہ ان کا کوئی سفارشی یا ادارت اہم جائے۔ تو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ پندرہ روز گزر جانے کے بعد قبیلہ مذکور کے چھ سردار جناب سردار کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنی حرکت پر اظہارِ مذمت کر کے گرفتارانِ بلا کی رہائی کی درخواست کی۔ آنحضرت تو یہ چاہتے ہی تھے۔ فوراً ان اسیرانِ جنگ کو بلا معاوضہ آزاد کر دیا۔ جو آنحضرت کے حصہ میں آئے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی باقی تمام مسلمانوں نے بھی آپ کی مثال کی پیروی کی۔ اور ان کی آن میں تمام اسیرانِ جنگ جو لشکرِ اسلام کے نوڈی غلام بن چکے تھے۔ آزاد ہو گئے۔ آنحضرت کی اس رحمدلی اور مسلمانوں کی فیاضی کا یہ اثر ہوا کہ دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد محصورین طائف کی خبر لی گئی۔ طائف ایک پر فضا شہر پہاڑ کے اندر مکہ سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ اب سے نو برس پیشتر آنحضرتؐ اس شہر میں تبلیغ دین کے لئے تشریف لائے تھے جب آپ وعظ فرماتے کھڑے ہوئے۔ تو یہاں کے باشندے آپ کے ساتھ نہایت بد سلوکی سے پیش آئے تھے۔ چنانچہ جب حضور مجبور ہو کر وہاں سے واپس ہوئے۔ تو آپ کی زنجی پٹیلیوں سے ان سنگدلوں کے پتھر مارنے کی بدولت خون جاری تھا لیکن اب طائف مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لاسکا۔ اور مختصر محاصرہ کے بعد مسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے۔ محصورین نے اطاعت قبول کرنے کے بعد آنحضرتؐ سے نہایت لجاجت کیسا تمہ بت نہ توڑنے کی درخواست کی۔ اور کہا کہ انہیں دو برس تک بدستور رہنے دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے یہ درخواست نامنظور کی۔ پھر بت پرستوں نے ایک سال کے لئے کہا۔ وہ بھی نامنظور۔ آخر ایک ماہ تک آگئے۔ مگر یہودیوں کیونکہ وہ سچا خدا پرست اور توحید کا مادی گھڑی بھر کو بھی بت پرستی دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ آخر ان سے کہہ دیا گیا۔ کہ اور جو کہو سو منظور لیکن بتوں کے باب میں تمہاری درخواست ہرگز منظور نہیں ہو سکتی۔ خدا کے قانون میں ایک منٹ کے لئے بھی بت پرستی جائز نہیں۔ تمہاری یہی بات دسنی چلے گی۔ اور بتوں کو ایک لحظہ کے لئے نہ چھوڑا جائے گا۔ البتہ مذہب اسلام قبول کرنے کے لئے تم پر کوئی جبر نہیں۔ جی چاہے قبول کرو۔ جی چاہے نہ کرو۔

الغرض بتوں کی خبر لی جانے لگی۔ اور آخر جب اُنکے سب سے بڑے بت لات کے سر پر مسلمانوں کا گرز گراں پڑا۔ اور اُسے پاش پاش کیا جانے لگا۔ تو طائف کے تمام زن و مرد زار زار روتے تھے۔ اور شور و بجا سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ مگر مسلمان اپنے کام میں مصروف رہے۔ اور جب تک ایک ایک بت کا نشان نہ مٹا دیا۔ دم نہ لیا۔

الغرض طائف کے تمام بت توڑ ڈالے گئے۔ اور ان کے قلعہ جات پر مسلمانوں

کا قبضہ ہو گیا۔ مگر ان لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ نہ ان کو اس بارہ میں مجبور کیا گیا؟ یہ مقام بھی ان لوگوں کے لئے قابل غور ہے۔ جو اسلام کو کہا کرتے ہیں کہ وہ بذریعہ شمشیر پھیلا یا گیا ہے۔ طائف پر مسلمان قابض ہو گئے۔ تمام قلعے فتح کر ڈالا اور وہ اس پر فادر تھے۔ کہ جان کی وحشی سے بہ جبر تمام اہل طائف کو مسلمان کر ڈالے مگر نہیں ایسا نہیں کیا گیا۔ کیونکہ مذہب ایسی چیز نہیں۔ کہ جب تک دل اُسے قبول نہ کرے۔ کسی سے زبردستی قبول کر لیا جائے۔

اب وہ وقت تھا۔ کہ عرب کی باطل پرستیاں معدوم ہو گئی تھیں۔ تبلیغ اسلام اور ہر طرف برکات اسلام نظر آتی تھیں۔ لوگوں کے دل خود بخود اسلام کی جانب کھینچے جاتے تھے۔ بات یہ تھی کہ مکہ بت پرستی کا مرکز تھا۔ جب وہیں آفتاب توحید چمکا۔ تو باقی عرب خدا پرستی کے اثر سے کیونکر بے بہرہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اندلوں یہ حال تھا۔ کہ عرب کے قبائل کے قبائل آتے تھے اور توحید حق کا اقرار کر کے ایمان لاتے تھے۔ جو قبائل دور دراز علاقوں میں آباد تھے۔ اور ان کو مدینہ تک پہنچنا دشوار تھا۔ انھوں نے دربار رسالت میں اپنے قائم مقام بھیج کر محبت اسلام ظاہر کی۔ جس کا انتظام حضرت نے یہ فرمایا۔ کہ ایک ایک صحابی بطور نقیب یا مشنری ان کے ساتھ کر دیا۔ کہ وہ تلقین دین مسبین کریں۔ اور ہر طرح بھی ہزار اہل عرب دین حق میں داخل ہو گئے۔ اس سال (۳۱ھ) میں اس قدر سفارتیں رسول خدا کی خدمت میں آئیں۔ کہ اس سال کا نام ہی تاریخ اسلام میں سال وفود (ڈیپوٹیشنوں کا سال) قرار دیا گیا ہے۔

سنہ ۳۱ میں عرب میں ایک سخت قحط پڑا جس کا اثر سرحد کے قریب زیادہ تھا۔ لوگ فاقوں مر رہے تھے۔ اور اسی وجہ سے ملک میں کچھ بد امنی کے بھی آثار پائے جاتے تھے۔ یہ علاقہ جس کا صدر مقام بتوک تھا شام قسطنطنیہ کے زیر اثر تھا۔ سلطنت روم (اٹلی) نے یہاں آثار بد امنی دیکھ کر اس سے

غزوہ بتوک

اندہ اٹھانے کی کوشش کی اور عرب پر چڑھائی کر نیکی طیاریاں کرنے لگا۔ جیسا کہ آجکل اٹلی والوں نے طرابلس پر بلاوجہ حملہ کر کے اپنے آپ کو مسطعونِ خلائق بنا رکھا ہے۔ آنحضرت رحمت اللعالمین تھے۔ آپ نے ملک کو دشمن کے حملہ سے بچاؤ ضروری خیال فرمایا۔ چنانچہ آپ بھی کوشش میں مصروف ہوئے۔ اور باوجود قحط سالی کے جب آپ دشمنوں کے روکنے کو بڑبڑاہے ہیں۔ تو پوری بیس ہزار سپاہ آپ کے زیرِ علم تھی۔

یہ فوج عرب کی سرحد تک پہنچی۔ اور بتوک میں جا کر خیمہ انداز ہو گئی۔ مگر جب روماء والوں کو مسلمانوں کی اس پیش قدمی اور استعدادی کی اطلاع ہوئی۔ تو وہ نہ صرف حیران ہو گئے۔ بلکہ ہمت مار کر بیٹھ رہے۔ کہ ایسے لوگوں سے عہدہ برا ہونا ہمارا کام نہیں (کاش! اس واقعہ سے ترکِ سبق لیتے۔ اور طرابلس پر اہل اٹلی کے حملہ کی طیاریوں کی خبر سن کر ایسی ہی استعدادی دکھاتے۔ اور ثابت کر دیتے۔ کہ ہم انھیں لوگوں کی اولاد ہیں جن کے مقابلہ سے تمہارے آباد و جداد فوراً دور ہی بلا مقابلہ فرار ہو جاتے تھے) الغرض لشکرِ اسلام دس روز تک بتوک میں خیمہ انداز رہا۔ اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ اب دشمن حملہ نہ کریگا۔ بنجر بیت واپس گیا۔ البتہ ایک سپاہی شہید ہوا جس کا انتقام آئندہ زمانہ میں مسلمانوں نے لیا۔

انھیں ایام میں قبیلہ بنی طے کے بعض مفسدہ پرواز قبیلہ بنی طے کا سر اٹھانا

ملک میں آتشِ فساد برپا کرنے پر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جس کے روکنے کے لئے آنحضرت نے ایک فوج روانہ کی۔ جو حضرت علیؑ کے زیرِ کمان تھی۔ ان دنوں عدی بن حاتم طائی (مشہور زمانہ فیاض) بنی طے کا حاکم تھا۔ مگر وہ تابِ مقاومت نہ لاکر شام کی جانب فرار ہو گیا۔ فوجِ اسلام نے بلا فراحت ان کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور اسیرانِ جنگ کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان گرفتار ان بلا میں مشہور زمانہ فیاض حاتم طائی

کی بیٹی بھی تھی جب اُس نے اپنا مال عرض کیا۔ تو آنحضرت نے اس کی جان بخشی کی۔ باقی مجرم جرم بغاوت میں مامور کئے گئے۔ مگر سخی باپ کی سخی لڑکی نے نہایت ادب کیساتھ بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ کہ جس طرح حضور نے میرے حال زار پر رحم فرمایا ہے۔ اسی طرح میری قوم پر رحم کیا جائے۔ ورنہ مجھے بھی انھیں کے ساتھ مقید رکھا جائے۔ یا اگر انھیں قتل کی سزا دی جائے۔ تو مجھے بھی تیغ کیا جائے۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے قبیلہ کے لوگ غلام بنا کر رکھے جائیں۔ اور میں آزاد رہوں۔ وہ قتل کئے جائیں اور میں زندہ رہوں۔ آنحضرت کے دل پر اس لڑکی کی حُبِ قومی کا خاص اثر ہوا۔ اور آپ نے اس کی خاطر اس کے تمام قبیلے کو رہا فرمایا۔ یہ لوگ آنحضرت کا یہ مہربانی آمیز برتاؤ دیکھ کر اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ یہ تھی اسلام کی تیغ بُراں جواول سے ہر موقع پر مار کرنے والی ثابت ہوتی رہی ہے۔ اس واقعہ کو حضرت شیخ سعدیؒ نے نظم کیا ہے جس کا درج کرنا یہاں خالی از دہیسی نہ ہوگا:

حکایت بوستان

شنیدم کہ طے در زمانِ رسول نہ کروند منشورِ ایمان قبول
فرستاد شکر بشیرِ فزیر گروہے ز ایشاں گرفتارِ پیر
زنے گفت من و خستہ حاتم بخوابند ازین نامورِ حاکم
کرم کن بجائے من اے محترم کہ مولائے من بود ز اہل کرم
بفرمانِ پیمبرِ پاک رائے کشادہ و نجیر از دست و پائے
دراں قوم باقی نہادند تیغ کہ رانند سیلابِ خونِ بیدخ
ہزارے بشمشیر زن گفت زن مرا نیز با جملہ گردن بزن
مروت نہ بینم رہائی ز بند بہ تنہا و یارِ انم اندر کند
ہمیگفت گریاں بہ اخوان طے بہ سمعِ رسول آمد آواز دے
بخشید آن قوم و دیگر عطا کہ ہرگز نہ کرد اصل و گوہر خطا

ایام حج قریب آئے۔ تو آنحضرت نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ اور دیگر مسلمانوں کو جو حج کے متنی تھے۔ خانہ کعبہ کے طواف کے لئے روانہ کیا۔ خود کسی مصلحت سے مدینہ قیام فرمایا۔ آپ نے حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کو بھی ہدایت کی۔ کہ بعد اوائے فرائض حج خانہ کعبہ میں اعلان کر دیا جائے۔ کہ سال آئندہ سے شہر مکہ خدا پرستوں کا مرکز سمجھا جائے گا۔ اور وہاں بت پرستوں کو آنے کی اجازت نہ ہوگی۔

قافلہ اسلام مکہ کو روانہ ہو گیا۔ اور بعد اوائے حج حضرت علیؓ نے خانہ کعبہ میں اعلان کر دیا۔ کہ آئندہ سال سے کسی بت پرست کو یہاں آنے کی اجازت نہیں۔ نہ کوئی زمانہ جاہلیت کے طریق سے برہنہ ہو کر بیت الحرام کا طواف کر سکے گا۔ جن لوگوں نے خاص عہد و پیمان کر رکھے ہیں۔ وہ وقت مقررہ تک اسی طرح رہیں گے باقی لوگوں کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔ کہ اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے جائیں۔ اس کے بعد کوئی عند قابل سماعت نہ ہوگا۔ اس کے بعد قافلہ مدینہ واپس آگیا۔

اگلے سال تقریباً تمام عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ اور شاید ہی کوئی بت پرست کسی گوشہ میں پڑا ہوا باقی رہا ہو۔

سلاطین عرب نے عرب کے تقریباً تمام قبیلوں میں ان کی دینی تعلیم تبلیغ دین کے لئے واعظ۔ مناو۔ قاری اور نقیب مقرر کئے۔ نیز قرب و جوار کے غیر مسلم بادشاہوں اور سرداران قبائل کے پاس سفارتیں بھیج کر انھیں دعوت اسلام دی۔ بعض قبائل نے خود اس قسم کی درخواستیں آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجیں۔ اس سبب سے اور اس جانفشانی کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ وہ ملک جو صدیوں سے چاہ ضلالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس میں ہر قسم کی بدیاں اور بت پرستی رائج تھیں۔ جہاں توہمات کی کالی گھنٹا چھا رہی تھی۔ جہاں کے باشندے افعال شنیعہ کے عادی تھے۔ یک لخت ایک قطبہ روضہ ضواں بن گیا۔ اور سب برائیاں اس سے دور ہو گئیں۔

وہ دیں جس نے اعدا کو اخواں بنایا وحش اور بسا تم کو انسان بنایا
 درندوں کو غنغوار و درواں بنایا گدڑیوں کو عالم کا سلطان بنایا
 وہ خطہ جو تھا ایک دھوروں کا گلہ
 گراں کر دیا اس کا عالم سے پتہ
 اس خاک کو جس نے کسوں بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
 عرب جس پہ قرونوں سے تھا جہاں پلٹ دی۔ بس۔ اک آن میں اُنکی کھایا
 رہا ڈرنہ بیڑے کو موج بلا کا۔
 ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا۔

اب وہ وقت تھا کہ عرب میں ایک سرے سے دوسرے
 تک خدا پرستی کا دریا ہر اتنا نظر آ رہا تھا۔ اور اس کے سیلاب
 ممالک غیر تک پہنچ رہے تھے۔ اور رسول کریم جس خدمت کے لئے
 دنیا میں تشریف لائے تھے با حن وجوہ پوری کر چکے تھے۔ اس واسطے خود جناب اقدس
 کو خیال ہو گیا تھا کہ اب میں یہاں زیادہ عرصہ نہ رہوں گا۔ اسی خیال سے
 جناب نے ایک الوداعی حج ادا فرمانے کا عزم کیا۔ چنانچہ قافلہ مسلمانانِ مدینہ
 سے روانہ ہو گیا۔

آج یہ ظنون فی دین الدنوا جا کا وعدہ الہی پورا ہو چکنے کے بعد ایوم الکلت لکم دینکم کا فیضان
 پیش نظر ہے۔ ناظرین کیا آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس حج میں آپ کے پیچھے کتنے
 آدمی تھے۔ وہی آسمن کا تیمم بچہ جسے علیہ والی پرورش کے لئے لینے میں بھی تامل
 کرتی تھی۔ وہی شخص جسے مکہ میں کوئی پناہ نہ دیتا تھا۔ اور جسے بھاگتے وقت
 صرف دو جاں نثار رفیق ملے کہ ایک بستر پر لیٹا۔ اور ایک نے ان کے ساتھ
 جان جو کھوں میں ڈال کر پہاڑ کی کھوہ میں پناہ لی کچھ خیال کر سکتے ہو کہ آج اس
 کے جھنڈے کے نیچے کتنے آدمی ہیں؟ آج اس کے ساتھ ایک لاکھ
 چوبیس ہزار خدا پرست میدانِ عرفات میں خدائے واحد کے حضور میں سر

نئے سر کھڑے بن سہلے کپڑے کفن کی طرح پہنے۔ امیری غریبی کا فرق دور رکھے۔ میدانِ حشر کا نمونہ بنائے کھڑے ہیں۔ اللہ اکبر! صداقت کی کاسیابی!! کیسا عالیشان نظارہ ہے +

مکہ پہنچ جانے کے بعد ایک روز آپ کوہِ عرفات پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں ایک منوثر تقریر فرمائی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

حاضرین اہل اسلام! میں شاید اگلے سال تم لوگوں میں نہ ہوں۔ اس لئے میں اب جو کچھ کہوں اُسے غور سے سنو۔ اور دل سے توجہ کرو۔ یہ ہمیشہ کا خاص کر یہ روز تم لوگوں کے لئے مقدس ہے۔ تم سب کے سب ہر سال اس روز اپنے خدا کے حضور اس گھر میں حاضر ہوا کرتے۔

اے مسلمانو! یاد رکھو کہ قیامت کے روز تم سب کو اپنے خدا کے حضور حاضر ہونا پڑے گا۔ وہ اس وقت تمہارے ہر فعل اور حرکات و سکنات کا حساب و کتاب لے گا۔ دیکھو عورتوں کے ساتھ کبھی بدسلوکی نہ کرنا۔ ان سے ہمیشہ مہربانی سے پیش آنا۔ غلاموں کو آسائش دینا۔ وہ آسائش جو تم اپنی ذاتِ فاضلہ کو دیتے ہو۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کرنا۔ یاد رکھو کہ کل مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ دیکھو کسی کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ وغیرہ وغیرہ

بعد ازاں حج سے فراغت پا کر آنحضرت مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ اسی زمانہ یعنی آغازِ سال ۶ میں کچھ فوج اہلِ ردم کی سزا دی کے لئے بھیجی گئی۔ کیونکہ غزوہ بنو نضیر سے واپسی کے وقت انھوں نے مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا۔ مگر یہ فوج آنحضرت کی بیماری کی وجہ سے راستے ہی سے لوٹ آئی کیونکہ اسے آنحضرت کی علالت کی خبر پہنچ گئی۔ اور بعض صحابہ نے اس وقت بارگاہِ رسالت میں حضوری کو ضروری سمجھا۔ اس وقت آنحضرت صلعم کی بیماری کا آغاز تھا۔ مگر روز بروز حالت بگڑتی جاتی تھی۔ اور ضعف زیادہ ہوتا جاتا تھا +

چھوٹے پیغمبر

انھیں ایام میں مسیلمہ کذاب اور اسود عتسی کذاب نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے اپنے قبائل میں رسوخ پیدا کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی اس کے عین کے صدر مقام صنعا پر قبضہ بھی کر لیا۔ مگر مسلمان ان کو کب چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اسود عتسی کو تو مسلمانوں نے فوراً ہی قتل کر ڈالا۔ مگر مسیلمہ کذاب اس وقت بچ گیا۔ کیونکہ مسلمان آنحضرت کی علامت کی وجہ سے تشویش میں تھے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا بھی قصد پال کر دیا۔

آنحضرت کی علامات اور نقائص

اس وقت سن مبارک تریسٹھ سال کا ہو چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز روز نماز پر روز شدید ہوتا جاتا تھا۔ ضعف غیر معمولی طور پر بڑھ گیا تھا۔ مگر اس حالت میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پانچوں وقت مسجد میں تشریف لائے اور خود نماز پڑھتے تھے۔ چونکہ بی بی عائشہؓ کا مکان مسجد کے بالکل قریب تھا۔ اس واسطے ایام علامت میں آپ کا قیام عموماً یہیں رہا۔ یہ بی بی حد سے زیادہ تیار داری نہاتی اور آنحضرت کی خدمت کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ ہونے دیتی تھیں۔ وفات سے تین روز پہلے آنحضرت نے جبکہ جناب کا جنم زیادہ تحلیل نظر آتا تھا حضرت علیؓ اور فضلؓ سے فرمایا کہ مجھے سہارا دے کر مسجد میں لے چل جب وہاں تشریف لے گئے۔ تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امام بن کر ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ اسی اشارہ سے بعد وفات حضرت ابوبکرؓ آپ کے خلیفہ اور جانشین بنائے گئے بعد ادا کئے نماز رسول خداؐ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو میں اس کی معافی مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے جس کسی کا مجھ پر قرض ہو۔ تو وہ مجھ سے ابھی طلب کر لے۔

یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ کہ میرے تین درم

آپ کے فوتے ہیں۔ یہ قرمنہ فوراً ادا کیا گیا۔
 اس کے بعد آنحضرت نے لوگوں کو بہت کچھ نصیحتیں کیں۔ پھر مکان
 تشریف لے گئے۔ اور اس کے بعد پھر زندہ باہر نہ آ سکے۔ روز بروز علامت
 ترقی کرتی گئی آپ نے ایک پیالہ پانی کا سبھرا اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا
 جس میں ہاتھ ڈبو کر بار بار چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے۔ پیاس کی شدت
 اور بنجار کی حدت و مہم جوئی کی تھی۔ آخر قانون قدرت کے مطابق وعدہ
 آگیا۔ آپ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ سالہ مطابق ۶ جون ۶۳۲ء کو بروز شنبہ
 بوقت دوپہر پروردگار عالم کا نام لیتے اور بالرفیق الا علی۔ بالرفیق الا
 (رفیق اعلیٰ کی جانب۔ رفیق اعلیٰ کی جانب) فرماتے ہوئے اس دارنا پائدار
 سے عازم ملک بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آنحضرت جس روز دنیا میں تشریف لائے تھے اسی روز رواز ہوئے
 یعنی جس تاریخ کو آپ تولد ہوئے تھے اسی تاریخ کو وصال فرمایا۔
 اللہ باقی من کل فانی

وہ شیعہ اہل احسن نے کیا چالیس برس تک غاروں میں

ایک روز چکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
 جو فلسفیل سے کھل نہ سکا اور نکتہ دروں سے حل نہ ہوا

وہ راز ایک کلمی واسے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
 وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں و کان فلسفہ سے

ڈھونڈے سے ملیگی مومن کو یہ قرآن کے سینہ پاروں میں
 ہیں کہیں ایک ہی مثل کی بوجہ عمر عثمان علی

ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ نسر ق نہیں ان چاروں میں
 گرا رض و سما کی محفل میں لولاک لما کی دہو م نہ ہو۔

(ظفر طعناں) یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو ستیاردوں میں

بائستم آنحضرت صلعم کے عادات و اخلاق اِنَّكَ لَخَلْقُ عَظِيمٍ

نقطہ کہتے ہیں پھیلادین احمد شیخ و خیر سے

ہو مقبول عام اسلام اخلاق پیغمبر سے

مذہب میں سے اگر روحانیت کا حصہ نکال کر بہ نظر غور دیکھا جائے۔ تو اخلاق ہی اخلاق ہوگا۔ بایں کہو کہ مذہب اور اخلاق ایک ہی چیز ہے۔ اور ہم ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔

بہر حال اخلاق حسنہ دنیا میں ایک ایسی دلکش چیز ہے۔ کہ دوستوں کے علاوہ دشمنوں کے دل پر بھی اثر کرتی ہے۔ ہم بالعموم دوسرے مذاہب کی خوبیوں کو اپنی تنگ نظری اور تعصب کی وجہ سے نظر انداز کر جانیکے عادی ہیں۔ لیکن کسی شخص کی اخلاقی خوبیوں کا اعتراف ہمیں طوعاً و کرہاً کرنا ہی پڑتا ہے چنانچہ راجہ راجندر جی کی شجاعت۔ اطاعت والدین اور اخلاقی خوبیوں کا معترف ایک مسلمان بھی اسی طرح ہے جس طرح کہ اس کو اوتار ماننے والا فرقہ پس اعلیٰ اخلاق جو انسانی اوصاف میں داخل ہیں ایک پیغمبر یا اوتار میں ہم اس کے بہت کامل دیکھنے کے متمنی ہیں۔

جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارک پر جب اس حیثیت سے نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو آپ کی شان بلا شبہ شک نہایت ارفع نظر آتی ہے۔ ہم کوئی حسن خلق ایسا نہیں دیکھتے جس کا ظہور آپ سے موقع مناسب پر نہ ہوا ہو۔ اگرچہ اس کا ادراک کتاب میں جا بجا ذکر آچکا ہے۔ جس سے اس مضمون پر کافی روشنی پڑ گئی ہے۔ مگر ہم اس باب میں اس قسم کے واقعات کو

علحدہ بھی دکھانا چاہتے ہیں۔ تاکہ تھوڑی تو تکلف رکھ کر صبح کے قبل حبیب کا اطفاحل رہے۔

مہمان نوازی اور بے نفسی

جناب ہر شخص کی عزت کرتے تھے۔ مہمان کو عزیز رکھتے تھے۔ بلا لحاظ اس کے کہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو یا کیسا ہی بُرے سے بُرا ہو۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ ایک بار کچھ لوگ باہر سے آئے۔ آنحضرت نے انہیں اپنا مہمان بنایا۔ اور ان کی خاطر تواضع کا یہ اہتمام کیا کہ ایک صحابی کے مکان پر ایک ایک مہمان بھیج دیا۔ اور ہر اہیت فرمادی کہ ان کی خدمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے مگر ان میں ایک شخص ایسا تھا جو اپنی شہرت میں شہرہ آفاق تھا۔ لہذا اس کو کسی صحابی نے منتخب نہ کیا۔ اور وہ آنحضرت کے مکان پر رہا۔ حضور نے کھانا طیار کر لیا۔ اور اول سب کا سب مہمان کے سامنے رکھ دیا۔ تاکہ اس کے سیر ہو نیکی بہد باقی لوگ کھائیں۔ لیکن یہ بزرگ سب چیٹ کر گئے۔ جس کی وجہ سے اس شب آنحضرت اور آپ کے متعلقین بھوکے رہے۔ مگر حضرت نے مہمان کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ اور اس کے لئے علیحدہ مکان میں بستر کر کے اُسے سلا دیا۔ چونکہ یہ شخص اراداً زیادہ کھا تا فرستے بہت ہی زیادہ کھا گیا تھا۔ اس لئے سخت بد معنی ہوئی۔ رات بھر کو ٹھہری کے اندر رفع حاجت کرتا رہا اور بستر کو خوب خراب کیا۔ اور صبح ہوتے ہی بغیر اطلاع کے چل دیا۔ آنحضرت صبح کو اس کی خیر دعائیت دریافت کرنے آئے۔ تو تمام کو ٹھہری اور بستر کو غلاطت سے بھر ا سوا پایا۔ مگر مہمان کو نہ دیکھا۔ آپ نے اس کے بغیر اطلاع چلے جانے پر اظہار افسوس کے سوا کچھ نہ کہا۔ غلاطت آلود بستر کو اپنے ماتھے سے دھونے لگے۔ اتنے میں صحابہ کرام آگئے۔ اور انہوں نے مہمان کی چرکت دیکھ کر سخت غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ مگر آپ نے انہیں خاموش کر دیا۔ عین اس وقت جبکہ آپ کپڑے دھو رہے تھے۔ وہ شخص بھی آ پہنچا۔ کیونکہ وہ اپنی تلوار بھول گیا تھا۔ اور حضرت کو اس کام میں مشغول دیکھ کر سخت شرمندہ ہوا۔ مگر آنحضرت اس سے بخندہ پیشانی پیش آئے۔ مگویا اس نے کوئی نامنرا

حرکت نہیں کی۔ نہ آپ کو اس سے کچھ ملال ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آپ کے حسنِ اخلاق سے مستحضر ہو کر فوراً ایمان لے آیا۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی آیا۔ اور مسجد کے احاطہ میں پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ اس کی اس حرکت ناشائستہ پر صحابہ کو بڑا

عفو اور قصور سے درگزر

غصہ آیا۔ اور چاہا کہ اسے فوراً زد و کوب کریں۔ مگر آنحضرت نے انھیں اس ارادہ سے باز رکھا۔ اور جب وہ اٹھ بیٹھا۔ تو اسے اپنے قریب بٹھا کہ نہایت بردباری سے سمجھا یا کہ بھائی جان یہ مسجد صرف خدا کی عبادت کے واسطے ہے۔ اس واسطے آپ کو ایسا نہ کرنا تھا۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ فرمایا۔

جب قبیلہ بنی طے نے سرکشی کی اور بقیۃ السیف اسیر ہو کر پیش کئے گئے۔ تو حاتم طائی کی بیٹی نے اپنے سخی

عاجزوں پر رحم اور قدر سخاوت

باکے واسطے سے اپنی اور اپنی قوم کی جان کی امان چاہی۔ آپ نے فوراً اس کی درخواست منظور فرمائی۔ جیسا کہ بالتفصیل پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

آپ بزرگوں کا نہایت احترام فرماتے تھے حتیٰ کہ کئی بار ایسا ہوا کہ آپ کی رضاعی والدہ جنازہ علیہ

بزرگوں کا ادب اور فرمانبرداری

آپ کے پاس تشریف لائیں۔ اور آپ نے ان کے لئے اپنی ردائے مبارک بچھا دی اور نہایت تواضع و تکریم سے پیش آئے۔ اور ان کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ نظر انداز نہ ہونے دیا۔ اسی طرح ایک روز ایک اور بڑھیا آپ کے پاس آئی آپ نے اس کی بڑی عزت کی۔ وہ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ کی سہیلی تھی۔ اس تعلق سے آپ نے ان کی تعظیم کو ضروری سمجھا۔

اگر آنحضرت پر کوئی شخص زیادتی کرتا یا گستاخی

زیادتیں اور سختی کے مقابلہ میں نہی اور مہربانی

سے پیش آتا۔ تو آپ اس کو برداشت فرماتے اور اس سے ہنرمی پیش آتے تھے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ آپ پر ایک یہودی کا کچھ قرضہ آتا تھا۔ وہ وعدہ سے پیشتر ہی آپہنچا۔ اور سخت تقاضا

کہا۔ آنحضرت نے نہایت نرمی سے اس کو جواب دیا۔ مگر وہ کم بخت کہنے لگا۔
 کہ تم کیا تمہارا خاندان ہی نادمند ہے۔ اس سے آپ کے صحابہ کو غصہ آیا۔ خصوصاً
 حضرت عمر جو ش میں آگئے۔ اور فرمایا کہ اگر تو آنحضرت کی پاک مجلس میں نہ جوتا۔
 جس کا احترام مجھے مانع ہے۔ تو میں تجھے مار ڈالتا۔ لیکن آنحضرت نے جناب
 عمر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم اس سے کیوں بگڑتے ہو۔ انصاف تو یہ کہتا ہے
 کہ تم مجھ سے فرض ادا کرنے کو کہتے۔ اور اس سے نرمی پیش آئیگی درخواست کرتے۔
 اب بہتر ہے۔ کہ تم اس کا فرض ادا کرو۔ اور اس کو جھڑکنے کے عوض کچھ زیادہ پروہ
 دیدو۔ یہ بات سن کر یہودی آنحضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ اور کہا کہ میں تو آپ کو
 آزماتا تھا۔ ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ ایک ایسا پیغمبر پیدا ہوگا۔ کہ اس کیساتھ
 جس قدر سختی کی جائے گی۔ وہ اسی قدر نرمی کرے گا۔ بیشک آپ پیغمبر آخر الزماں
 اور وہی سچے نبی ہیں۔

جناب ایسے حلیم تھے۔ کہ باوجود اس کے کہ آپ کے
 دشمن آپ پر بے انتہا ظلم و زیادتیاں کرتے۔ مگر آپ
 ان کو نقصان پہنچانے پر قادر ہونے کے باوجود ان سے بڑا سلوک نہ کرتے۔ اور
 نہ ان کی دشمنی کا خیال فرماتے۔ چنانچہ ایک جنگ کے حالات میں ہم بیان کر چکے
 ہیں کہ آپ کے ایک دشمن قریش نے جھگڑ میں آپ کو تنہا پا کر آپ کے قتل کا
 ارادہ کیا۔ اور تلوار اٹھینچ کر کہا کہ بتا یہاں تیرا کون بچا نیوالا ہے۔ آپ نے فرمایا۔
 میرا خدا۔ یہ کہتے ہی اس شخص کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ جسے حضرت نے
 اٹھا لیا۔ اور فرمایا کہ اب تو بتا کہ تجھے کون بچا نیوالا ہے۔ وہ شخص کانپنے لگا۔ اور
 کہا کوئی نہیں آپ رحم کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کم بخت کہہ کہ خدا۔ یہ کہہ کر تلوار واپس
 دیدی۔ اور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کی۔ یہ دیکھ کر آخر وہ مسلمان ہو گیا۔
 انس سے روایت ہے کہ ایک یہودن آپ کے
 دشمن خصوصاً مکہ زور دشمن کو غور کرنا
 پاس ایک بکری لائی۔ جو زہر کھلا کھلا کر پانی گئی تھی۔

آنحضرت اس امر سے مطلع ہو گئے آپ نے اس عورت سے کہا کہ تیرا اس سے مطالب کیا ہے۔ اس نے کہا صرف آپ کا قتل۔ آپ نے فرمایا۔ تو ایسا نہیں کر سکتی کیونکہ خدا کو یہ منظور نہیں صحابہ اس کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے اسے معاف کر دیا۔ اسی طرح ایک اور عورت نے آپ کی دعوت کی۔ اور نہ ہر بلا کھانا کھانا مگر جان بچنے کا قصد کیا۔ اس کو بھی آپ نے معاف کر دیا۔

حضرت صلعم ہر ایک شخص سے نہایت نرم اور شیریں نرمی سے کلام کرنا نہایت کرنا

کہتے تھے۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی نے آپ کو السلام علیکم کی بجائے السلام علیکم (تم پر موت ہو) کہا۔ اس سے بی بی عائشہ حمیدہ بکری اور خفا ہو کر کہا کہ تجھ پر ہی موت اور لعنت ہو۔ مگر آنحضرت نے ان کو منع فرمایا۔ اور کہا کہ خدا نے تمہارے لئے ایک نام رقیق بھی ہے۔ اس واسطے وہ رقیق یعنی نرمی کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے ہر ایک انسان کو سخت کلامی اور بدگوئی سے بچنا اور نرمی اختیار کرنی چاہیے۔

آنحضرت تقریباً اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے خود سے بڑاؤ۔ خود کام کرنا عادت

خادم سے خشکیاں نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ جناب انس سے روایت کرتے ہیں کہ میں کامل دس سال آنحضرت کی خدمت میں رہا۔ مگر خدا کی قسم میں جس قدر کام کیا کرتا تھا۔ اُس سے کچھ زیادہ کام آنحضرت میرا کر دیا کرتے تھے۔ اور اس طویل مدت میں کبھی آنحضرت نے مجھے نہیں جھڑکا۔ نہ یہ کہا کہ فلاں کام کیوں نہ کیا۔ اور فلاں کام کیوں بگاڑ دیا۔ اللہ اللہ! جب تک خدا اس کی توفیق کسی کو خاص طور پر نہ دے۔ کوئی ایسے اعلیٰ اوصاف سے متصف نہیں ہو سکتا۔

دوسروں کی تعظیم و تکریم یہ بات جناب کی عادت میں داخل تھی کہ جب کوئی شخص

آہا۔ تو آپ اس کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے چنانچہ ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک بار آپ جسرہ میں تشریف فرما تھے۔ اور تمام مجاہد اصحاب سے پر تھی۔ اسی حالت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ صحابی تشریف لائے۔ چونکہ اندر جگہ نہ تھی۔ اس واسطے دہلیز پر بیٹھ گئے۔ مگر آنحضرت نے فوراً اپنی چادر ان کو عطا کی۔ کہ اسے بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ۔ مگر حضرت جریر دلو جہاد اب اس پر نہ بیٹھے حضرت کا ارشاد ہے کہ جب کوئی تمہارے پاس آئے۔ اُس کی تعظیم ضرور کرو کہ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ آنحضرت تکیہ سے سہارے بیٹھے ہوتے تھے۔ اور دوسرے کے سہارے کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ اس پر بھی آپ اُسے تکیہ عنایت کرتے۔ اور اگر وہ نہ لیتا تو خود بھی تکیہ سے علیحدہ ہو جاتے تھے +

آپ کا کہنے سے عار نہ کرتے تھے اباد جو داس کے کہ آپ کے خادم ہر وقت آپ کے اشارہ پر جان تک فدا کرنے کو تیار تھے۔ تاہم حضرت

ہر ایک کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک بار جناب سفر کو تشریف لے گئے صحابی بھی ہمراہ تھے۔ یہ سب کھانا پکانے میں مصروف ہوئے۔ اور ایک ایک کام اپنے دسمبائل لیا۔ تو آنحضرت نے اصرار کر کے لکڑیاں لانے کا کام خود اپنے ذمہ لیا یہی وہ بے تاج بادشاہ عرب تھا کہ جس کے قدموں میں بنیادی بادشاہ اپنا سر رکھنا باعث سعادت سمجھتا تھا سبحان اللہ اسی طرح ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک بار آپ کنوئیں پر غسل کر رہے تھے۔ اور ایک صحابی چادر سے آپ کا پردہ کر رہے تھے۔ پس جب آپ فارغ ہوئے۔ اور صحابی کے نہانے کی باری آئی۔ تو آپ بھی چادر لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور پردہ کرنے لگے۔ انھوں نے ہر چند منع فرمایا۔ مگر آپ نے فرمایا ہرچ کیا ہے جیسا میں انسان ہوں ویسے ہی تم ہو۔ مجھ میں ایسی کیا فوقیت ہے + کتب حدیث و سیر سے بہت سے اقتباسات مل سکتے ہیں۔ جس سے آنحضرت کے عادات حسنہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اصل بات یہ ہے

کہ آنحضرت کی زندگی تمام انسانوں بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ کہ انبیاء اور اقلیاء کے مقابلہ میں اس قدر جامع اخلاق حسنہ واقع ہوئی ہے۔ کہ وہ کل معاملات انسانی کی رہنما ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جناب سرور کائنات کی زندگی میں وہ تمام حالات مختلف پیدا ہو گئے تھے جن کے ذریعے جناب کو کل اخلاق فاضلہ کے اظہار کا موقع ملا۔ اور بقول جناب صاحب ”اسودہ حسنہ“ جہاں مشاہیر زمانہ کی زندگیوں نے فرداً فرداً مختلف رنگوں میں مختلف احوال لوگوں کی پیروی کے لئے عمدہ نمونے پیش کر دی ہیں۔ وہاں جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی زندگی مختلف احوال لوگوں کے حالات مختلفہ میں کامل ہدایت کا باعث ہو سکتی ہے۔

الغرض اس تقاضا میں آوازیں۔ بے تعبسی۔ عفو۔ رحم۔ ادب۔ تنظیم۔ سختی کے مقابلہ میں نرمی۔ حلم۔ رخصت۔ خدائے پرہیزگار و غیرہ وغیرہ کون سے اخلاق حسنہ ہیں جو آنحضرت کی زندگی میں نہ دیکھے گئے۔ یہ بات دعوے کی مانند کہی جاسکتی ہے۔ کہ آنحضرت کے سوا کوئی انسان نہیں پیش کیا جاسکتا جس کی زندگی جامع اخلاق حسنہ ہو۔ یہ ممکن ہے کہ ایسا کوئی شخص کبھی دنیا میں آیا ہو۔ لیکن کم از کم اس وقت دنیا کو ایسا کامل انسان کوئی معلوم نہیں سوا اے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

عجائب اخلاق یہ ہے۔ کہ عین موقع پر اس خلق خاص کا آنحضرت سے اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً فتح مکہ کے وقت جب دشمن مقابلہ سے عاجز تھے۔ اور آپ اُن پر ہر طرح اختیار رکھتے تھے۔ مگر جناب نے اس وقت اپنے طبعی عفو و رحم کا وہ ثبوت دیا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔

آنحضرت صلعم کی زندگی پر سرسری نظر

معزز ناظرین کتاب ہذا آپ اول سے آخر تک اس کتاب کو پڑھ لیں۔ اور اس

مقدس شخص کی زندگی کے تمام اہم واقعات معلوم کر چکے جس کے نام لیوا آج دنیا کی وسیع آبادی کا ایک معتد بہ حصہ ہیں۔ آپنے خدا کی قدرت کا تماشا دیکھا۔ ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے عالم شہود میں آنے سے پیشتر ہی اس کا باپ وفات پا جاتا ہے۔ کیا اس یتیم کی بیوہ ماں اس مولود کو سید سمجھے گی۔ پھر طرہ یہ کہ جب ایک دو بزرگ اپنا سایہ اس کے سر رڈالتے اور اُسے آغوش شفقت میں لیتے ہیں۔ تو چند روز بعد وہ بھی رگڑاے عالم بقا ہو جاتے ہیں۔ بیچاری بیکس ماں تسلیم و تربیت کا تو کیا خدا انتظام کرے اُسے تو اس یتیم کی پرورش کا فکری کھائے جاتا ہے۔ لیکن جب یہی بچہ کچھ پر دان چڑھتا ہے۔ اور نام خدا جو ان ہوتا ہے۔ تو ایسی باتیں بیان کرتا ہے کہ بوڑھے لوگ حیران ہوتے ہیں۔ یتیمے کو ناکردہ قرآن درست + کتب خانہ جیت رملت بشت اگر خدا نے یہ باتیں اس کے دل میں نہیں ڈالیں جسے مذہبی اصطلاح میں اہام کہا جاتا ہے۔ تو کہاں سے آئیں؟

وہ صرف باتیں ہی نہیں کہتا بلکہ اُس کی زبان میں ایسا سحرانہ اثر ہے۔ کہ عین قلب میں جا کر بیٹھتا ہے۔ اسی واسطے اسکی مخالفت میں حق کے مخالف کہتے ہیں۔ لوگو اسکی باتیں نہ سنا۔ اس کی باتیں جادو کی پڑیا ہیں۔ تم نے سنیں نہیں۔ اور سحر ہوئے نہیں۔ لوگ اس امر کی احتیاط کرتے ہیں۔ اور اپنی جمیوں میں رولی رکھتے ہیں کہ خدا نخواستہ ان کے کان میں وہ آواز نہ پہنچے۔ مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ وہی ایک دن قدموں پر سر رکھتے نظر آتے ہیں۔ حضرت عمر کس ارادہ سے گئے اور کیا ہو گیا؟

وہ لوگوں کو کیا سمجھاتا تھا؟ بس یہی کہ ”ایک خدا کی اور قادر مطلق کی تشریف کرو۔ بت یا اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی کسی شے کو نہ پوچھو۔ کیونکہ یہ چیزیں تمہیں غائدہ یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ نیکی کرو۔ بدی سے پرہیز کرو۔ غرور چھوڑ دو۔ عاجزوں اور یتیموں کی مدد کرو۔“

بہت سے لوگ اس صداقت کے اثر میں آجاتے ہیں۔ لیکن اکثر ہیں جو خدا کو
بٹ و صرعی کے بندے بنے ہوئے ہیں۔ خدا کے نام سے چڑتے ہیں۔ بت
پرستی کے خلاف وعظ کو بتوں کی توہین سمجھتے ہیں۔ اور خدا کے نام کا وعظ کہنے والے
کو نہ صرف برا بھلا کہنے پر قناعت کرتے ہیں۔ بلکہ ہر قسم کی جسمانی اور روحانی اذیت
پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مگر یہ خدا کا بندہ اپنے ہموطنوں اور خاص
اپنے بھائیوں کے ظلم و ستم جبر و تشدد سہتا ہے۔ ہر اذیت پوہبر کرتا ہے۔
مگر کیا مجال کہ صدائے حق بلند کرنے سے باز رہے یا حق کے دشمنوں کے
حق میں کلمہ بد زبان سے نکالے۔ بلکہ جب یہ زیادہ متا یا جاتا ہے۔ تو وہ خدائے
واحد کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہی دعا کرتا ہے۔ ”خدا یا میری قوم کو ہدایت دے دے دن
یہ کہ تباہ کر دے“ اور پھر خود ہی کہتا ہے۔ کہ ”کیا ہوا اگر یہ لوگ میرے کہنے کو
نہیں سمجھتے۔ انشاء اللہ ان کی اولاد صرف دین حق کی پیروی کرے گی“ ان الفاظ
کو سن کر خدا کی شان جلالی جوش میں آتی ہے۔ اور کارکنان قضا و قدر کو بارگاہ
صدیقت سے ارشاد ہوتا ہے کہ ”ہاں لکھ لایا ہی ہوگا“

جب حق کے دشمن کسی طرح باز نہیں آتے۔ اور انکی شرارت روز بروز بڑھتی
جاتی ہے۔ تو بالآخر یہ صداقت مجسم محلے اپنے چند جاں نثاروں کے ہجرت
کر کے دوسرے شہر میں جا پہنچتا ہے۔ اور نور صداقت کے دیکھنے والے اس پر
پروانہ وار تصدق ہوتے ہیں۔ اور کوئی وعدہ لیتے ہیں تو یہی کہ ”اگر کبھی آپ کو
کامیابی ہو۔ تو ہم غریبوں کو اپنے دل سے نہ بھلائیں۔ اور اسی شہر (مدینہ) کو اپنا
مستقر نہ بنائیں۔ اللہ اللہ دشمن یہاں بھی چین نہیں لینے دیتا۔ آخر خدا کی شان
جلالی جوش میں آتی ہے۔ پیغمبر کو ارشاد ہوتا ہے۔ کہ دشمن کی مدافعت کر کے
اپنے حلقہ اثر کے بنی نوع انسان کی حفاظت کرے۔ پیغمبر طوعاً و کرہاً پیالہ
کی خدمت بھی انجام دیتا ہے۔ اور اسے کٹی معر کے پیش آتے ہیں۔ مگر خدا کی
مدد سے ہر جگہ کامیابی رونما ہوتی ہے۔ اور بالآخر سب سے بڑی کامیابی وہ حاصل

ہوتی ہے۔ جسے فتح مکہ کھام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور دس ہزار قندوسوں کی عمراسی والی پیشین گوئی پوری ہوتی ہے۔ اب مخالف بلا کسی قسم کے حملہ کے سر جھکا دیتے تھے۔ مگر دل میں خائف ہیں کہ خدا جانے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ قتل عام کا حکم ہوتا ہے۔ یا پھانسیاں دی جاتی ہیں۔ مگر دی تیم جو جان بچا کر جلا وطن ہونے پر بھی بیطرح ستایا گیا تھا۔ آج فاختانہ اور شانہ حیثیت سے پھر اپنے شہر میں آتا ہے۔ اذراپنی شان رحمت للعالمین اسطرح دکھانا ہی کہ ہر ایک کے قصور سے درگزر کرتا اور سخت سے سخت مجرموں کو معاف کر دیتا ہی۔ اس حجم اور جن سلوک سے تمام دشمن اور مخالف سخر ہو جاتے ہیں۔ اور صداقت کو قبول کر کے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے نعرے بلند کرتے ہیں +

پیغمبر عرب کی زندگی ان تمام واقعات کی تجدید کے مختلف افراد کو پیش آتے جامع ہے اور وہ ان تمام فضائل حسنہ کا علمی نمونہ ہے جن کا بیان قرآن کریم میں ہے۔ یونہی دنیا میں سینکڑوں مذہب گزرے اور اب بھی موجود ہیں۔ اور بعض آسمانی کتابیں بھی صحیح یا غیر صحیح حالت میں موجود ہیں۔ لیکن ہر محقق اور منصف مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن شریف جیسی مکمل شریعت اور اسکا علمی نمونہ آنحضرت کی زندگی، آج روئے زمین پر موجود نہیں۔ بقول منصف اسوہ حسنہ کہ قرآن کریم کی تعلیمات کو جب ہم آپ کے حالات ماثورہ سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم ان دونوں میں عجیب مطابقت پاتے ہیں۔ ایک طرف قرآن کریم کا کوئی حکم ایسا نہیں جس کی تعمیل آپ نے اپنی ذات سے نہ کر دی ہو۔ بالمتقابل آپ کا کوئی قول و فعل ایسا نظر نہیں آتا۔ جو قرآن مجید کے کسی نہ کسی حکم کے ماتحت نہ آ سکے۔ آپ کی زندگی دراصل کیا ہے۔ قرآن کریم کی عملی تفسیر اور قرآن اس کے مقابل میں آپ کی زندگی کی کامل تصویر۔

ہر مسلمان کو لازم ہے۔ کہ وہ آپ کے واقعات زندگی سے سبق سیکھے۔ اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کرے تاکہ نجات ہو۔

ضمیمہ اول

واقعہ معراج

قرآن شریف میں واقعہ معراج کا ذکر اس طرح آیا ہے:

(الف) سبحان الذی اسما بعدہ لیلا من
المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی
بارکنا حولہ لنویہ من آیاتنا انصحی للشیخ
البصیر ۵

پاک ہے وہ جو لگیا اپنے بندہ کو شب
مسجد الحرم سے مسجد اقصی تک، برکت
دی اسکے دود کو ہم نے تاکہ دکھلا دیں
اس کو کچھ اپنی قدرت کی نشانیاں۔

یہ شک رہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (پارہ پندرہ شروع)

آیت دوم

(ب) وجعلنا الریاء الی اربینا لک الافتنۃ
الذنا سب ۶

اور نہیں کیا ہم نے رویا جو تجھ کو گھلایا
مگر آزمائش واسطے لوگوں کے۔

قرآن کریم میں اور کہیں معراج کا ذکر نہیں آیا۔ پس ہم معراج کے متعلق
جو کچھ رائے قائم کر سکتے ہیں۔ انھیں آیات کے الفاظ پر جس کی بحث ہم
آئندہ کریں گے۔

ماں حدیثوں اور روایات میں معراج کے متعلق بہت کچھ واقعات
مذکور ہیں اور نہایت تفصیل کے ساتھ۔ مگر خیال سرسید وہ سب کے
سب اس قابل نہیں کہ بلا تنقید ان کو مان لیا جائے۔

سب سے بڑا عقدہ معراج کے متعلق پیش آگیا ہے کہ آیا وہ حالت
بیداری میں انھیں واقعات کیساتھ ہوئی۔ جو حدیثوں میں بیان ہوئے
ہیں۔ یا بصورت خواب کے روحانی۔ علمائے اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف

ہے۔ چنانچہ معراج کو بعض روحانی کہتے ہیں۔ اور بعض جسمانی ہندوستان کے متاخرین مجتہدین میں سے سرسید رحمہ بھی روحانی معراج مانتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آنحضرت کو عالم رویا میں معراج ہوئی تھی۔ وہ اس بات کے حسب ذیل ثبوت پیش کرتے ہیں:-

(۱) بخاری میں لکھا ہے کہ:-

عن ابی عباس فی قولہ تعالیٰ وما جعلنا
الرویا التی اریناک الا فتنۃ قال صی رویا
عین ایہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لیلتہ اسری بہ الی البیت المقدس (بخاری)
ابن عباسؓ نے قرآن مجید کی اس آیت کی
تفسیر میں کہ وما جعلنا الرویا ابوؓ کہا کہ یہ
ہمکھ کا رویا ہے۔ جو رسول اللہ علیہ السلام کو اس
رات دکھایا گیا تھا جب وہ بیت المقدس
کو لے جانے لگے تھے۔

اس حدیث کے الفاظ میں معراج کا عالم رویا میں ہونا بیان کیا گیا ہے
(۲) قتادہ کی روایت میں آیا ہے کہ معراج کی رات آنحضرت چیت لیے سوئے تھے
(۳) حسن کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ معراج کی رات کو
میں مقام حجر میں سوتا تھا۔

(۴) انس کی روایت میں ہے کہ آنحضرت مسجد الحرام میں سوتے تھے۔ اور
انس جب تمام واقعہ معراج بیان کر چکے ہیں تو آخر میں آنحضرت کے حسب
ذیل الفاظ نقل کرتے ہیں کہ ”پھر میں جاگ اٹھا اور میں مسجد حرام میں تھا“
(۵) اُم ہانی کی روایت میں ہے کہ ”شب معراج آنحضرت عشا کی نماز پڑھ کر
ہم میں سو رہے۔ اور فجر سے پیشتر ہم نے اُن کو جگا دیا۔“

(۶) عبد بن حمید کی روایت میں ہے کہ معراج کا حال بیان کرتے ہیں
حضرت نے فرمایا کہ ”میں سوتا تھا“ یا یہ کہا کہ میں چیت لیٹا ہوا تھا۔ یا یہ
کہ میں سونے یا جاگنے کے درمیان تھا۔“

اگر ان سب روایات کو صحیح مانا جائے۔ تو ان سے بخوبی ثابت

ہوتا ہے۔ اور شبکی گنجائش نہیں رہتی۔ کہ معراج خواب میں ہوئی۔ عالم رویا میں ہوئی۔ رومانی ہوئی۔ لیکن اگر ان سب کو شک کی نظر سے دیکھئے تو بھی اتنا ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ اس زمانہ کے مسلمان جن میں یہ تمام راوی شامل ہیں معراج کو خواب ہی مانتے تھے۔

وہ، شفا سے قاضی عیاض میں لکھا ہے:-

فذهب طائفة الى انه اسرى بالروح
وانه روي منام مع اتفاقهم ان روي
الانبياء خلقا روحا والى
هذا ذهب معاوية وحكى عن
الحسن والمنصور عنه خلافة واليه
اشهر محمد بن اسحاق (شفا)

ایک گروہ عالموں کا اس طرف گیا ہے
کہ معراج روحانی تھی اور وہ سونے میں
ایک رویا تھا۔ اسی کے ساتھ ان سب نے
اس بات پر اتفاق کیا ہے۔ کہ انبیاء کا رویا
حق اور وحی ہے۔ اور اسی بات کی طرف
معاویہ بھی گئے ہیں۔ اور حسن سے بھی
یہ روایت لگائی ہے۔ لیکن ان کی مشہور
روایت اسکے برخلاف اور اسی کی طرف
محمد بن اسحاق نے اشارہ کیا ہے +

یہ حدیث مستحضر ہے اور اس کے الفاظ سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ
صرف عالموں کا گروہ رومانی معراج کا قائل تھا۔ بلکہ حضرت معاویہ جیسے بجا
بھی یہ عقیدہ رکھتے تھے +

(۸) تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ:-

وحكى عن محمد بن جرير الطبري
في تفسيره عن حذيفة انه كان
ذلك روي. وأنه ما نقد جسد
رسول الله صلعم وإنما اسرى
بروح وحكى هذا القول ايضا

نقل لگائی ہے محمد بن طبری سے اس
کی تفسیر میں۔ کہ حذیفہ نے کہا کہ یہ (دوا تو
معراج) رویا تھا۔ اور رسول خدا کا جسم
نہیں گیا تھا۔ اور معراج صرف روحانی
تھی۔ اور یہی قول عایشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ

میں عایشہ و عن معاویہ (تفسیر کبیر) سے بیان کیا گیا ہے +
 یہ حضرت معاویہ کی دوسری شہادت ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت
 عایشہ سے معتبر روایت اور کسی کی ہو سکتی ہے۔ اور یہ وہ شہادت روحانی معراج
 کی ہیں +

(۹) معراج کا خواب اسی قبیل سے ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب نے دیکھا تھا۔ اور
 اسے معراج یعقوب کہتے ہیں۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ "پس بنجواب
 وید اینک زروبانے بزین برپاگشتہ سرش بہ آسمان سے خور و داینک فرشتگان
 خدا ازاں بہ بالا وزیر سے رفتند و اینک خداوند براں الیتادہ سے گفت من
 خداوند خدائے پدرت ابراہیم و ہم خدائے اسحاق ام۔ ایں زمینے کہ براں
 سے خوابی یو تو ویہ فدیه تو سے دهم دوزیہ تو مانند خاک زمیں گردیدہ۔ بہ مغرب
 مشرق و شمال و جنوب منتشر خواہند شد۔ اینک من باتوام الخ (سفر
 ملکون باب ۲۸ درس ۱۲) +

(۱۰) آنحضرت نے شب معراج کیا کیا نشانیاں دیکھیں "کے متعلق سرسید
 لکھتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں صرف یہی مذکور ہے کہ
 حضرت نے کچھ نشانیاں دیکھیں۔ مگر قرآن کریم کے طرز کلام پر غور کریں۔
 اور نشانوں کے لفظ کا اطلاق دیکھیں۔ تو کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں
 آیت اور آیات کا لفظ احکام پر بولا گیا ہے۔ اور "دکھلانے" کا لفظ کسی
 بات پر کامل یقین کر دینے اور ثابت کر دینے کی نسبت بولا جاتا ہے۔

(جیسا کہ آجکل کے اردو محاورہ میں جب ہمیں یہ کہنا ہوتا ہے کہ اب ہم یہ ثابت
 کرتے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ "ہم یہ دکھلاتے ہیں" مولف) پس آیت معراج
 کے ان الفاظ "لنؤیہ من آیاتنا" کے یہ معنی ہوئے۔ کہ "تاکہ یقین کرادیں
 ہم اس کو اپنے بعض حکموں پر" پس وہ نشانیاں وہی احکام تھے۔ جو عالم
 رویا میں ان کو وحی کئے گئے، آگے چلکر سید صاحب لکھتے ہیں کہ اب ہم کہ

تلاش کرنی چاہئے کہ وہ احکام کیا تھے؟ جب اسی صورت کو غور سے پڑھا جاتا ہے۔ تو آگے چلکر اسی میں حسب ذیل احکام ملتے ہیں۔ پس یہی نشانیاں ہیں جن کا اول میں ذکر آیا ہے:-

(الف) لا تجعل مع الله الهاً آخره فتقعد مذموماً مخذولاً (آیہ ۲۳)
 (ب) وقضی بک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احساناً ما یلغین عندک الکبر احداً او کلاً صلاً لقل لهما أف ولا تنہما وقل لهما تو لا کریماء۔
 مت مقرر کر اللہ کے ساتھ معبود اور پس بیٹھ بیٹھا تو درست کیا گیا طاقت میں سونپا ہوا اور حکم کیا تیرے پروردگار کے کہ پر جو مگر اس کو۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر پیغمبر تیرے نزدیک بڑا پلے کو دونوں میں سے ایک یا دونوں۔ پس مت کہ ان کو ا ف۔ اور مت

ذات ان کو اور کہہ مغزوات + آیت (۲۴)

اسی طرح دیکھو اس سورت کی آیات ۲۸-۳۱-۳۲-۳۵-۳۶-۳۷-۳۸-۳۹-۴۰-۴۱ +

اس بنا پر سرسید مرحوم فرماتے ہیں کہ آیت ۴۱ سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان احکام کی وحی خدائے تعالیٰ نے دی تھی۔ اور چونکہ یہ تمام احکام کی سورہ میں یہ لفظ وحی بیان ہوئے ہیں۔ اس لئے یقین ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت کو معراج میں انہیں آیات کا انکشاف ہوا۔ سید صاحب یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ بعض روایات بہت سی چیزوں کے ظاہر ہونے کو بیان کرتی۔ مگر وہ قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ ان میں بہت کم ایسی ہیں کہ جن کا سلسلہ آنحضرت تک پہنچتا ہے +

ایک اور مقام پر سید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تمام روایات ایسی مخالف اور متناقض ہیں۔ کہ ہم کو کوئی شخص ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک کی دوسرے سے تہقیر کر سکے +

اس قدر رکھ دینے کے بعد اب ہم دوسرے فریق کی جانب متوجہ ہوتے ہیں یعنی جو معراج رسول کو جہانی قرار دیتا ہے۔ یہ طبقہ اپنے دعوے کے استحکام میں حسب ذیل دلائل پیش کرتا ہے

۱۔ ”اسمعی“ کے معنی ہیں رات کے سفر کے پس اس کا اطلاق عالم رویا پر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عین واقعہ پر ہوتا ہے۔ اس سے معراج کا جہانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔
 ۲۔ ”بعبدہ“ یعنی بندہ کہہ سکتے ہیں۔ اتصال روح و جسم کو۔ کیونکہ انسان یعنی بندہ ان دونوں چیزوں سے مرکب ہے۔ نہ کہ صرف روح کو۔ اس واسطے معراج سے روحانی سفر مراد نہیں لیا جاسکتا۔ بلکہ جہانی مقصود ہے +

۳۔ رویا کو اصلی معنی دیکھنے کے ہیں۔ اور خواب میں دیکھنا اصطلاحی معنی ہیں۔ پس نہ ان پاک میں اول الذکر معنی مراد ہیں۔ یعنی آنکھ سے واقع میں دیکھنا نہ کہ خواب میں۔ وہ اپنی دلیل کو اور استحکام دیتے ہیں اس بات کے کہ ابن عباس کی روایت میں ”رویائیں“ آیا ہے۔ پس عین کی قیہ ظاہر کرتی ہے دراصل آنکھ سے دیکھنے پر۔

۴۔ جن احادیث میں بوقت معراج آنحضرت کا سونا بیان ہوا ہے۔ ان کے یہ معنی ہیں کہ (۱) یا تو آنحضرت معراج ہوتے وقت اس طرح پر لیٹے ہوئے ہونگے۔ جیسے کہ لوگ عموماً سونے کے واسطے لیٹ جایا کرتے ہیں۔ یعنی صرف لیٹے ہوئے نہ کہ سوتے ہوئے۔ +

یا معراج سوتے میں شروع ہوئی ہوگی پھر جاگ گئے ہونگے اور جاگنے کی حالت میں ختم ہوئی ہوگی +

۵۔ اگرچہ پارہ سہمان الذی میں آنحضرت کا مسجد اقصیٰ تک جانا بیان ہوا ہے۔ لیکن دشمن دنیٰ فتنہ لئی نکان قلب قوسین اوداتی + پھرہ قریب ہوا اور جھکتا گیا۔ حتیٰ کہ دوکانوں کی قباب۔ بلکہ اس سے بھی نزدیک آیا۔ میں بارگاہ صمدیت کے نہایت قریب ہونے کا ذکر ہے +

سرسید علیہ الرحمۃ نے جو روحانی معراج کے مؤید ہیں اُن اختلافات کو بالتفصیل دکھلایا ہے۔ جو کہ واقعات معراج کے بیان کرنے والے راویوں کے بیان میں پائے جاتے ہیں۔ سیدہ نے ثبوت کے لئے تمام احادیث نقل کر دی ہیں ہم بخیاں طوالت ان کی تفصیل نہیں کرنا چاہتے جن حضرات کو اس مسئلہ کی زیادہ چھان بین کرنی ہو۔ وہ سید موصوف کی معرکتہ الآلا کتاب ”الخطبات الاحمدیہ“ کا مطالعہ کرے۔ تاہم اختلافات کے متعلق کچھ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں +

(۱) اختلاف مقام وقوع معراج

مالک بن حصصہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ آپ اس شب ”حطیم میں تھے“ (۲) انس۔ ابوذر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ میں تھا میرے گھر کی چھت شق کی گئی۔ (۳) اُمّ ایمنی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کو معراج نہیں ہوئی۔ مگر یہ کلام شب کو میرے گھر میں تھے؟ حضرت عمر بن خطاب آنحضرت سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا۔ ”پھر میں واپس آیا خدا بہر کی طرف اور انھوں نے گردن نہیں بدلی تھی“

(۲) شروع معراج کے واقعات میں اختلاف

ایک کہتا ہے کہ حضرت حجرہ میں سوئے سوئے تھے۔ جب ریل نے آپ کی ایڑی کو حرکت دی۔ آپ بیدار ہوئے تو کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ پھر حضرت خوابگاہ کو گئے۔ اس تذکرہ کو آنحضرت نے تین بار بیان کیا۔ اور تیسری بار فرمایا کہ میرے بازو کو پکڑا اور مسجد کے دروازے تک پہنچلائے (حسن) دوسرا کہتا ہے کہ حضرت سوئے ہوئے تھے مسجد حرام میں اس واقعہ

کو بیان کیا کہ ”جاگامیں۔ اور میں مسجد حرام میں تھا۔“

تیسرا کہتا ہے کہ آنحضرت نے نماز عشا پڑھی اور ہم لوگوں میں سوئے۔
 فجر سے چلے آنحضرت نے ہم لوگوں کو جگایا پھر جب آپ نے فجر کی نماز پڑھ لی۔ اور ہم لوگوں نے بھی پڑھ لی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے ام ہانی! میں نے تم لوگوں کیساتھ عشا پڑھی۔ جیسا کہ تو نے اس میدان میں دیکھا۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا۔ وہاں نماز پڑھی۔ پھر صبح کی نماز تم لوگوں کے ساتھ پڑھی۔ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو (امہانی) وغیرہ وغیرہ

اسی طرح شوق صدر اس کے بعد کے واقعات۔ براق۔ سواری براق واقعات۔ بیت المقدس و متعلقات آن۔ خروج بیت المقدس۔ واقعات افلاک۔ سدرۃ المنتہا۔ احکام

ان دونوں فریقوں کے بیانات لکھنے کے بعد اب ہم کچھ عرض کریں گے جرات کرتے ہیں اہل نبی فہم ناقص کے مطابق بہ توفیق اللہ جل شانہ و عم نوالہ اس واقعہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امر متنازعہ فیہ یہ ہے کہ معراج آیا روحانی ہوئی یا جسمانی؟

اس عنوان کے آغاز میں جو آیات پیش کی گئی ہیں۔ ان میں آیات الف میں صرف یہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے۔ واقعی یا عالم رویا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ البتہ درحالیہ آیت یعنی (ب) میں رویا کا لفظ آیا ہے۔ اور اس سے ان لوگوں کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ جو بطور رویا معراج کے قایل ہیں۔ یعنی روحانی معراج کے۔ پس قرآن کہیم اسی قدر روشنی واقعہ معراج پر ڈالتا ہے۔ اور اسی سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ آیا یہ واقعہ اس قدر اہم ہے جس قدر اس زمانہ کے لوگ سمجھتے ہیں؟

سرسیدؒ نے معراج روحانی کے حوالہ دلائل بیان کئے ہیں۔ اور جن کو ہم

نے کسی قدر تصرف اور اختصار کیساتھ تحریر کیا ہے۔ ان کی نسبت یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ بظاہر سنجیدہ اور باقاعدہ ہیں۔

پھر اس کے مقابلہ میں دوسرے فریق کے دلائل اس پایہ کے نہیں ہیں۔ مزید براں روایات معراج شریف کا باہمی اختلاف ان کے قابل یقین ہونے کی سفارش نہیں کرتا۔ بلکہ ایک روایت دوسری کی تردید کرتی معلوم ہوتی ہے۔ ان حالات کو مد نظر رکھ کر ایک ثالث بالآخر ان لوگوں کے حق میں ڈگری نہیں دے سکتا جو ان کی محنت کئی کے دعویدار ہیں۔ لیکن میں یہاں ایک اذہبات کے عرض کرنیکی جرأت کر دینگا۔ اور وہ یہ ہے کہ سید صاحب نے جو دلائل واقعہ معراج کے عالم رویا میں واقع ہونے کے بہم پہنچائے ہیں۔ کچھ شک نہیں۔ کہ نہایت مضبوط ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ لیکن سید صاحب کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مرحوم نے یہ شخص اس واسطے کیا ہے۔ کہ مسلمانوں اور اسلام کو ان عیسائی معتزنین کے حملوں سے بچائیں۔ جو معراج جسمانی کی حیثیت سے مسلمانوں کی تضحیک کرتے ہیں۔

اِس سہ کہ روحانی معراج کے دلائل نہایت مستحکم ہیں۔ اور میری ذاتی رائے بھی اسی کی موید ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ معراج جسمانی بھی ممکن ہو۔ اور واقعہ معراج اگر درحقیقت جسمانی ہوا ہو۔ تو ہرگز کسی شخص کو اس کی تضحیک کرنیکا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ آج کل زمانہ نہایت سرعت رفتار سے آگے بڑھ رہا۔ اور حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے۔ پتنگ۔ برج۔ غبارے۔ بلیون پُرانے ہو چکے۔ اڑن کھٹولے اور بولن گو قصہ پارینہ سہی۔ لیکن ہوائی جہازوں کے وجود سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اور کوئی دن میں اگر ہی زمین و آسمان ہیں۔ تو انسان ہوا پر اُڑا چاہتا ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ خدا کے عاجز بندے۔ ناقص

عقل و حکمت والے بندے جب یہ کچھ کر سکتے ہیں۔ تو وہ خدا جو خالق و مالک ہے اکل عقول و حکم کا جو قادر ہے ہر ایک شے پر کیا اتنا بھی نہیں کر سکتا۔ کہ ایک زندہ انسان کو اپنی بارگاہ میں طلب کر کے اپنے احکام پہنچائے۔ کیا عیسائی نہیں مانتے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ اٹھائے گئے۔ اور خدا کے (یعنی اپنے) دہنے ہاتھ پر بیٹھے ہیں (ہم تو اس بات کو آج تک نہیں سمجھے پکاش کوئی خدا کا بندہ سمجھاتا)

کیا عہد نامہ حیات قدیم و جدید پر ان کا ایمان نہیں کہ جن میں سینکڑوں بگ لکھا ہے۔ خدا مرئی ہوا۔ اور فلاں پیغمبر سے ہم کلام ہوا۔ موسے کو کوہ طور پر آنیکا حکم دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ ایسے اوق اور اہم معاملات کو سمجھنے کے لئے انسان کے قلب میں مذاق روحانی کی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے ایسے معاملات کے لئے انسان اندھا ہے۔ میری رائے میں ایک مسلمان کے لئے بلا اختلاف استقد رمانا کافی ہے کہ معراج ہوئی تھی۔ عام اس سے کہ وہ روحانی ہو یا جسمانی +

بعض غیر مسلم مصنفین کی معراج کے متعلق آراء حسب ذیل ہیں۔ ایک عیسائی منصف مزاج مورخ لکھتا ہے کہ جو کچھ ہم کو اس مقام پر بیان کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ محمد (صلعم) کو اپنے بعض سرگرم پیروؤں کا ذمہ دار قرار نہیں دینا چاہئے۔ جبکہ انھوں نے اس خواب کو (جس کے ہم پلہ دوا ین کاڈی میں شاید ہی کوئی خواب ہو اور جس نے البتہ کسی قدر رنگ اس سے واہتہ اڑایا ہے۔ لیکن محمد (صلعم) اس کو ہمیشہ خواب کہتے کہتے تھاک گئے) ایک مہل اور لایینی چیز کے ساتھ بدل دیا +

شر دھے پکاش دیوجی رقمطراز ہیں : انھیں ایام میں جبکہ مکہ حضرت کی مخالفت پر تلا ہوا تھا۔ اور ہر شخص انھیں ستا تا اور ان کی ہر بات کو

جھٹلاتا تھا۔ آپ پر کشف الہی کا وہ نورانی واقعہ گزرا جسے ظاہر بینوں نے کچھ کا کچھ سمجھ کر اس میں ناحق کلام کو طول دیا۔ کسی نے کہا کہ وہ جہانی تھا۔ اور حضرت اسی جسم خاکی کے ساتھ براق پر سوار ہو کر فلک الافلاک پر تشریف لے گئے تھے۔ اور وہاں خدا نے بزرگ سے ہم کلام ہوئے اور بہشت و دوزخ کی کیفیت کو جہانی آنکھوں سے دیکھا۔ کوئی کہتا ہے کہ نہیں وہ رویا روحانی تھا۔ یعنی جو کچھ دیکھا وہ عالم روحانی کا پر توہ تھا اور بڑی گہری حقیقت رکھتا تھا۔

ابیات در نعت

تو ملایک سے عالی نبی کہتے ہیں
آپ کو فرش سے تا عرش بنی کہتے ہیں
تجھ کو آئینہ صمد بوالعجبی کہتے ہیں
اسی اعجاز کو شیریں ربی کہتے ہیں
یاں جو منکر سخن بے ادبی کہتے ہیں
جھکو شیریدائے جوان عربی کہتے ہیں
انبیا جنکو بامتی دانی کہتے ہیں
جھکو مداح رسول عربی کہتے ہیں

اگر بشر تم کو رسول عربی کہتے ہیں
مشر میں کیوں نہ ہو مطلوب نطق حاصل
کیوں نہ ہر ایک ادا آئری حق کو پسند
تیری گفتار سے اسلام ہوا شیریں کلام
انکو تہذیب سکھائینگے سفر کے شعلے
پوچھا حوروں نے تو کون تو یہ ہیں کہا
اونکے جلوہ پر کروں کیوں نہ دل جانتا رہا
اہل محشر نے جو پوچھا تو کہا جو ہر نے

عشق احمد میں پھر ونگی میں بردگن بنکر
تار ہوا نسو و نکا ہاتھ میں سمرن بنکر
رہ گئی ہند میں کجنت میں پاپن بنکر
سوت کیوں پیچھے پڑی ہے میری بیڑ بنکر
ہاں پھلو نکا پڑناؤنگی میں مالن بنکر
اہل قیامت کو یہ کام آئیگا جوشن بنکر

ابو جلاؤنگی مدینہ کو میں جو گن بن کر
خاک ہو سے پہلی بال ہوں سر کہ بھر
نہ تو میں کعبہ لگی اور نہ مدینہ پہونچی
جھکو جانے دی مدینہ میں جو نکلے ارمان
ہو کے سوا نہ صدق تری دروغہ پہ نبی
نقش احمد کا لکھوں خون جگر سے دگر

ضمیمہ دوم

واقعہ شرح صدیاشق لحدہ

واقعہ سراج کی طرح واقعہ شرح صدر پر بھی علما نے وین اسلام نے بہت کچھ طویل طویل بحث کی ہے۔ لیکن یہ بات ایک حد تک قابل افسوس ہے کہ اس کا نتیجہ ایسا نہیں ہوا کہ اس سے ایک محقق کچھ تسکین پاسکے۔ بلکہ بقول سرسید رحمہ معانی کو اور بھی تار یک کر دیا ہے +

از روئے قرآن مجید ہمارا اور ہر ایک مسلمان کا شرح صدر پر ایمان ہے۔ لیکن یہ بات کہ اس کی اصلیت کیا تھی یا کیا ہے صاف کرنے کی ضرورت ہے، قرآن کریم میں آبا ہے:-

اَللّٰہُ نَشْرَحُ لَکَ مَدَدَکَ ۝ وَ وَضَعْنَا عَنَّاکَ ۝ وَ رَزَکَ ۝ اَلَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ۝ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۝ فَانْصَحِ الْعُسْرَ لَیْسَ لَکَ اِنْ صَحَّ الْعُسْرُ لَیْسَ لَکَ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاَنْصَبْ ۝ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝

کیا ہم نے نہیں کھول دیا۔ تیرا سینہ۔ اور اتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا جس نے کڑ کالی پٹھے تیری اور اونچا کیا مذکور تیرا۔ سو اب تیرے مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے پھر جب تو فراغ ہو تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔

پہلی آیت کا ہندی ترجمہ یہ ہے۔ ایا کشادہ کر دہ ایم۔ برائے تو سینہ ترا“ اور اگر اس کا اردو ترجمہ کیا جائے۔ تو یہ ہوگا۔ کیا نہیں کھول دیا ہم نے تیرے لئے تیرا سینہ“ اگر سید صاحب اس آیت کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو نہیں کھول دیا ہے“

استدرا بیان کرنے کے بعد ہم ان روایات و احادیث کی جانب مائل ہوتے

ہیں۔ جو اس واقعہ سے متعلق ہیں +

(۱) ہنشامی حلیمہ سے نقل کرتا ہے۔ کہ اُس نے بیان کیا کہ ”ایک روز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے بھائی اور بہن (رضاعی) کے ساتھ گھر کے قریب مویشی میں کھیل رہے تھے۔ وہ دونوں دفعتاً میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ اور رو کر کہنے لگے۔ کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر لے گئے۔ اور اُن کا سینہ چاک کر ڈالا۔ میں اور میرا خاوند اس مقام پر گئے۔ دیکھا کہ آنحضرت کا مارے خوف کے رنگ فاق تھا۔ ہم نے ان کو چھاتی سے لگایا۔ اور ان کے اضطراب کا باعث پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ دو آدمی سفید پوش میرے قریب آئے۔ اور مجھ کو چیت لٹا کر میرا دل چیرا۔ اور اس میں سے کوئی چیز نکال لی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا چیز تھی؟“

(۲) ہنشامی کہتے ہیں کہ بعض علماء نے نام راوی نہیں (سند ہے) اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ بعض لوگوں نے آنحضرت سے کہا۔ کہ آپ اپنی کچھ تعریف بیان فرمائے۔ اس پر پیغمبر صاحب نے فرمایا۔ ایک دن میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ مویشی چرایا تھا۔ کہ دفعتاً دو آدمی جو سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھ میں ایک سونے کا طشت۔ برف اور پانی سے بھرا ہوا لئے ہوئے تھے۔ میرے پاس آئے۔ اور مجھ کو زمین پر لٹا کر میرے سینہ کو چاک کیا۔ اور میرے دل کو چیرا۔ اور اس میں سے ایک سیاہ قطرہ دبا کر نکال ڈالا۔ اس کے بعد انہوں نے دل کو اور سینہ کو برف سے دھو دھلا کر پاک صاف کر دیا۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ کہ اس کو ایک طرف رکھ کر اور دس آدمیوں کو دوسری جانب رکھ کر تولو۔ مگر میں دزن میں زیادہ ہوا۔ تب اس نے سو آدمیوں سے مجھے تولاد۔ اس پر کبھی میں دزن میں گراں رہا۔ اس پر ایک نے دوسرے سے کہا۔ کہ اُس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ اگر تم اسے تمام جہان کے مقابلہ

میں تو لوگے۔ تب بھی یہ کم نہ شکے گا۔

واقفی نے بھی مذکورہ بالا ہر دور و ایات کو نقل کیا ہے۔ اور کتاب شرح لہسنہ میں غریاض ابن ساریہ سے آنحضرت کے مذکورہ بالا فضائل کا بیان ہوا ہے نیز دارمی میں ابو ذر غفاری سے آنحضرت کے تولد جانے کی روایت بیان ہوئی ہے۔ سرسید ان تمام راویوں کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ علمائے اسلام ان کو محض ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ اور اس کی وجہ حسب ذیل قرار دیتے ہیں:-

۱۔ ان کے راوی نامعتبر ہیں۔ ٹھیک ٹھیک سندیں نہیں دیتے۔

۲۔ بیان میں اختلاف ہے۔ چنانچہ (الف) علیہ سعیدہ والی روایت میں برقاب۔ طشت اور دل کے دھوئے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ (ب) ہشامی کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت کا تولا جانا شق صدر کے بعد علیہ کے گھر پہ ہوا تھا۔ مگر (ج) دارمی میں جو ابو ذر کی روایت ہے۔ اس میں شق صدر کا کچھ ذکر نہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت بطحائے مکہ میں تولد گئے۔

شق صدر کے متعلق ایک روایت مسلم میں بھی آئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "انس بن مالک نے کہا کہ ایک روز جبکہ پیغمبر صاحب مکہ میں اور ان کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبرائیل ان کے پاس آئے۔ اور ان کا دل چیرا۔ اور اس میں سے ایک قطرہ نکال کر کہا کہ تجھ میں یہ شیطان کا حصہ تھا۔ تب اس کو ایک سونے کے طشت میں۔ آب زمزم سے دھویا۔ اور اس کو بہنسہ جہاں رکھا ہوا تھا۔ وہیں رکھ دیا۔ اور لڑکے بھاگ کر نہریہ "آنحضرت کی دو وہ پلائی کے پاس گئے۔ اور کہا کہ محمد (صلعم) کو مار ڈالا۔ وہ فوراً محمد کے پاس دوڑی آئی۔ اور ان کا رنگ فق پایا۔ (انس کا بیان ہے) کہ آنحضرت کے سینہ پر سیون کا نشان اٹھوں نے چشم خود دیکھا۔

مگر سرسید باوصف مسلم کو مستحبر ماننے کے ذیل کی وجہ سے اس بیان کو غلط قرار دیتے ہیں :-

آ۔ یہ مذکورہ بالا روایات سے مختلف ہے ۔

ت۔ انس نے بھی یہی واقعہ شب معراج کیساتھ بیان کیا ہے ۔ اور اس طرح ان دونوں واقعات کے زمانوں میں بہت بڑا اختلاف ہو گیا ہے +
ت۔ معلوم ہوتا ہے کہ انس سے نقل کرنے والے راوی نے انس کی اس طویل روایت میں سے جو معراج سے متعلق ہے ۔ (جیسا کہ واقعہ معراج میں بیان ہوا) ایک ٹکڑا توڑ کر اور اس میں بھی کمی بیشی کر کے بیان کیا ہے جس سے اس روایت کی بے اعتباری اور اس مضمون کا کہ سیون کا نشان انس نے خود دیکھا تھا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے +

ث۔ روایت مذکور میں آنحضرت کا سینہ چیر جانے اور اس کی سیون کا بیان ہے ۔ پس قابل غور یہ امر ہے کہ اگر سینہ مبارک بقول راوی چیرا گیا ہو ۔ تو کیا اس کے سینے کے نشان باقی رہے ہونگے ۔ کیا معجزانہ کام اور عام جراح کے کام میں اتنا بھی فرق نہ ہوتا ۔ پس سید صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے ۔ تو معجزہ کی اصلی وقعت کم ہو جاتی ہے ۔ اس واسطے یہ روایت بے اصل ہے ۔ سید صاحب کی یہ بھی رائے ہے کہ انس کے بعد کے راوی نے اس میں غلطی کی ہے ۔ جس کی تفصیل اوپر گزری +

ڈ۔ صحابہ کرام نے آنحضرت کے حلیہ کے متعلق بیشمار روایات اور حدیثیں بیان کی ہیں جن کا مجموعہ آج بھی کتاب شمایل ترمذی میں موجود ہے ۔ مگر اس سیون کا کہیں ذکر نہیں ۔ پس اگر وہ واقعی ہوتی تو اس کے نہ بیان کرنیکی کوئی وجہ نہ تھی اس سے بھی اس روایت کا بے بنیاد ہونا ثابت ہے +

ہ۔ انس اس واقعہ کے وقوع کے وقت موجود نہ تھے ۔ نہ انھوں نے ان لوگوں کے نام لکھے ۔ جن کی وساطت سے انھیں یہ واقعہ معلوم ہوا ۔ پس یہی ثبوت

ہیں اس کے غلط ہونے کے اور یہ حدیثوں کی جانچ کا عام قاعدہ ہے چنانچہ لکھا ہے کہ اگر راوی کسی ایسے واقعہ کو بیان کرے جس میں وہ خود موجود نہ ہو۔ تو وہ روایت قابل اعتبار نہیں۔ اگرچہ وہ راوی صحابہ ہی سے کیوں نہ ہو۔ مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ شرح صدر کی روایات ایسی مختلف ہیں کہ ان کی باہمی مطابقت ناممکن ہے۔ اور مصنف مواہب لدنیہ کی روایت تو بالکل ہی مختلف ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ واقعہ شق صدر پانچ بار واقعہ ہوا۔ اول علیہ دانی کے مکان پر دوم مکہ میں بعد دس سال سوم غار حرا میں۔ چہارم شب معراج۔ پانچویں ایک بار اور جس کا وقت نامعلوم بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے۔ بقول سرسید کہ ان بزرگ نے روایات مذکورہ بالا میں مذکورہ اختلاف دیکھ کر واقعہ شرح صدر کو پانچ بار ہونا سمجھا۔ اور اصابت ایک کی بھی مفقود ہے۔

سرسید لکھتے ہیں کہ صرف ایک روایت جس میں شب معراج میں شق صدر کا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اعتبار کے لائق ہو سکتی ہے۔ مگر واقعہ معراج بطور رویا کے آنحضرت پر منکشف ہوئے تھے۔ اس واسطے یہ شرح صدر کا واقعہ بھی عالم رویا میں ہی وقوع پذیر ہوا۔

شق صدر کے متعلق چند روایات (اگر وہ شب معراج کے درمیان ہوں) حسب ذیل ہیں۔ اور اس میں وہ روایت بھی شامل ہے جس کو سرسید صاحب نے قابل اعتبار بیان کیا ہے۔

ترجہ

آنحضرت نے فرمایا

اذ رتانی آفت فشق ما بین هذا الی هذا یعنی من تقرۃ تحرق الی شعثہ (قتادہ)

میرے پاس ایک آنی والا آیا اور یہاں سے بہانک چاک کر دیا۔ یہی جھنہ

کی ٹہری سے بالوں تک (قتادہ)

پس اترے جبریل اور پاک کیا میرا سینہ

فذنل جبریل فصرج صدری (ابن شہباز)

فاسخر ج قلبی ثم التبت بقلبت من ذہب مملوایما فغسل قلبی ثم حشی ثم اعید - (قنادہ)
 پس میرا دل نکالا۔ ایک طشت سونے کا لائے۔ جو ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ پھر میرے دل کو دھویا گیا۔ پھر دبا یا گیا۔ پھر ویسا ہی کر دیا گیا۔ (قنادہ)
 وفی سوايته ثم غسل البطن بماء زمزم ملی ایمانا وحکمتہ - (قنادہ)
 ایک آیت ہے کہ پھر پیٹ کو زمزم کے پانی سے دھویا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا (قنادہ)
 ثم غسل بماء زمزم۔ ثم جاع بطلست من ذہب متلی حکمتہ و ایمانہ فافزع فی صدری ثم اطبقہ (ابن شہاب) کر دیا۔ (ابن شہاب)
 پھر اس کو دھویا۔ زمزم کے پانی سے پھر ایک طشت سونے کا لایا گیا۔ جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا پس اس کو میرے سینہ میں اڈھکیلا اور پھر برابر

ناظرین اس امر کا فیصلہ خود فرما سکتے ہیں کہ سید صاحب کی مذکورہ بالا تحقیقات اور تلاش کہاں تک قابلِ داد ہے۔ و حقیقت روایات مذکورہ جس صورت میں موجود ہیں۔ وہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ اس واسطے ہم بھی یہ فیصلہ کرنے سے معذور ہیں۔ کہ آیا ان میں سے کوئی ایک بھی درست ہے۔ اور اس قابل ہے۔ کہ مان لیں۔ اس واسطے ہم قرآن شریف سے اس واقعہ کی شہادت چاہتے ہیں۔ مگر قرآن پاک میں اشارتاً یا کنایتاً بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں آیا۔ اور صرف ایک مقام پر اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ آیا ہے۔ بعض علماء اسی کو واقعہ شق الصد سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ یہ آیت کہاں تک اس فقہ سے متعلق ہو سکتی ہے۔ اس آیت کے کئی ترجمے۔ بلکہ تمام سورت کا ترجمہ ہم اس عنوان کے شروع میں دے آئے ہیں۔ اس کے معنی یہی ہیں کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ تیرے لئے۔ لیکن ان الفاظ سے سینہ کا پھیر جانا۔ قلب کا نکالا جانا۔ یا دیگر متعلقہ باتیں نہیں معلوم ہوتیں۔ بلکہ اس فقرہ کے بطور محاورہ یہ معنی ہیں کہ سینہ میں روحانی وسعت و عرفان الہی کی گنجائش غیر معمولی طور پر کر دینا۔ یا قوت برداشت اور استحکام کو قوی کر دینا پس یہ ایک

وجہ ہے کہ ہم اس آیت کو واقعہ شق الصدر سے منسوب نہیں سمجھتے۔
 اول الذکر محضوں سے اکثر علماء و مفسرین کو اتفاق ہے۔ ہمارے اس
 خیال کے موید ایک وجہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس سورت میں خدا نے
 تعالٰیٰ آنحضرت سے خطاب فرماتا ہے۔ کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ۔
 تیرے لئے۔ اور اتنا رکھا تجھ سے تیرا لوجہ۔ جس نے کڑ کاٹی تیری ٹیٹھ۔ اور بلند
 کیا تیرا ذکر البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ ہاں ضرور مشکل کیساتھ آسانی
 ہے۔ پس جب تو فارغ ہو۔ تو محنت کر اور اپنے رب کی جانب دل لگا۔
 یعنی خدا نے تعالٰیٰ اپنی توحید کے منادی کرنے والے پیغمبر سے ارشاد
 فرماتا ہے کہ تجھے ہم نے احکام بخشا۔ تیری امداد کی۔ اور تکلیف کے بعد آرام
 ملتا ہے۔

ساری سورت میں بحیثیت مجموعی غور کرو۔ اور پھر سوچو کیا اس کی پہلی
 آیت کے واقعہ کو شرح صدر کے ساتھ یعنی سینہ چیرنے۔ قلب کو بر قاب سے
 دھونے۔ اور سینہ میں ٹانگہ لگانے سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ ان امور
 سے ثابت ہوا کہ قرآن شریف میں اس واقعہ کا ذکر نہیں آیا۔

اب نہ قرآن میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ اور نہ معتبر حدیث و روایت
 میں۔ اس واسطے ان دونوں باتوں کو مد نظر رکھ کر اس واقعہ سے انکار کرنا
 شاید کسی مسلمان کے لئے مذہبی گناہ نہیں۔ لیکن سید صاحب نے جس
 بنا پر اس واقعہ سے انکار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عیسائی اس قصہ کی ہنسی
 اڑاتے ہیں۔ اس واسطے کہ سائنٹفک واقعہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نہیں خیال
 کرتے کہ اس واقعہ کو خلاف سائنس کہنے والے حق بجانب ہیں۔ کیونکہ
 دل کا چیرا جانا۔ اس میں سے کوئی شے نکالنی اور پھر جسم میں رکھ دیا جانا اور انسان
 کا زندہ رہنا خلاف سائنس نہیں گو سائنس کہتا ہے کہ اس قدر عمل جراحی کے
 بعد آدمی زندہ نہیں بچ سکتا۔ مگر حال ہی کا ایک واقعہ حسب ذیل ہے جس سے

سائنس کے اس مسئلہ کی تردید ہوتی ہے۔

صوبہ جات متحدہ امریکہ کے شہر فلاڈلفیا میں میٹھوڈسٹ ہسپتال کے ڈاکٹر ہیملٹن صاحب نے حال میں ایک نہایت حیرت انگیز اور طبی دنیا میں پہلے مچا دیئے والے عمل جراحی کیا۔ یعنی یہ کہ ایک مریض کا گردہ اس قدر خراب ہو گیا کہ اس کی جان کے لئے خطرہ پڑ گئے۔ مگر اتفاق سے مریض کے ہسپتال میں زیر علاج ہونیکے وقت ایک تندرست آدمی ایک حادثہ سے فوت ہو گیا۔ ڈاکٹر نے اس شخص کا گردہ نکال کر مریض کے خراب گردہ کی بجائے داخل کر دیا۔ اور مریض چند روز میں تندرست ہو گیا۔ (اخبار ہندوستان ۲۶ جنوری ۱۹۱۲ء)

یہ واقعہ بالکل سچ ہے۔ ڈاکٹر ہیملٹن صاحب کو پیغمبر یا صاحب معجزہ ہونیکا دعویٰ نہیں ہے۔ پس غور کرنا چاہئے۔ کہ صرف علم و عمل سے جب اس قدر بات ممکن ہے۔ تو کیا وہ خدائے قادر مطلق ایسے ایسے واقعات کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ جس کے ادا کرنے بندے جھٹیں اس کی عقل و حکمت سے کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی یہ کچھ کر سکتے ہیں۔ تو کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ عیسائیوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ جب کہ خداوند تعالیٰ کنواری مریم سے عیسیٰ کو پیدا کر سکتا ہے۔ تو وہ ایسا بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت کا واقعہ شق الصدر ہے۔ اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ نہ خلاف سائنس کہہ کر انکار کر نیکی کوئی ضرورت +

برگزیدہ ذوالجلال پاک بنی ہمتا توئی
نور چشم انبیاء چشم و چراغ ما توئی
پانہادہ بر سر ریگ بند خضرا توئی
مصطفیٰ و مجتبیٰ ہم سید اعلیٰ توئی

یا رسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی
نازنین حضرت حق صدید رکائات
در شب معراج بودی جبریل اندر رکاب
شمس تبریزی چو داند لغت تو پیغمبر

ضمیمہ سوم

غیر مسلم اہل الرائے کی رائیں

آنحضرت اور اسلام کے متعلق

گھر کی شہادت خواہ کتنی ہی صداقت مآب اور آفتاب کی طرح روشن ہو اور
خواہ کسی قدر بھی بلا طرف داری اور دروغایت کے ہو۔ تاہم یہی کہا جائے گا۔ کہ یہ اپنی
کی طرف داری ہے۔ اس لحاظ سے شاید ہمارے بعض اصحاب اس تحریر سے
اس نتیجے پر پہنچیں۔ کہ چونکہ یہ کتاب ایک مسلمان کی لکھی ہوئی ہے۔ اس لئے
زیادہ تر خوش اعتقادی اور حسن ظن پر مبنی ہے۔ اس واسطے مناسب ہو گا
اگر اس جگہ ہم ایسے اصحاب کی رائیں درج کر دیں۔ جو اگرچہ مسلمان نہیں۔
مگر چشم بینا اور دل انصاف پسند اور بے تعصب رکھتے ہیں۔

سر ولیم میور مصنف ساخنمیری آنحضرت (دبیر بان انگریزی) باوجود اُن بے بنیاد
الزامات اور دو روز کار و لا طائل دلائل کے جو آپ نے آنحضرت اور اُن کے
صحابہ کرامؓ کی ذات سے منسوب کئے ہیں اعتراف کرتے ہیں ”ابو طالب نے
اپنی مجبوری کو کفار قریش کے مقابلہ میں ظاہر کر کے محمد (صلعم) سے اعلان
حق سے باز رہنے پر اصرار کیا۔ تو آپؐ نے جواب دیا ”اگر منکرین میرے
واسطے ہاتھ پر کرہ آفتاب اور بائیں پر کرہ مانتا رہے رکھ کر مجھے امر حق کے
اعلان سے روکنا چاہیں گے۔ تو میں (واللہ) باز نہ آؤں گا۔ تا وقتیکہ مجھے
کامیابی نہ ہو۔ یا اس کوشش میں ہلاک نہ ہو جاؤں“ اسی طرح آپؐ دوسرے
موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ ”ہم صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام کی

تعلیم نے بہت سے خیالات فاسدہ کو جو جزیرہ ٹمائے عرب میں پھیلے ہوئے تھے ہمیشہ کے لئے رفع کر دیا۔ اسلام کے نعرۃ اللہ اکبر کے روبرو بت پرستی معدوم ہو گئی۔ مسئلہ وحدانیت اور خدائے پاک کی اکمل الصفات ذات اُمت محمدیہ کے لئے ایک زندہ اصول تھا جو اس کے دل میں اس طرح گھر کر گیا تھا۔ گویا یہ انھیں کا مسئلہ ہے۔ جیسا کہ لفظ اسلام ظاہر کرتا ہے۔ سب سے پہلے اس مذہب کے پیرو کو توکل اور رضا کا سبق دیا جاتا ہے۔ معاشرتی خوبیاں سبھی ان لوگوں میں کچھ کم نہیں پائی جاتیں۔ کل مکمل اخوت کی تعلیم سب کے دل میں قائم کرائی جاتی ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ یتیموں کی خبر گیری کر دو۔ غلاموں سے نرمی کا برتاؤ کرو۔ شیئات کے نزدیک مت جاؤ۔

جی۔ ایم۔ راڈ ویل۔ دو دلیوں سے ثابت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سب کام میں نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے۔ کہ لوگوں کو جہالت اور بت پرستی سے چھڑائیں۔ اور یہ کہ ان کی بیش از بیش خواہش یہ تھی کہ امر حق یعنی توحید الہی کا جوش جوان کی روح پر غایت درجہ مستولی ہو رہا تھا اس کا خوب اشتہار و اظہار کریں۔ ان کی ذات کریم اور سیرت صداقت مشحون سے ہمیشہ ان کو ان لوگوں میں تصور کرنا چاہئے۔ جن کے اخلاق اور ایمان کو اپنے ابنائے جس کے تمام امور دنیوی پر کامل اختیار حاصل ہے۔ ڈاکٹر لیسنر صاحب مین بہت ہی ادب کیساتھ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگر فی الواقع خدائے پاک کے ہاں سے جو تمام نیکیوں کا مخرج ہے۔ الہام ہوتا ہو آپ کو شک کیوں ہے مولف) تو محمد کا مذہب الہامی مذہب ہے۔ اور اگر ایشیا نفسی۔ دیانت داری۔ راسخ الاعتقلائی۔ نیکی اور بدی کی کامل جانچ اور برائی کے دور کرنے کے عمدہ ذرائع ہی الہام کی ظاہری علامات ہیں۔ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مشن الہامی تھا۔

پادری ڈاکٹر مارکس ڈیوڈ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کیا محمد کسی

طرح تہی نہیں ہے؟ بیشک ان میں دو ایسی باتیں تھیں جن سے کہ ہم پہچان سکتے ہیں کہ وہ انبیاء کے گرد سے تعلق رکھتے تھے۔ اولاً تو آپ نے خدا تعالیٰ میں اس سچائی کا نور دیکھا جس کو ان کے ہم وطن دیکھنے سے قاصر رہے۔ دوم ان کے دل میں ایک ایسی حرکت تھی۔ جو انھیں اپنی سچائی کے مستتر کرنے میں اشتغال دلاتی تھی۔“

پادری سیٹیفن صاحب ”محمد صاحب کا منشا یہ تھا کہ اپنے ہم ملک عربوں میں اپنے جہاد محمد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سپا دین از سر نو تازہ کریں جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہم ملک یہودیوں میں تازہ کیا تھا۔ اس میں وہ بخوبی کامیاب ہوئے۔“

پادری اسحاق ٹیلر۔ اسلام نے تہذیب و بشائستگی پھیلانے میں عیسائیت سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ میں اذکر کرتا ہوں کہ میں مشنریوں کے بیانات پر کسی قدر شبہ رکھتا ہوں۔ اسلام حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے دین کی تکمیل کر رہا ہے۔ یہودیت ایک قوم اور فرقہ تک محدود تھی۔ اسلام تمام دنیا کے لئے ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم میں مذہب عیسوی کے خلاف کوئی بات نہیں۔ (بلکہ تائید ہے۔ بشرطیکہ کامل توحید ہو۔ جسے قدیم عیسوی مذہب میں تھی۔ جبکہ تثلیث کا شاخسانہ نہ تھا) پادری ریلورینڈ بوسو کھ سمجھتے۔ ملک کے بادشاہ ادربی ہونکی حیثیت سے وہ ایک وقت میں سیزر اور پوپ کا سامر تہہ رکھتے تھے۔ وہ پوپ تھے لیکن پوپ کی سی دھوکہ بازی سے محروم تھے۔ وہ سیزر تھے۔ لیکن سیزر کی سی کارروائیوں سے محروم تھے۔ باقاعدہ فوج کے بغیر حفاظت کے سپاہی نہ ہونے کے باوجود۔ محل کے بغیر مقررہ خراج کے نہ ہوتے ہوئے اگر کوئی آدمی یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ آپ نے (آنحضرت نے) خدائی طاقت سے حکومت کی (جانوں پر نہیں بلکہ دلوں پر) سچی ہولناکی تو وہ مجاہد ہی تھے۔ کیونکہ ان کو یہ طاقت و حکومت سب مہیا تھی۔ لیکن تمہارا نہ تھے۔“

اڈورڈ ولکین: محمد (صاحب) کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک صاف ہے قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے بتوں کی انساں ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس محقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے۔ اور جو حادث ہے وہ فانی ہوتی ہے۔ اور جو قبل زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے۔ اُس نے اپنی محقول سرگرمی سے کائنات کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جسکی زائیدہ ہے نہ انتہا۔ نہ وہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں مقید۔ اور نہ کوئی اس کا ثانی موجود ہے جس سے اس کو تشبیہ دے سکیں۔ وہ ہمارے نہایت خفیا راہوں سے بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے۔ اخلاق اور فعل کا کمال جو اس کو حاصل ہے۔ وہ اس کو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے۔ ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا۔ اور اس کے پیروں نے ان کو نہایت مستحکم طور سے تسلیم کیا۔ اور قرآن کے مفسروں نے محقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھ ان کی تشریح اور تصریح کی۔ ایک حکم جو خدا نے قائم رکھا ہے کہ وہ اور اس کی صفات پر یقین رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکور بالا عقیدے کی نسبت پیکہ سکتا ہے۔ کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے موجودہ اور اک اور قوائے عقل سے بہت بڑھ کر ہے۔ اس واسطے کہ جب ہم نے اُس نامعلوم چیز (خدا) کو زمان، مکان، حرکت، مادہ، ہنس، اور تفکر کے اوصاف سے سبک کر دیا تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لئے کیا چیز باقی رہی۔ وہ اصل اول (خدا) جسکی بنا عقل اور وحی پر ہے۔ محمد صاحب کی شہادت سے استحکام کو پہنچی چنانچہ اس کے معتقد ہندوستان سے لیکر ہر اکونک موجد کے لقب سے ممتاز ہیں۔ اور بتوں کو مصنوعی سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا۔

مسٹر طامس کارلائل: ہم لوگوں (عیسائیوں) میں جو یہ بات مشہور ہے کہ محمد (خود کا لفظ) ایک پرفن اور فطرتی شخص اور گویا جھوٹے کے اوتار تھے۔ اور ان کا مذہب دیوانگی و عام خیالی کا ایک تودہ ہے۔ اب یہ سب باتیں لوگوں کے نزدیک

غلط فہمی جاتی ہیں۔ جو جو غلط باتیں دور اندیش اور مذہبی سرگرمی رکھنے والے آدمیوں (عیسائیوں) نے اس انسان (محمد صلعم) کی نسبت قائم کی تھیں۔ اب وہ الزام قلمًا ہماری رو سیاہی کے باعث ہیں۔ چنانچہ ایک یہ بات جو مشہور ہے۔ کہ پانچ صاحب نے جب گروٹیس صاحب سے پوچھا کہ یہ قصہ جو تم نے لکھا ہے۔ کہ محمدؐ نے ایک کبوتر کو سکھایا تھا۔ کہ وہ ان کے کان میں سے میل نکال کر تا تھا اور مشہور کیا تھا کہ وہ فرشتہ ہے جو ان کے پاس وحی لایا کرتا ہے۔ تو اس قصہ کی کیا سند ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اس قصہ کی کوئی سند اور کچھ ثبوت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ ایسے ایسے قصوں کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ جو جو باتیں اس انسان (محمد صلعم) نے اپنی زبان سے نکالیں۔ بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ آدمیوں کے لئے بمنزلہ ہدایت کے قائم ہیں۔ ان اٹھارہ کروڑ آدمیوں کو بھی اسی طرح خدا نے پیدا کیا جس طرح ہم کو پیدا کیا۔ اس وقت جتنے آدمی محمدؐ کے کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس سے بڑھکر اور کسی کے کلام پر اس زمانہ کے لوگ یقین نہیں رکھتے۔ پھر کیا ہم خیال کر سکتے ہیں۔ کہ جس کلام پر خدا نے مطلق کی اس قدر مخلوق زندگی بسر کر گئی اور اسی پر مرنے لگی۔ کیا وہ ایسا جھوٹا کھیل ہے جیسا کہ ایک بازیگر کا ہوتا ہے +

اس پر جناب سر سید رحمہ اپنی مشہور معرکتہ الآرا کتاب خطبات الامجدیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”میں استقدر اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ کروڑوں آدمی اس وقت بھی اُس پر نہایت استحکم اعتقاد سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور جن ملکوں میں اسلامی سلطنت کبھی نہیں آئی۔ اُن ملکوں کے لوگوں نے بھی اُن کی باتیں سن کر انکو قبول کیا۔ اور اب بھی کہ اس کے بانی کو دنیا سے گئے ہوئے سو اتر سو برس ہو گئے۔ ہر ایک ملک میں اور ان ملکوں میں بھی جہاں اسلامی سلطنت نہیں ہے۔ ہزاروں نئے لوگ اس پر بغیر کسی لالچ اور دھوکے کے۔ اور بغیر کسی تدبیر کرنے والوں کی تدبیر و حکمت کے ایمان لائے ہیں۔ اور اسلام

کو قبول کرتے ہیں۔ تو وہ کیا ایسا جھوٹ کھیل ہے۔ جیسا کہ ایک بازیگر کا ہوتا ہے
 نہیں بلکہ اس کے بیچ ہونے کا ہر ایک کے دل پر یقین ہوتا ہے۔
 یہ جملہ مشرطنہ تھا۔ مورخ موصوفہ مذکورہ بالا عبارت سے آگے لکھتے ہیں
 کہ ”میں اپنے نزدیک ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ بلکہ میں بہ نسبت اور
 چیزوں کے اس پر جلد یقین کرتا ہوں۔ اگر جھوٹی اور فریب کی باتیں دنیا میں
 اس قدر زور آدرہوں اور رواج پکڑ جائیں اور مسلم ٹھہر جائیں۔ تو پھر اس دنیا
 کی نسبت کوئی کیا سمجھے گا۔ اس قسم کے خیالات جو بہت پھیلے ہوئے ہیں
 بہت ہی افسوس کے قابل ہیں۔ اگر ہم کو خدا کی سچی مخلوقات کا علم کچھ حاصل کرنا
 منظور ہو۔ تو ہم کو ایسی باتوں پر ہرگز یقین نہ کرنا چاہئے۔ وہ باتیں ایسے زمانہ
 میں پھیلی تھیں۔ جبکہ توہمات کو بہت کچھ دخل تھا۔ اور انھیں توہمات کے سبب
 خیال تھا کہ آدمی کی روحیں ننگین خرابی میں پڑی ہوئی ہیں۔ جو ان کی ہلاکت
 کا سبب ہے۔ میرے نزدیک اس خیال سے کہ ایک جھوٹے آدمی نے
 ایک مذہب قائم کیا۔ اور کوئی اس سے زیادہ بد اور ناخدا پرست خیال دنیا
 میں نہیں پھیلا۔ بھلا یہ ممکن ہے۔ کہ ایک جھوٹا آدمی جو چو نہ اور اینٹ اور صم
 کی حقیقت کو سمجھ نہ جانے اور پتہ نہ لے۔ وہ مکان پتہ کا ہی ہو گا۔ بلکہ خاک کا ایک
 ڈھیر ہو گا۔ بارہ سو برس تک اس کو کب قیام ہو سکتا ہے۔ اور اٹھارہ کروڑ آدمی
 اس میں کب رہ سکتے ہیں۔ بلکہ اب تک وہ مکان کبھی کامر کے بل گر پڑا
 ہونا۔ پس ضروری ہے کہ ایک آدمی اپنے نظریوں کو قانون قدرت کے مطابق
 کرے۔ اور قدرت کے سامانوں کی حقیقت کو سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ ورنہ
 قدرت سے اس کو یہ جوبل ملیگا۔ کہ نہیں ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ جو قانون اور قواعد
 خاص ہیں وہ خاص ہی رہیں گے عام نہیں ہوں گے۔

افسوس ہے کہ کوئی شخص مثل کاگ لٹھروبا اور ایسے ہی بہت سی
 دنیا کے سر پر آوردہ لوگوں کے چند دز کے لئے اپنے فتن و فطرت سے کامیاب

ہو جاتے ہیں مگر ان کی کامیابی ایک جعلی سنڈھی کی مانند ہوتی ہے جس کو وہ اپنے نالائق ہاتھوں سے جاری کرتے ہیں۔ اور خود الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اور دوسروں کو اس کے سبب نقصان پہنچاتے ہیں مگر قدرت آگ کے شعلوں پر انیسویں ہنگاموں اور اسی قسم کے اور غضبناک ظہور میں ظاہر ہو کر یہ بات بہت قہر اور غضب سے دنیا پر ظاہر کر دیتی ہے کہ جعلی سنڈھیاں جعلی ہی ہیں؟

یہی مورخ ایک دوسرے موقع پر آنحضرت کی ذات اور کام کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ امر یقینی ہے کہ بت پرستی کا سدھم کرنا اور خدائے تعالیٰ واحد مطلق کی عبادت کی ایسے مذہب و قوم میں بنیاد ڈالنا جو انتہاء درجہ کی بت پرست ہوا اور خدا کو بھول گئی ہو حقیقت میں یہ ایسا کام تھا جس کو خود خدا نے تعالیٰ نے ہی مقرر کیا ہو؟

اس آخری فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ مورخ مذکور آنحضرت کے

منجانب الہی پیغمبر و امور ہونے کو تسلیم کرتا ہے۔

شاید اس سوا آنحضرت کے اکثر ناظرین اس بات سے واقف ہوں کہ مسلمان ہو چکے لئے خدا نے تعالیٰ کو ایک اور اس کے رسول کو برحق ماننا ہی کافی ہے۔ گویا مغوی طور پر عقیدہ ماسٹر کار لائل مسلمان ہیں؟

مصنف موصوف اپنی کتاب ”لکچر آن ہیروز“ میں تحریر کرتے ہیں کہ ”اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب پہلے ہی پہل اس کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی غریب قوم تھی۔ اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے پٹیل میں انوں میں پھرا کرتی تھی۔ اور کسی شخص کو ان کا کچھ خیال بھی نہ تھا۔ اس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کیساتھ جس پر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا۔ وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی۔ اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی بن گئی۔ اس کے بعد ایک صدی کے اندر ایک جانب خرمطہ اور ایک طرف دہلی ہو گئی۔۔۔۔۔ یہی عرب اور یہی

حضرت محمد اویسیؑ ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو ظلمت میں چھپا ہوا ایک ریگستان تھا۔ مگر دیکھو کہ اس ریگستان نے زور شور سے اوجا والی بارود کی طرح فیچے آسمان تک اٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے تاج غرناطہ روشن کر دیا ۴

چیمبرزان سانگلو پیڈریاؒ مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس میں بہت کم تغیر و تبدل ہوا ہے۔ اور جس سے اس کے بانی کی طبیعت نہایت صاف صاف معلوم ہوتی ہے۔ اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے۔ اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اخلاق سے ہے۔ نا انصافی۔ کذب۔ غرور۔ انتقام۔ غیبت۔ تنہا۔ طمع۔ اسراف۔ عیاشی۔ بے اعتباری۔ بدگمانی نہایت قابل ملامت بیان کی گئی ہیں۔ نیک نیتی۔ فیاضی۔ حیا۔ تحمل۔ صبر۔ بردباری۔ کفایت بخاری۔ سچائی۔ راستباز۔ ادب۔ صلح۔ سچی محبت۔ اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لانا۔ اور اس کی مرضی پر توکل کرنا۔ سچی ایمانداری کا رکن اور سچے مسلمان کی نشانی خیال کی گئی ہے۔ اس مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا کیا۔ لیکن اگر نہایت ٹھیک ٹھیک کہا جائے۔ تو یورپ میں علوم و فنون کی ترقی میں اسی کا حصہ تھا۔ مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرہویں صدی تک وحشی یورپ کے لئے روشن ضمیر معلّم کہہ جاسکتے ہیں۔ قدیم علم ادب ہمیشہ کے لئے بغیر کسی علاج کے منفقود ہو جاتا۔ اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اس کو پتہ نہ ملتی۔ عربی فلسفہ۔ قدرتی چیزوں کی تواریخ۔ جغرافیہ۔ علم تاریخ۔ صرف نحو۔ علم کلام اور فن شاعری کی بہت سی کتابیں پیدا ہو گئیں۔ جو نسل انسان کے بانی رہنے تک جاری رہیں گی ۵

اٹوورڈ گلبنؒ حضرت محمدؐ اپنے ملک کے لئے کیسے تھے ۶ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ”حضرت محمدؐ (صلعم) کی سیرت میں سب سے آخر جو بات غور کرنے کے لائق ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کی عظمت نشان بہبود و عوام کے لحاظ

سے مفید ہوا یا مضر ہو لوگ آنحضرت کے سخت دشمن ہیں وہ بھی اور نہایت متعصب
عیسائی اور یہودی بھی باوجود پیغمبرِ حق نہانے کے اس بات کو ضرور تسلیم کریں گے کہ
آنحضرت نے دعوائے رسالت ایک نہایت مفید مسئلے کی تلقین کے لئے اختیار کیا۔ گو
وہ یہ کہیں کہ صرف ہمارے ہی مذہب کا مسئلہ اس سے اچھا ہے۔ آنحضرت یہودیوں
اور عیسائیوں کی کتب سماویہ قدیمہ کی صداقت و پاکیزگی اور ان کے بانوں میں لگے
پیغمبروں اور معجزوں اور ایمان داری کو مذہب اسلام کی بنیاد خیال کرتے تھے۔ عرب
کے بت خدا کے تخت کے روبرو ٹوڑ دئے گئے تھے۔ اور انسانی خون کے کفارہ
کو نماز و روزہ اور خیرات سے بدل دیا جو ایک پسندیدہ اور سیدھے سادے طریقے
کی عبادت ہے (یعنی بتوں پر تسربانی چڑھانے کو بند کر کے اس کی بجائے نماز
روزہ قائم کیا) ان کے عقیدے کی جزا و سزا ایسی تمثیلوں میں بیان کی جو ایک جاہل
اور ہوا پرست قوم کی طبیعت کے نہایت موافق تھیں۔ آنحضرت نے مسلمانوں
میں نیکی اور محبت کی ایک روح ڈال دی۔ آپس میں بھلائی کرنے کی ہدایت کی۔ اور
اپنے احکام اور نصائح سے انتقام کی خواہش۔ بوجہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم
ہونے سے روک دیا۔ جو اقوام اعتقاد میں مخالف تھیں۔ آخر فرمان بردار
ہو کر متفق ہو گئیں۔ جو بہادری بہبودہ طور پر فغانگی جھگڑوں میں صرف ہوتی تھی اب
وہ نہایت مستعدی سے غیر ملک کے دشمن کے مقابلہ پر مائل ہو گئی۔

مسٹر جان ڈیولن پورٹ کی رائے حسب ذیل ہے: ”کیا یہ بات خیال میں آسکتی
ہے کہ جس شخص نے (آنحضرت نے) اُس نہایت ناپسند اور حقیرت پرستی کے
بدلے جس میں اُس کے ہموطن (اہل عرب) مدت سے ڈوبے ہوئے تھے۔ خدا کا
برحق کی پرستش تسلیم کرنے سے بڑی بڑی وایم الاثر اصلاحیں کیں مثلاً اولاد کشی
(دختر کشی) کو موقوف کیا۔ رشتہ کی چیزوں کے استعمال کو اور قمار بازی کو جس سے
اخلاق کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ منع کیا۔ اس وقت کثرت ازواج کا جو بُرا
رواج تھا۔ اُسے محدود کر کے بہت کچھ گھٹایا۔ غرضیکہ ایسے بڑے اور سرگرم مصلح

کہ کیا ہم فریضہ پڑھ سکتے ہیں؟ اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تمام کارروائیاں
 مکروہ ہیں؟ نہیں ہرگز ایسا نہیں کہہ سکتے۔ بیشک محمد (صلعم) سبزیں دلی اور
 ایسا غاری کے اور کسی سبب سے ایسے استقلال کے ساتھ اپنی کارروائی پر قائم
 نزل دلی سے جو عید کے دن سے بیان کی آخر دم تک جب کہ حضرت عائشہ کے بچنے
 میں شدت مرض سے وفات پائی مستعد نہیں رہ سکتے تھے۔ جو لوگ ہر وقت ان کے
 پاس رہتے تھے اور جو ان سے بہت رابطہ ضبط رکھتے تھے ان کو بھی کبھی انکی رہا کاری
 کا شبہ نہیں ہوا۔ اور کبھی انھوں نے اپنے نیک برتاؤ سے تجاویز کیا۔ بیشک ایک
 نیک اور صادق طبیعت شخص جس کو اپنے خالق پر بھروسہ ہو اور جو ایمان اور رحم و رنج
 میں بہت لبری اصلاح کرے۔ حقیقت میں صاف صاف خدا کا ایک آلہ ہوتا ہے
 اس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا کا نائب ہے جس طرح خدا نے قاتل کے اور دغا دار
 غلام گزے ہیں۔ اگرچہ ان کی خدمتیں کامل نہ تھیں اسی طرح محمد کو بھی ہم خدا کا ایسا
 سچا غلام کہیں نہ سمجھیں جس نے خدا نے تعالیٰ کی خدمت ایسی وفاداری سے کی۔ جیسی
 اوروں نے مگر مقابلہ اوروں کی خدمت کے پوری اور کامل تھی۔ اس بات کو کیوں
 یقین نہ کیا جائے کہ اس کو زمانہ اور اپنے ملک میں اپنی قوم کو خدا کی وصایت اور
 تسلیم سکھانے کے لئے اور انکی حالت کے مناسب ان کو ملکی اور اطلاق امور میں
 نصیحت کرنے کے لئے خدا نے بھیجا تھا۔ اور وہ راستبازی اور نیک کرداری کا وعظ
 تھا چوتھ۔ تعلیم اسلام زمانہ اور ملک کی قید سے بری ہے۔ مولف
 ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات آپ کی صاف باطنی
 پر بخوبی دلالت کرتی ہے کہ سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے وہ آپ کے دوست
 اور اہل خاندان تھے جو آپ کی عادات سے خوب واقف تھے۔ اگر ماہذ اللہ آپ فریضہ
 ہوتے تو یہ لوگ ہرگز آپ پر ایمان نہ لاتے۔ اور ان پر یہ فریب ظاہر ہو جاتا۔ حقیقت
 یہ بات کبھی ثابت نہیں ہوئی کہ محمد مسلم نے ترویج شریعت یا اثبات دعوائے نبوت
 کے لئے مکہ اور حیلے کئے یا جھوٹے معجزات دکھائے۔ مجھے اس میں شک نہیں

ہے کہ اس شخص سے جس کے آنے کی خبر اپنے بھائیوں میں لے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو دی ہے اور فارقلیط جس کی خبر عیسیٰ مسیح نے انجیل یوحنا میں دی ہے۔ محمد (صلعم) صاحبِ مراد ہیں +

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ صاحبِ موصوف صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی پیشگی نبیاں آنحضرت کے متعلق ہی تھیں نیز ایک اور موقع پر اپنی کتاب ”اپالوجی فار دی محمد اینڈ قرآن“ میں لکھتے ہیں کہ اس بات کا خیال کرنا جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے بہت بڑی غلطی ہے کہ قرآن میں جس عظیم کی تلقین کی گئی اس کی اشاعت بزدل شمشیر ہوئی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کی طبایع تصب سے خالی ہیں۔ وہ سب بلا تامل اس بات کو تسلیم کریں گے کہ حضرت محمدؐ کا دین شرعی دنیا کے لئے ایک حقیقی برکت تھا۔ اور اس وجہ سے خاص کر اس کو ان غوریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی جس کی حضرت موسیٰ کو بت پرستی کے امتیاز مل چکی تھی۔ پس ایسے اعلیٰ وسیلے کی نسبت جس کو قدرت نے بنی نوع انسان کے خیالات اور مسائل پر مدت دراز تک اثر ڈالنے کو پیدا کیا ہے گستاخانہ پیش کرنا اور جاننا مذمت کرنا۔ کیسی نواور بیہودہ بات ہے۔ جب ان معاملات پر خواہ اس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اس مذہب کے عجیب و غریب عروج و ترقی کے لحاظ سے نظر کی جائے۔ تو بجز اس کے اور کچھ چارہ نہیں ہے۔ کہ اس پر تہ دل سے توجہ کی جائے۔ اس امر میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ کہ جن لوگوں نے مذہب اسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیوں کو بقابلہ ایک دوسرے کے تحقیق کیا ہی نیز غور کیا ہے۔ ان میں سے بہت ہی کم ایسے ہیں۔ جو اس تحقیقات متحدہ کے بعد اکثر اوقات اس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقامی ہیں بلکہ اس بات کا اعتقاد کرنے پر بھی مجبور ہوئے ہیں کہ آخر کار مذہب اسلام سے انسان کو فائدہ

نہیں پہنچا

مسٹر بینٹ صاحب پینر اعظم (آنحضرت) کی جس بات نے میرے دل میں ان کی عظمت و بزرگی قائم کی ہے وہ اُن کی وہ صفت ہے جس نے اُن کے ہونٹوں سے ”الامین“ دہرائے اور امانت دار کا خطاب دلوایا۔ کوئی صفت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی بات اس سے زیادہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے قابل اتباع نہیں۔ ایک ذات مجسم صدق ہو اس کے اشرف ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ ایسا ہی شخص اس قابل ہے کہ پیغام حق کا حامل ہو۔

شروع سے پرکاش دیلوجی برصغیر کے داعی و مولف سوانح عمری آنحضرت صلعم کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلعم صاحب بانی مذہب اسلام منہلہ ان بزرگ اشخاص کے ہیں جنہوں نے قانون قدرت کے موافق جہالت اور تاریکی کے زمانہ میں پیدا ہو کر دنیا میں بہت کچھ صداقت کی روشنی کو پھیلایا۔ اور لوگوں کو روحانی و دنیاوی ترقی کا راستہ دکھایا نہ صرف ریگستان عرب کے لئے حضرت محمد صاحب کا وجود مسعود عزت و عظمت کا باعث ہے۔ بلکہ آنحضرت کی ذات سے جو فیض دنیا کو پہنچے ان کے لئے نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کو ان کا شکر گزار ہونا مناسب ہے۔ کون کون سی تخلیفیں ہیں جو اُس بزرگ نے نسل انسان کے لئے اپنے اوپر برداشت نہیں کیں۔ اور کیا کیا مصیبتیں ان کو اس میں اٹھانی نہیں پڑیں؟ عرب جیسے ایک وحشی اور کندہ ناتراش ملک کو خدا کی توحید کی تعلیم دینا اور سیدھے راستہ پر لانا ایک ایسے ہی فلسفی مزاج کا کام تھا اور آخر اسی سے انجام ہوا۔ تنگدل اور متعصب لوگ ایسے بزرگوں کی نسبت کچھ ہی کہیں۔ لیکن جو لوگ انصاف پسند اور کشادہ دل ہیں۔ وہ کبھی محمد صاحب کی اُن بے بہا خدمات کو جو وہ نسل انسان کی بہبودی کے لئے بجالائے بھلا کر احسان فرموش نہیں ہو سکتے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ پرلے درجہ کے تنگدل اور ناحق شناس ہیں۔

جس طرح دنیا میں اور بزرگ اپنے اپنے جلال اور بزرگی کا ایک حکم ستون قائم کر گئے ہیں۔ اسی طرح محمد صاحب بھی اپنی فضیلت کا ایک ایسا جھنڈا اٹھڑا

کر گئے ہیں جو ہمیشہ کے لئے اُن کی یادگار رہے گا یعنی یہی اسلام کا جھنڈا جس کے نیچے اس وقت اس دنیا کے تیرہ چودہ کروڑ آدمی پناہ گزین اور ان کے نام پر جان دینے کے لئے مستعد کھڑے ہیں ان کی نفسیت کا بڑا عالیشان نشان ہے؟
لالہ لاجپت رائے صاحب لیڈ آریہ سماج نے مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ میرے دل میں پیغمبر اسلام کے لئے نہایت عزت ہے میری رائے میں ہادیانِ دین و رہبرانِ نبی نوعِ انسانی میں اُن کا درجہ بہت اعلیٰ ہے؟

مہاراجہ سرکشن پرشا و صاحب شاو وزیر اعظم حیدر آباد وکن .

رسول اللہ کی سبکار دیکھو	مدینہ کو چلو دربار دیکھو
غلام احمد مختار دیکھو	نزدکیں گے مجھے درباں کہ ہوں میں
یہی رحمت کے ہیں آثار دیکھو	محرم رحمت للعالمین ہیں
کہ وحدت سے نہیں انکار دیکھو	خدا کو جانتا ہوں دل سے واقعہ
وہ بیشک ہیں سرے سر وار دیکھو	فدا ہوں نام احمد مصطفیٰ پر

کیا اونے سے اعلیٰ اس لئے شاو

یہ شانِ حضرت جب بار دیکھو

پندت جو الانا تھ صاحب دہلوی:-

نور احمد ہے احمد اے نگرانِ برنخ کنزِ مخفی ہے یہاں جلوہ نشانِ برنخ
یہ وہ جلوہ ہی نہیں بسترِ تجلی کا عجب چشمِ باطن ہے تو آدیکھ جہاں برنخ
پندت پر کھجودیاں صاحب لکھنوی:-

ایک افلاک پر صدتے نہیں پناز نہیں صدتے جہاں کے خوبہ قرباں زمانہ کے حسین صدتے
زمانہ میں صدتے مکانِ قابل نہیں صدتے مراد ہی نہیں ہاں ہی نہیں صدتے
دو عالم آپ پر یا رحمتہ للعالمین صدتے

چمن میں بلبلیں شیریں کلامی پر ہوئیں صدتے رخ پر نور پر زہرہ جیناں نہیں صدتے
نیاز و انکساری پر الہ العالمین صدتے لبِ جان بخش کی باتوں پہ اک ہم نہیں صدتے

سکیم اللہ صدقے عیسیٰ گردوں نشین صدقے

ضمیمہ چہارم تاریخ کعبہ

عرب کی قومی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا۔ اور اس وقت ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ شریک مال تھے قرآن کریم میں اس گھر کے بننے کی نسبت اس طرح ذکر آیا ہے کہ جب ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ کی بنیاد ڈالی تو خدائے تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ بارالہا اس گھر کو ہم سے قبول کر۔ بیشک تو اس دعا کو سنتا اور وہی نیت کو جانتا ہے۔

اس دعا کے الفاظ نیز دیگر روایات سے ظاہر ہے کہ یہ گھر یعنی خانہ کعبہ خدا کے واسطے یعنی اس کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا۔ گویا یہ ایک مسجد تھی چنانچہ کلام مجید میں خانہ کعبہ کو کئی جگہ مسجد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ابتداءً کعبہ کے گرد وہ مکانات بھی نہیں تھے۔ جو اب حرم کے نام سے مشہور ہیں پس خاص کعبہ وہی مقام ہے جو تعمیر حضرت ابراہیمؑ ہے۔

قرآن مجید میں کعبہ کی تعمیر کا زمانہ نہیں بتایا گیا صرف اس کو "بیت العتیق" (بہت پرانا گھر) کہا گیا ہے نیز اس کی نسبت کہا گیا ہے "سب سے پہلا گھر جو آدمیوں کے لئے خدا کی عبادت کرنے کو بنایا گیا۔ تاہم اگر حساب لگایا جائے۔ تو زمانہ تعمیر معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ زمانہ مال کے تاریخی حساب سے بناء کعبہ کی تاریخ تعمیر ۲۷۰۰ء دنیوی یا ۱۸۵۰ء مسیح ہو سکتی ہے۔ اور ان اعداد و شمار سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ سے پیشتر کوئی گھر خدا کی عبادت کے لئے تمام دنیا میں نہیں بنایا گیا تھا۔

حضرت ابراہیم اور ان کی تمام اولاد میں یہ رسم تھی کہ خدا کی عبادت کی جگہ پر ایک لمبا ان گھڑ پتھر بطور نشان رکھ لیا کرتے تھے۔ اور اس کو مذبح یا قربان گاہ یا بیت اللہ کہتے تھے۔ یہاں خدا کی عبادت کرتے اور اس کے نام پر قربانی کیا کرتے تھے۔ یہ رسم عرب میں آنحضرت کے زمانہ تک متواتر چلی آتی تھی بلکہ اب بھی ہے جیسا کہ حجر اسود کی موجودگی، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ کتبہ تعمیر ابراہیمی ہے۔ مذکورہ بالا قربانی وغیرہ کی رسم کا تذکرہ توریت میں بھی موجود ہے چنانچہ کتاب پیدائش باب ۱۲ درس ۷ میں لکھا ہے کہ تب خداوند نے ابراہیم کو دکھایا کہ کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا۔ اور اس نے وہاں خداوند کے لئے جو اس پر ظاہر ہوا ایک مذبح بنایا۔

علاوہ ازیں اسی باب کی آٹھویں آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پھر وہاں سے ابراہیم نے کوچ کیا۔ اور آگے جا کر پھر ایک مذبح بنایا۔ اور خدا کے نام سے یعنی خدا کے گھر کے نام سے اس کو موسوم کیا۔

اسی کتاب کے تیسریں باب کی آٹھویں آیت میں ہے کہ ”بلوستان عمری“ جو یروشلیم میں ہے۔ ابراہیم جا رہا۔ اور وہاں خداوند کے لئے ایک مذبح بنایا۔

مذکورہ بالا ہر آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تعمیر مذبح۔ اس کو خدا سے منسوب کرنا۔ اس پر قربانی کرنا طریقی ابراہیمی ہیں۔ یہ طریقہ ان کی اولاد میں جاری رہا جس کا ذکر کتاب پیدائش میں آیا ہے۔

یہ مذبح کس طرح بنایا جاتا تھا؟ اس کا جواب توریت سے ملتا ہے چنانچہ کتاب خروج باب ۲۵ میں لکھا ہے کہ اگر میرے لئے پتھر کا مذبح بنائے تو تراشے ہوئے پتھر کا نہ بنائیو۔ کیونکہ اگر تو اسے اوزار لگائیگا۔ تو اسے ناپاک کر دئیگا۔

اسی کتاب کے باب ۲۴ درس ۴ میں لکھا ہے کہ ”اور موسیٰ نے خداوند کی ساری باتیں لکھیں۔ اور مذبح کو سویرے اٹھا اور پہاڑ کے نیچے ایک مذبح بنایا اور اسرائیل کے بارہ سبطوں کے موافق بارہ ستون بنائے گئے۔“

اور کتاب پیدائش باب ۲۸ درس ۱۸-۱۹-۲۳ میں لکھا ہے کہ متقیوب صبح سویرے اٹھا اور اس پتھر کو جسے اس نے اپنا تکیہ کیا تھا لے کے سنتوں کی مانند کھڑا کیا۔ اور اس کے سر پر تیل ڈالا۔ اور اس مقام کا نام بیت ایل (بیت اللہ) رکھا اور کہا کہ یہ پتھر جو میں نے سنتوں کی مانند کھڑا کیا خدا کا گھر ہوگا۔
 غرض مذبح بنانے کا طریق یہ تھا کہ کبھی تو صرف اُن گھڑ پتھر کھڑا کر دیا کرتے تھے۔ اور کبھی اس کے ساتھ مکان بھی تعمیر کر دیا کرتے تھے یہی حالت کعبہ اور حجر اسود کی ہے۔ جو ایک اُن گھڑ طویل پتھر ہے۔ اولاً حجر اسود کو کھڑا کیا تھا۔ بعد ازاں جب تعمیر کچھ عمل میں آئی تو اس کے ایک گوشہ میں اس کو لگا دیا گیا۔
 دیگر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مثل بنی اسرائیل کے بنی اسمعیل کا بھی یہی طریق عبادت تھا۔

بت پرستی کا آغاز اخبار کہ میں لکھا ہے کہ ”بنی اسمعیل وجریم کہ میں رہتے تھے جب وہاں اُن کی گنہائیں نہ رہی۔ تو وہ ملک میں نکلے اور وحاش کی تلاش میں لگے ہو گئے پس لوگ خیال کرتے ہیں کہ ابتداءً پتھر کا پوجنا بنی اسمعیل میں اس طرح شروع ہوا کہ جب اُن میں سے کوئی مکہ جاتا۔ تو حرم کے پتھروں میں ایک پتھر اٹھا لیتا۔ حرم کو بزرگ سمجھ کر اور مکہ و کعبہ کے شوق میں جہاں اُترتے تو اس پتھر کو رکھ لیتے اور اس کے گرد مثل کعبہ کے طواف کرتے پتھر اُس کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔ کہ جو پتھر اچھا دیکھتے اور جو حرم کا پتھر عجیب اور خوشنام معلوم ہوتا اس کی عبادت کرتے۔ اسی طرح پشتوں پر پشتیں گزر گئیں اور انکی نسلوں نے رفتہ رفتہ اصلی بات کو بھول کر ابراہیم و اسمعیل کے دین کو بدل دیا۔ اور بتوں کی پرستش کرنے لگے۔
 حجر اسود صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود کو حضرت ابراہیم نے کوہ اوقبیس سے اٹھا کر ایک مقام پر بطور قربان گاہ کے کھڑا کیا۔ اور اس کے بعد کے زمانہ میں اس پر مکان بنایا۔ نیز یہ پتھر دوبارہ آتشزدگی میں جلنے کی وجہ سے سیاہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایک بار زمانہ جاہلیت میں آگ اس طرح پر لگی۔ کہ ایک عورت خوشبو

بلارہی تھی اتفاقاً وہ آگ پر وہ میں لگ گئی۔ اور اس طرح تمام خانہ کعبہ میں آگ لگ جانیسے وہ پتھر سیاہ ہو گیا۔ اور اسوجہ سے اس کا نام ہی سنگ اسود ہو گیا۔

اس کے بعد خدا پرستی کے زمانے میں بھی یعنی بہداسلام ابن زبیر کے زمانہ میں خانہ کعبہ میں آگ لگی۔ اور سنگ اسود ٹوٹ کر تین ٹکڑے ہو گیا۔ اس واسطے ابن زبیر نے اس کے گرد پانڈی کا چوٹھا چڑھوا دیا تھا۔

سنگ اسود کعبہ میں لگانے سے مقصود یہ تھا کہ اس مقام سے طواف شروع کیا جائے۔ گویا ختم ہو کر ایک نشانی تھی۔ چنانچہ کتاب اخبار مکہ میں مرقوم ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو مکہ ہوا کہ خدا کا گھر بنائے۔ اور جب وہ بناتے بناتے اس مقام پر پہنچے جہاں اب سنگ اسود ہے۔ تو انھوں نے اسمعیل سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ۔ تاکہ وہ لوگوں کے لئے ایک نشانی ہو۔ اور اسی سے طواف شروع کیا۔ اور وہ ایک پتھر لائے۔ ابراہیم نے اس کو پسند نہیں کیا پھر ابراہیم کو یہ پتھر مل گیا۔ تو انھوں نے اسمعیل کے اس سوال کے جواب میں کہ یہ پتھر کہاں سے آیا کہا کہ اس نے دیا جس نے تیرے پتھر کے بھر دسہ پر مجھے نہیں رکھا۔

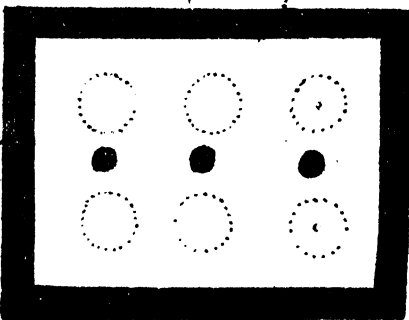
مقتدر باللہ ابو الفضل جعفر ابن مقصد کے عہد میں جو ۹۲۰ھ میں خلیفہ ہوا تھا۔ قرامطہ حجر اسود کو کعبہ سے اکھاڑ کر لے گئے۔ مگر کچھ مدت بعد پھر لے آئے۔ کعبہ بیت العتیق ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ خانہ کعبہ وہی پیرانا مسجد ہے۔ جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں پڑی اور جس سے پہلے کوئی مسجد خدا کی عبادت کے لئے دنیا میں نہیں بنی اور اس کے بہت سے ثبوت ہیں۔ (۱) عرب کی ملکی و قومی روایتوں سے یہ بات ثابت ہے۔ (۲) غیر مذاہب کے مورخین و محققین نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ سٹرگین کعبہ کی صحیح تدبیر سے عیسوی سے قبل مانتے ہیں اور تحریر کرتے ہیں کہ ساحل بحر احمر کے ذریعہ کنایو دوس یونانی مورخ نے تھیبویت اور مسین کے بیان میں ایک مشہور مسجد بنی کہہ کا ذکر کیا ہے۔ جس کے اعلیٰ درجہ کے تقدس کی تمام اہل عرب تعظیم کرتے تھے۔ اور

یہ نہایت قدیم زمانہ حضرت ابراہیم کا زمانہ ہے۔ (۳) تمام اہل عرب ہر زمانہ میں آج
حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل سے منسوب کرتے رہے۔
تعمیر کعبہ۔ خانہ کعبہ موجودہ حالت میں یعنی جیسا کہ اب ہے کئی ان تعمیروں کا
مجموعہ ہے۔ جو وقتاً فوقتاً عمل میں آئیں۔ اس واسطے ذیل میں ان تعمیروں اور ان
کے تعمیر کنندوں کی تاریخ درج کی جاتی ہے۔

تعمیر ابراہیم۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کعبہ کے سب سے پہلے معمار حضرت ابراہیم
اور حضرت اسمعیل تھے۔ انکی تعمیر کی کیفیت کتاب اخبار مکہ میں حسب ذیل ہے:-
حضرت ابراہیم نے بیت اللہ بنانے کو پہاڑ کی گھاٹی میں جہاں اس قسم کی عمارات
بنانے کو بالطبع جگہ پسند کی جاتی ہے۔ جگہ منتخب کی۔ اور اس کی زیادہ تر وجہ
یہ تھی کہ یہ جگہ چشمہ زمرم کے نہایت قریب تھی۔ وہاں انھوں نے حضرت اسمعیل
کی شرکت سے کعبہ (مسجد) بنایا۔ کتابوں میں اس کا ارتفاع نو درہ (۹ گز)
اور ایک طرف کا عرض بیس اور ایک طرف کا بائیس اور ایک جانب کا طول
اکتیس اور ایک طرف کا بائیس لکھا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس
زمانہ میں کسی مسکن کا مساوی الاضلاع ہونا ضروری نہ سمجھا جاتا تھا۔

پہلی مذکورہ بالا کے مطابق ذیل میں نقشہ خانہ کعبہ درج ہے۔ جس سے
عمل ہیئت ذہن نشین ہو سکے گی:-

۲ گز



دائیں جانب جو حصہ

نقطوں میں محصور ہے

وہ بھی حضرت ابراہیم

کے وقت میں داخل

خانہ کعبہ تھا۔ مگر قریش

نے تعمیر کے وقت (جگا)

فراگے آگے اس قدر چھوڑ دیا تھا اس نقشہ کے اندر نقطہ دار ملحقہ وہ ستون ہیں

جو قریش سے قائم کئے۔ مگر اب وہ موجود نہیں ہیں۔ اور سیاحانہ رُتوں سے وہ ستون نمایاں کئے گئے ہیں جو عبد اللہ بن زبیر نے قائم کئے تھے۔ غرض کہ نقشہ کا سیاہ حصہ خانہ کعبہ کا موجودہ احاطہ ہے۔

خانہ کعبہ میں ابتداء دیواریں ہی دیواریں تھیں۔ چھت یا سائبان وغیرہ بالکل نہ تھا۔ دروازہ زمین کے برابر اور زمین سے ملا ہوا تھا۔ اُس میں نہ کواڑ تھے نہ کندی۔ اور اس زمانہ کی یہی طرز تعمیر تھی۔ اس سے زیادہ فن تعمیر نے ترقی نہیں کی تھی۔ اس عمارت کے ایک سر دنی گوشہ پر طواف کے شمار کرنے کو ایک لمبا پتھر لگا دیا گیا تھا۔ یہی سنگ اسود تھا۔ اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کھودا گیا تھا۔ اور اس کو خزانہ کہتے تھے۔ خانہ کعبہ میں آئی ہوئی نذر و نیاز اس میں محفوظ رکھی جاتی تھی۔

تعمیر بنی جبرہم حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت اسمعیلؑ اُن کے جانشین ہوئے۔ اور جب انھوں نے بھی وفات پائی۔ تو بنی جبرہم جو ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اور بنی اسمعیل کے مرتبی خانہ کعبہ کے متولی مقرر ہوئے۔ چنانچہ خانہ کعبہ کے اختیارات مضاض ابن عمر جبرہمی (جو حضرت اسمعیل کی بیوی کے والد تھے) کے ہاتھ میں آ گئے۔ اسی زمانہ میں ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ یعنی ایک پہاڑی نالہ آیا جس سے خانہ کعبہ تک پانی چڑھ گیا۔ اور اس سے عمارت کچھ سمار ہو گئی۔ مگر بنی جبرہم نے فوراً تعمیر شروع کر دی۔ اور اس کی بنائیں بنیادوں پر رکھی جن پر حضرت ابراہیمؑ نے عمارت بنائی تھی۔ الغرض عمارت اسی طرح کی بن گئی۔ مگر اب کے اس قدر بات زیادہ ہوئی کہ سطح زمین کو گز بلند رکھی گئی۔ تاکہ خانہ کعبہ سیلاب وغیرہ کی آفات سے محفوظ رہے۔

تعمیر عمالیق تعمیر بنی جبرہم کے بعد پھر اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ کہ عمارت کعبہ منہدم ہو گئی۔ اور اس کو قوم عمالیق نے پھر بنایا۔ عمالیق ایک قبیلہ تھا۔ عرب العرب کا اور اس نے بنی جبرہم پر غلبہ پایا تھا۔ اس واسطے اہتمام خانہ کعبہ اس کے

قبضہ میں تھا۔ یہ لوگ سہ عیسوی سے ایک سو سال پیشتر مکہ پر قابض تھے۔ اور اسی زمانہ میں انھوں نے مذہب بادشاہ سے سخت لڑائی لڑی تھی۔

تعمیر قصی تعمیر عمارت کے بہت مدت بعد کعبہ کی عمارت میں خدا جانے کس سبب سے نقص آیا۔ پس اس وقت قصی ابن کلاب نے اسے تعمیر کیا۔

یہ زمانہ ٹھیک تحقیق نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ تحقیق ہے کہ قصی آنحضرت سے چھ پشت پیشتر تھا۔ اس واسطے آنحضرت کی ولادت سے تقریباً دو سو سال پیشتر کا یہ واقعہ ہو گا۔

تعمیر قریش جب آنحضرت کا سن شریف تیرہ چودہ سال کا تھا۔ اس وقت غلاف کعبہ میں آگ لگی۔ اس سے نہ صرف غلاف کو ہی نقصان پہنچا بلکہ آگ کے زیادہ بھڑک جانے سے دیواریں کئی جگہ سے پھٹ گئیں۔ اور بالکل سیاہ ہو گئیں۔ اور یہ مکان بحیثیت مجموعی نہایت کمزور ہو گیا۔ جس کے گرجانے کا ہر وقت اندیشہ لگاتا تھا۔ دوسرا حادثہ یہ ہوا کہ پہاڑی نالہ مثل سابق کے چڑھ آیا۔ خانہ کعبہ کے اندر پانی بھر گیا۔ اور اس نے دیواروں کی بنیادیں ہلا دیں۔ اس واسطے قریش کو کعبہ کے از سر نو تعمیر کرنے کی فکر ہوئی۔ کیونکہ اس وقت وہی شولی تھے۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ قریش فن تعمیر سے بہت ہی کم واقف تھے۔ اس واسطے وہ اس عمارت کی تعمیر کے لئے شمش و منج میں تھے۔ کہ خوش قسمتی سے رومی عیسائیوں کا ایک جہاز بندر گاہ شعیب میں آکر ٹوٹ گیا۔ ان لوگوں نے اس کی لکڑیاں فروخت کر دیں۔ جو شاید خانہ کعبہ کے لئے خریدی گئیں۔ علاوہ ازیں ان لوگوں میں ایک انجینیر بھی تھا۔ اس نے بھی تعمیر میں مدد دی۔ الغرض تجدید عمارت کی صلاح پختہ ہو گئی اور اس کے لئے چندہ جمع ہونے لگا۔

اب سب لوگ لکڑی پھر ڈھونڈنے میں مصروف تھے۔ اور آنحضرت بھی اس کار خیر میں شریک تھے۔ اگرچہ آنحضرت کا سن ابھی کم تھا جب یہ کام ہو چکا۔ یعنی تعمیر کا سامان اکٹھا ہو گیا۔ تو اب یہ شکل پیش آئی کہ کعبہ کون ڈھائے؟ خدا

جانے خدا ملے گھڑوایا نوالے پر کیا آفت آئے؟ یہ خیالات تھے جن سے قریش ڈرنے جاتے تھے۔ آخر ولید ابن مغیرہ نے دل کڑا کر کے کہا میں بوڑھا تو ہوں ہی۔ اگر میرا کیا ہے۔ یہ کہہ کر باقی دیواریں کدال سے گرانے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی شریک ہو گئے۔ اور جلد کام ختم کر دیا۔

اب موجودہ سامان و مصالح کا اندازہ کیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ نا کافی ہے۔ شاید لکڑیاں کم تھیں جن کو چھت پر ڈالنا تھا۔ اس واسطے تجویز ہوئی کہ کعبہ کو اصل مارت سے چھوٹا کر کے بنائیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے چھ گز اور ایک بالشت زمین حجر کی جانب چھوڑ دی۔ اور اس طرف عرض میں ایک جدید بنیاد کھود کر عمارت جن لی۔ جو نقشہ میں سیاہ دکھائی گئی ہے +

اب کعبہ کی کرسی چار گز بلند رکھی گئی۔ اور اسی قدر بلندی پر دروازہ بنایا گیا تاکہ سیلاب کا پانی اندر نہ جاسکے۔ نہ بغیر سیڑھی کے کوئی شخص اندر داخل ہو سکے۔ جب عمارت بن گئی۔ اور سنگ اسود لگانے کی نوبت آئی۔ تو اس بات پر تفرقہ پیدا ہوا کہ اسے کون لگائے۔ ہر ایک قبیلہ اپنے لئے یہ اعزاز طلب کرتا تھا۔ مگر یہ مسئلہ حضرت کے ہاتھوں نہایت سہولت سے طے ہو گیا۔ جیسا کہ ناظرین انحضرت کے حالات زندگی میں پیچھے پڑ چکے ہیں۔ غرض اس قضیہ کے طے ہو جانے کے بعد پھر تعمیر شروع ہوئی۔ اب اس کی بلندی دو چاند کر دی گئی۔ یعنی زمین سے اٹھارہ گز بلند حالانکہ پہلے صرف ۹ گز ہی بلند تھا +

دیواروں کی تعمیر کے بعد عیسائی معماروں نے دریافت کیا کہ چھت گول ہے یا سیدھی یا بنگلہ نما۔ اہل عرب نے کہا کہ چورس ہی رہے۔ اس واسطے اس میں چھ ستون قائم کئے گئے۔ اور چورس چھت بنادی شاید ستون اس واسطے ڈالے ہوں کہ شہتیر کے لئے لمبی لکڑی میسر نہ آئی ہو۔ اور شاید یہ وجہ سے معمار بنگلہ نما چھت بنانیکو کہتے تھے۔ غرض چورس چھت بن گئی۔ اور اس کا پرنا لہ اس جگہ پر ڈالا گیا۔ جو جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ اندر ایک چھلی زمین چھت تک بنا دیا۔

نیز چھت میر ایک روز نڈان رکھا۔ اور اس سے دو فائدے مد نظر تھے۔ ایک تو روشنی آتی تھی۔ اور دوسرے چھت پر چڑھ سکتے تھے۔

سواویہ ابن ابی سفیان کے بعد جب یزید خلافت کا تختی اور تعمیر عبد الدین بن زبیرؓ اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ تو عبد الدین بن زبیر نے اس کے ادعائے خلافت کو تسلیم نہ کیا۔ جسکی وجہ سے حصین بن زبیر کو یزید نے فوج دیکر مکہ پر چڑھائی کے لئے بھیجا۔ کئی روز تک عبد الدین بن زبیر سے مقابلہ ہوتا رہا۔ عبد الدین بن زبیر کے سب لوگ کعبہ کے گرد خیول میں پڑے ہوئے تھے۔ اور حصین کو وہ قبیس سے گوہن میں رکھ کر تھرا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے غلاف کعبہ بچھٹ گیا۔ نیز آگ ایک خیمہ میں لگ جسنے کی وجہ سے کعبہ میں بھی جا لگی۔ کیونکہ اسوقت ہوا تیز چل رہی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام خانہ کعبہ جل گیا۔ چونکہ دیواروں میں زیادہ لکڑی لگی تھی۔ اس واسطے اب اس کی یہ حالت تھی۔ کہ جانوروں کے بیٹھنے سے بھی دیواریں جلنے لگتی تھیں۔ نیز کئی جگہ سے دیواریں شق بھی ہو گئی تھیں۔ یہ واقعہ ۳ ربیع الاول ۶۰ھ کا ہے۔ اس کے دس گیارہ روز بعد یزید مر گیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع کعبہ میں پہنچی۔ تو ابن زبیرؓ حصین کے پاس پیغام بھیجا کہ دیکھ کعبہ جل گیا۔ اور یزید بھی مر گیا۔ پھر اب لڑائی کیسی! خدا جانے نیا خلیفہ کیا کرے۔ یہ پیغام سن کر حلاؤد ۵ ربیع الثانی ۶۰ھ کو شام واپس چلا گیا۔ اس کے چلے جانیکے بعد ابن زبیر نے سرداران قریش کو جمع کر کے تعمیر کعبہ کے متعلق مشورہ کیا۔ اور کہا کہ اس عمارت کو جس کا ہونا ہونا برابر ہے۔ منہدم کر دیا جائے۔ مگر یہ ایک بڑی ٹیڑھی بات تھی۔ کیونکہ اب بھی لوگ اس خیال پر جمے ہوئے تھے۔ کہ خانہ خدا ڈالنے والے پر آفت آنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے تعمیر کا کام رک رہا تھا۔ آخر ابن زبیر نے خود کدال لیکر پہلے کام شروع کیا۔ یعنی اوپر چڑھ کر دیواریں اڑھیریں۔ پھر تو اور لوگ بھی اس کام پر لگ گئے۔ اور بہت جلد اس کو ختم کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰ ربیع الاول ۶۰ھ کا ہے۔ اخبار مکہ میں لکھا ہے۔ کہ ان ایام میں ابن عباس مکہ میں نہ آئے کیونکہ انہما

کعبہ شاید ان کے خلاف طبع تھا۔ مگر ابن زبیر نے ان کے پیغام کے موافق کعبہ کے چاروں طرف تختہ بندی کرا کے چوبی دیواریں کھڑی کرا دیں۔ اور ان کے اوپر کپڑا منڈھ دیا۔ اس طسوج اندر کام بھی ہوتا رہا۔ اور باہر لوگ طواف بھی کرتے رہے +

اب ابن زبیر نے اُس بنا کو چھوڑ کر جس پر قریش نے تعمیر کی تھی حضرت ابراہیم کی بنیادوں کو نکلوا کر ان پر عمارت بنوانی شروع کی۔ اور ایک عمدہ تجویز آؤر کی کہ دو دروازے ایک جانب شرق و دوسرا جانب غرب رکھا۔ تاکہ مشرقی دروازہ قدیم سے لوگ داخل ہو کر دوسرے سے نکل سکیں +

زمین کی جو کرسی قریش نے باقوم کی صلاح سے رکھی تھی۔ اُسے بھی اڑا دیا اور دروازوں کو بھی زمین پر قائم کیا۔ مگر دیواروں کی بندھی اب پیشتر سے کٹی گز بڑھا کر ستائیس گز کر دی۔ جو لمبائی کے لحاظ سے نہایت مبوزوں ہو گئی نیز ایک تبدیلی کی گئی کہ قریش کے چھ ستونوں کی بجائے ابن زبیر نے صرف تین ستون رکھے۔ کیونکہ اب لمبے شہتیر مل گئے تھے۔ حجر اسود بدستور لگا دیا گیا +

تعمیر حجاج بن یوسف : عبدالملک ابن مروان نے اپنی خلافت کے زمانہ میں عبداللہ ابن زبیر کے مقابلہ کے لئے مکہ کو فوج بھیجی۔ اس کا سپہ سالار

حجاج بن یوسف تھا اس محرکہ میں عبداللہ ابن زبیر شہید ہوئے۔ حجاج شہر مکہ پر قابض ہو گیا۔ اور اس نے عبدالملک کو لکھا کہ ”مناہ کعبہ میں ابن زبیر نے ایسی چیزیں بنادی ہیں۔ جو پہلے نہ تھیں۔ منجملہ ان کے ایک نیا دروازہ بھی بنا دیا ہے۔ عبدالملک نے فوراً لکھ دیا۔ کہ عبداللہ کی زاید تعمیر کو گرا دو۔ اور جدید دروازہ کو بھی تینہ کرا دو۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں حجاج نے چھ گز اور ایک بالشت کعبہ کو توڑ دیا۔ اور قریش کی بنیاد پر وہاں دیوار بنادی۔ نیا دروازہ تیغاً کرا دیا۔ باقی عمارت بدستور رکھی چنانچہ اس وقت جو عمارت موجود ہے۔ وہ مذکورہ بالا ترمیم کے علاوہ ابن زبیر کی تعمیر ہے نیز مشرقی دروازہ کی چار گز اور ایک بالشت اونچائی اور کعبہ کے اندر کی سیڑھیاں اور اس کے اندر روشن دان بھی تعمیر حجاج ہے۔ بعض راویوں کا بیان ہے۔ کہ ابن زبیر

کتاب طبع پیری

گلستان مسرت فارسی

یہ قابل قدر کتاب عرصہ تقریباً ۶۰ سال کا ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں فارسی کے مشہور اساتذہ کے کلام میں سے منتخب اشعار تقریباً ۳۰ مختلف عنوانوں کے تحت میں جمع کئے گئے ہیں شائقین علم ادب، مقررین، مولفین و مصنفین کے لئے یہ کتاب غذائے روح ہے۔ اب کہنی نے اس کو عمدہ لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اہتمام سے دوبارہ طبع کر نیکا ارادہ کیا ہے۔ ضخامت کتاب کی تقریباً ۶۰۰ صفحہ ہو۔ اور پہلی قسم رقبت پر شائع ہوئی تھی۔ مگر اب نایاب ہے۔ اس کتاب کی قیمت چار روپیہ رکھی جائیگی۔ جو صاحب درخواست خریداری منعقد قیمت نقد بھیجے ان کو صرف سے کریں۔ دی جائیگی۔ صرف ڈھائی سو درخواستوں کے آئے پر کتاب چھپوانی شروع کر دی جائیگی۔

گلستان مسرت اردو

فارسی کتاب کی عہدگی اور فوائد کو دیکھ کر کہنی نے ایک کتاب اسی طرز پر اردو شعراء کے کلام سے انتخاب کر کے شائع کر نیکا ارادہ کیا ہے کیونکہ بفضل خدا اب اردو زبان ملک میں بہت ترقی کر گئی ہے۔ اور تحریر و تقریر میں ہر وقت شعر کے کلام سے سدا نیکار و راج رو بہ ترقی ہے۔ ایک استاد فن کو اس انتخاب کے کام پر مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور امید ہے کہ چند ماہ بعد یہ کتاب نہایت حسن و خوبی سے شائع ہوگی۔ ضخامت اس کتاب کی چار یا پانچ سو صفحہ ہوگی اور قیمت بلحاظ کثرت اخراجات و لاگت ۱۳ روپہ روپیہ کے درمیان رکھی جائیگی۔ لیکن اگر شائقین خریداری جلد جلد درخواستیں بھیج کر اس کی کثیر اشاعت کا یقین دلایں۔ تو یقیناً قیمت میں تخفیف ہو جائیگی۔ جو صاحب درخواست کے ساتھ پہلی قیمت بھیجے ان کو صرف دو روپیہ میں یہ نسخہ و نادر کتاب دی جائیگی قیمت کی باقاعدہ رسید ملے گی۔

تھیں۔

کتاب طبع فاری

گلستان مسرت فارسی

یہ قابل قدر کتاب عرصہ تقریباً ۲۰ سال کا ہوا طبع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں فارسی کے مشہور استاد کے کلام میں سے منتخب اشعار تقریباً ۳۰ مختلف عنوانوں کے تحت میں جمع کئے گئے ہیں شائقین علم ادب، مقررین، مولفین و مصنفین کے لئے یہ کتاب غذائے روح ہے۔ اب کہنی نے اس کو عمدہ لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اہتمام سے دوبارہ طبع کر نیکا ارادہ کیا ہے۔ ضخامت کتاب کی تقریباً ۷۰ صفحہ ہو۔ اور پہلے نمبر قیمت پر شائع ہوئی تھی۔ مگر اب پایا ہے۔ اس کتاب کی قیمت چار روپیہ رکھی جائیگی۔ جو صاحب درخواست خریداری نقد قیمت نقد بھیج دئے ان کو صرف سے رہیں دیجا جائیگی۔ صرف ڈھائی سو در خواستوں کے لئے ہر کتاب چھپوائی شروع کو بچا

گلستان مسرت اردو

فارسی کتاب کی عمدگی اور فوائد کو دیکھ کر کہنی نے ایک کتاب اسی طرز پر اردو شعراء کے کلام سے انتخاب کر کے شائع کر نیکا ارادہ کیا ہے کیونکہ بفضل خدا اب اردو زبان ملک میں بہت ترقی کر گئی ہے۔ اور تحریر و تقریر میں ہر وقت شعر کے کلام سے مستلانیکار رواج و بہتری ہے۔ ایک استاد فن کو اس انتخاب کے کام پر مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور امید ہے کہ چند ماہ بعد یہ کتاب نہایت حسن و خوبی سے شائع ہوگی۔ ضخامت اس کتاب کی چار یا پانچو صفحہ ہوگی اور قیمت بالفاظ کثرت اخراجات و لاگت ۱۲ روپہ روپیہ کے درمیان رکھی جائیگی۔ لیکن اگر شائقین خریداری جلد جلد درخواستیں بھیج کر اس کی کثیر اشاعت کا یقین دلائیں۔ تو یقیناً قیمت میں تخفیف ہو جائیگی۔ جو صاحب درخواست کے ساتھ پیشگی قیمت بھیج دئے ان کو صرف دو روپیہ میں یہ مفید و نادر کتاب دیجا جائیگی قیمت کی باقاعدہ رسید ملے گی۔

ہلال ٹریڈنگ کمپنی پبلشر ٹریڈ لاہور

علاج الطيور

بالتصویر

پچھلے مرغی اور دیگر پالتو پرندوں میں مثل بطن۔ فیل مرغ۔ کبوتر۔ تیتڑ وغیرہ کی پرورش۔ فصل کشی۔ بچوں کے رکھ کھاؤ۔ بیماریاں۔ ان کے اسباب و علامات علاج وغیرہ کے متعلق ایک ڈیٹیلیری گریجویٹ کی تازہ تصنیف جو اس فن کی بہت سی انگریزی۔ کتابوں۔ رسالوں اور پرنٹسروں کی اردو تقریروں میں پچھلے وغیرہ سے انتخاب کر کے لکھی گئی ہے۔ اردو زبان میں اس قسم کی کوئی کتاب اس سے قبل شائع نہیں ہوئی۔ اس کتاب کی لکھائی چھپائی میں خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اور دو قسم کے کاغذ پر چھپوائی گئی ہے۔ ٹائٹل رنگین کاغذ والا بتی ۸۔ کاغذ دیسی ۶۔

ملنے کا پتہ ڈاکٹر صاحب حسین برنی ڈیٹیلیری گریجویٹ لاہور یونی

مشیر صادق

یہ اسم بستی کتاب بہت سے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد ہندوستانی سائنس اور بالخصوص سائنس کا ٹائمر کی غرض سے لکھی گئی ہے اس کتاب میں مثل طور پر سچا یا گیا ہے کہ اس کتاب کی آئندہ زندگی کی فکر کرنی چاہیے اور محض موجودہ حالت میں ٹک رہنے سے اس اپنا فرض پورا طور پر ادا نہیں کرتا اس کے بعد اس فرض کے ادا کرنے کی مثالیں مل کر کہیں بتائی گئی ہیں ہر ہندوستانی سائنس پر اس نئی کتاب کا پورا فرض ہے۔ یہ سے زائد صفحہ کی کتاب ہے کہ لکھائی چھپائی اور ٹائٹل کے ساتھ زیر طیار ہے۔ اور صرف ۲۰ کے ٹکٹ ڈاک آنے پر یا ہر میں ہزار روپے دی جاتی ہے۔

اک اہم و عظیم رسالہ ہندوستان سٹریٹ لاہور

